کُلّیاتِ ساغرؔ نظامی

جلد اول

MODERN PUBLISHING HOUSE
9, GOLA MARKET DARYA GANJ
NEW DELHI 110 002

TELEPHONE 327 8869

KULLIYAT - E - SAGHAR NIZAMI (I VOL.)

Edited by · Prof MUZAFFAR HANFI ***RS. 300.00***

کلیاتِ ساغر نظامی

جلد اوّل

غزلیں، گیت، رُباعیات

مرتبہ

ڈاکٹر مُظفّر حنفی

(پروفیسر اقبال چیئر، کلکتہ یونیورسٹی)

موڈرن پبلشنگ ہاؤس

۹ گولا مارکیٹ، دریا گنج،

نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

اشاعت : ۱۹۹۸ء
قیمت : (جلد اوّل) تین سو روپے
کتابت : ایم۔ حمران اعظمی، دہلی
طباعت : جے۔ اے۔ آفسیٹ پریس، دہلی
سرورق : رزّاق ارشد

زیرِ اہتمام
پریم گوپال متل

ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۹ گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۲۔۱۱۰۰۰

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

مندرجہ بالا شعر کی زندہ تفسیر ـــــ
ـــــ ساغرؔ نظامی کی مثالی رفیقۂ حیات

محترمہ ذکیہ سلطانہ نیّر

کے

نام

ـــــ مظفرؔ حنفی

ترتیب

گیت:

مُقدمہ

ساغر نظامی کو پہلی بار میں نے ۱۹۴۶ء کے اواخر میں دیکھا تھا۔ اس وقت میں چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ ایسا ہوا کہ کھتڈوہ میں ایک کُل ہند مشاعرہ دو دن چلا۔ اس کے تمام اخراجات میرے تایازاد بھائی سیٹھ مظہرالدین نے برداشت کیے تھے اور صدارت پروفیسر شور علیگ نے کی تھی۔ مشاعرے میں شریک ہونے والے شعرائے کرام میں ساغر نظامی، ماہرالقادری، ادیب سہارنپوری، شعری بھوپالی وغیرہ کے نام یاد آتے ہیں۔ میں اس وقت دس گیارہ برس کا تھا۔ چونکہ مشاعرہ دوسرے دن تک جاری رہا، اس لیے مہمان شعراء کی خاطر مدارات میں شامل رہنے کا شرف تھوڑا بہت مجھے بھی حاصل ہوا۔ مشاعرے میں ساغر نظامی اور ماہرالقادری کو جم کر داد ملی۔ پہلے تو ماہرالقادری نے اپنی غزل اور آواز کا ایسا جادو جگایا کہ لگتا تھا اب کسی کا رنگ نہیں جمے گا، لیکن ساغر نظامی نے "پَٹ مندر کے کھول" اور دوسری نظموں سے سامعین کو موہ لیا۔ میرے ذہن پر اس وقت کے جامہ زیب، خوبرُو، خوش گلو، نفاست پسند اور شائستہ مزاج ساغر کا نقش اب تک محفوظ ہے۔ ان سے دوبارہ اور آخری مرتبہ ملنے کا موقع تقریباً بتیس برس بعد دہلی میں نصیب ہوا۔ خواجہ حسن ثانی نظامی نے بستی حضرت نظام الدّین میں ایک بزمِ سخن آراستہ کی تھی جس کی صدارت سیّد حامد نے کی۔ ساغر نظامی

شریکِ بزم تھے اور مجھے بھی شاعر کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا، دیکھا کہ ساغر نظامی کے چہرے پر جھریاں آگئی ہیں کہ اب وہ بہتر برس کے آگے نکل چکے تھے۔ لباس ویسا ہی بے داغ بلکہ بھڑکدار تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اب وہ تحت میں سناتے تھے لیکن آواز میں وہی کرارا پن اور دلکشی تھی اور شخصیت بھی ویسی ہی بے شکن اور کھری۔

آزادیِ ہند سے تقریباً بیس برس اُدھر تک برِ صغیر کے مشاعروں کی دُنیا جن شاعروں کے دَم قدم سے تابناک تھی اُن میں جگر، جوش، حفیظ اور ساغر سرِ فہرست تھے۔ ساغر کی انفرادیت یہ تھی کہ مشاعروں میں غزل سے بڑھ کر ان کی قومی نظمیں اور انقلابی گیت پسند کیے جاتے تھے۔ کہنے کو وہ سیماب اکبرآبادی کے شاگرد تھے لیکن فیضِ استاد نے شاگرد سے اُٹھایا۔ اس اثنا میں ساغر نظامی نے صرف مشاعرے ہی نہیں لوٹے تابڑ توڑ علمی و ادبی کارنامے بھی انجام دیتے رہے۔ چنانچہ تقسیمِ ہند سے پیشتر وہ ماہنامہ "پیمانہ" کی مجلسِ ادارت میں شامل تھے۔ ان کی رباعیات کا مجموعہ "شبابیات"، "داستان"، "سمندر کی دیوی"، علمی کُتب "مشائخِ مارہرہ" اور "تہذیب کی سرگذشت" افسانوں کا مجموعہ "کہکشاں"، مجموعۂ غزلیاتِ "صبوحی"، قومی، انقلابی اور رومانی نظموں، غزلوں اور گیتوں پر مشتمل مجموعہ ہائے کلام "بادۂ مشرق" اور "رنگ محل" منظرِ عام پر آچکے تھے۔ ان کی ادارت میں شائع ہونے والے کئی پرچوں میں سے بطورِ خاص ماہنامہ "ایشیا" اپنے معیار اور گٹ اَپ ہر دو اعتبار سے اُردو کے بہترین جریدوں کی صف میں جگہ بنا چکا تھا۔ فلموں کے گیت کار و مکالمہ نویس کی حیثیت سے ساغر نظامی کامیابی کی منزلیں سر کر چکے تھے اور اپنے اشاعتی ادارے "ادبی مرکز" سے معرکتہ الآرا کتابیں شائع کر چکے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں ان کی غزلوں، گیتوں اور قومی نظموں کا ایک اور مجموعہ "موج و ساحل" منظرِ عام پر آیا۔

وقت کی اُلٹ پھیر سے کچھ ایسا ہوا کہ وہ شاعر جو آزادیِ وطن سے پہلے

پنچھی کی طرح آزاد زندگی بسر کرتا تھا، ملک کے آزاد ہونے کے چند برسوں بعد سرکاری ملازمت کی زنجیروں میں جکڑ گیا۔ ریڈیو اسٹیشن دہلی میں مختلف منصبوں پر فائز رہ کر ساغر نظامی نے جو کارنامے انجام دیے ان کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔ اجمالاً یہ کہ کم از کم ڈیڑھ سو فیچر، غنائیے، آپیرا اور مضامین تو اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کے طور پر ساغر کے قلم سے ضرور نکلے ہی ہوں گے۔ اسی زمانے میں انھوں نے کالیداس کے شہرہ آفاق ڈرامے "شکنتلا" کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا اور اس پر بڑے پائے کا دیباچہ قلم بند کیا۔ پھر آپیرا "انارکلی" لکھ کر اس فرسودہ مضمون میں تخلیقی جان ڈال دی۔ "انارکلی" میں بھی انھوں نے اپنا بیحد عالمانہ مقدمہ شامل اشاعت کیا۔ یہ دونوں مقدمے اتنے وقیع ہیں کہ عہدِ حاضر کے پی ایچ۔ ڈی اور ڈی۔ لٹ وغیرہ کے لیے لکھے گئے بیشتر تحقیقی مقالات ان کے سامنے گرد ہیں۔ پنڈت نہرو کی وفات پر ساغر نظامی نے ان سے اپنی جذباتی اور ذہنی وابستگی کے تحت طویل نظم "نہرو نامہ" لکھی۔ پھر سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ان کی قومی و ادبی خدمات کے پیشِ نظر حکومتِ ہند نے انھیں "اقامتی شاعر" کے عہدے پر فائز کیا۔ معقول مشاہرہ اور رہائش کی سہولت عطا کی اور ہندوستان کی جنگِ آزادی کی منظوم تاریخ لکھنے کا فریضہ ان کے سپرد ہوا جس کی جلد اول "مشعلِ آزادی" منظرِ عام پر آچکی ہے۔ اردو ادب کا مؤرخ ساغر کے ان کارناموں کو یقیناً آبِ زر سے لکھے گا۔

ساغر نظامی کم و بیش ساٹھ برس تک اردو کے ادبی منظر نامے پر مسلسل جگمگاتے رہے۔ کبھی بڑے بڑے جلسوں میں عظیم رہنمایانِ قوم کے دوش بدوش رہ کر پُرجوش وطنی، قومی اور انقلابی نظمیں پڑھ کر ہموطنوں کا دل گرمایا، کبھی مشاعروں میں عوام کو اپنے کلام سے مسحور کیا تو کبھی فلم اور ریڈیو جیسے طاقتور ذرائع ابلاغ کے وسیلے سے اپنی نگارشات لوگوں تک پہنچائیں اور ساتھ ہی ساتھ مسلسل اپنی تصنیفات بھی نہایت خوبصورت ملبوسات میں منظرِ عام پر لاتے رہے۔ مزید برآں

پہلے غیر منقسم ہندوستان اور بعد ازاں ہندو پاک کے موقر جریدوں میں ان کی نگارشات اہتمام و التزام کے ساتھ شائع ہوتی رہیں۔ ہماری تنقید نے ساغر نظامی کو اتفاقِ رائے سے بیسویں صدی کے ممتاز شاعروں میں شمار کیا ہے۔ ساغر نظامی کی بالکل ابتدائی تخلیقات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر سید محمود نے لکھا تھا:

"یہ نوجوان شاعر اردو شاعری اور
اردو انشا پردازی میں بہت سی جدّتوں
کا موجد ہے۔ اس کی شاعری روحانیت،
نازک خیالی، تخیّل، فلسفیانہ رفعت، شبابِ
زندگی، جذباتِ محبّت اور خاص کر جذباتِ
حبّ الوطنی سے پُر ہے۔ وہ حُسن کا پرستار
ہے اور ذی رُوح و غیر ذی رُوح میں
جہاں بھی حُسن کا جلوہ دیکھتا ہے اس
کے کیف سے سرشار ہو جاتا ہے۔"[1]

اور سیماب اکبر آبادی نے کہا تھا:

"ساغر! مجھے تیرے رُوحانی
منصب کا ادراک اور تیرے مادّی مدارج
کا عرفان ہے تُو ان نوجوانوں میں سے
ہے جنھیں فطرت شاعر بنا کر ممالک و
اقوام کی رہنمائی کے لیے بھیجتی ہے
اور جو ایک دِن مصلح کے قابلِ رشک

---

[1] دیباچہ: بادۂ مشرق (ساغر نظامی)

اہل خاندان

(بچے کھڑے ہوئے بڑی لڑکی شبنم، سردار محمد اقبال یار خاں بیٹھے ہوئے نواب زکیہ سلطانہ بیگم سردار اقبال یار خاں (بیگم صاحبہ کی گود میں) سردار محمد صمد یار خاں ساغر نظامی سردار ناصر اقبال یار خاں ساغر صاحب کی گود میں۔)





سردار محمد صمد یار خاں ساغر نظامی
نواب زکیہ سلطانہ نیّر (اہلیہ ساغر نظامی)





حضرت ساغر نظامی کے مختلف موڈز






مسٹر برنی
حسرت موہانی،
ساغر نظامی
اور اختر حسن



۱۹۳۹ء :
یاس یگانہ چنگیزی،
جگر مرادآبادی
ساغر نظامی،
مجید ملک اور
بہزاد لکھنوی



جگر مرادآبادی،
ساغر نظامی،
پنڈت ہری چند
اختر



اگست ۱۹۵۴ء: عرش ملسیانی، مالی حاکسی، جوش ملیح آبادی، سلام مچھلی شہری
اور ساغر نظامی (مشاعرہ آل انڈیا ریڈیو)



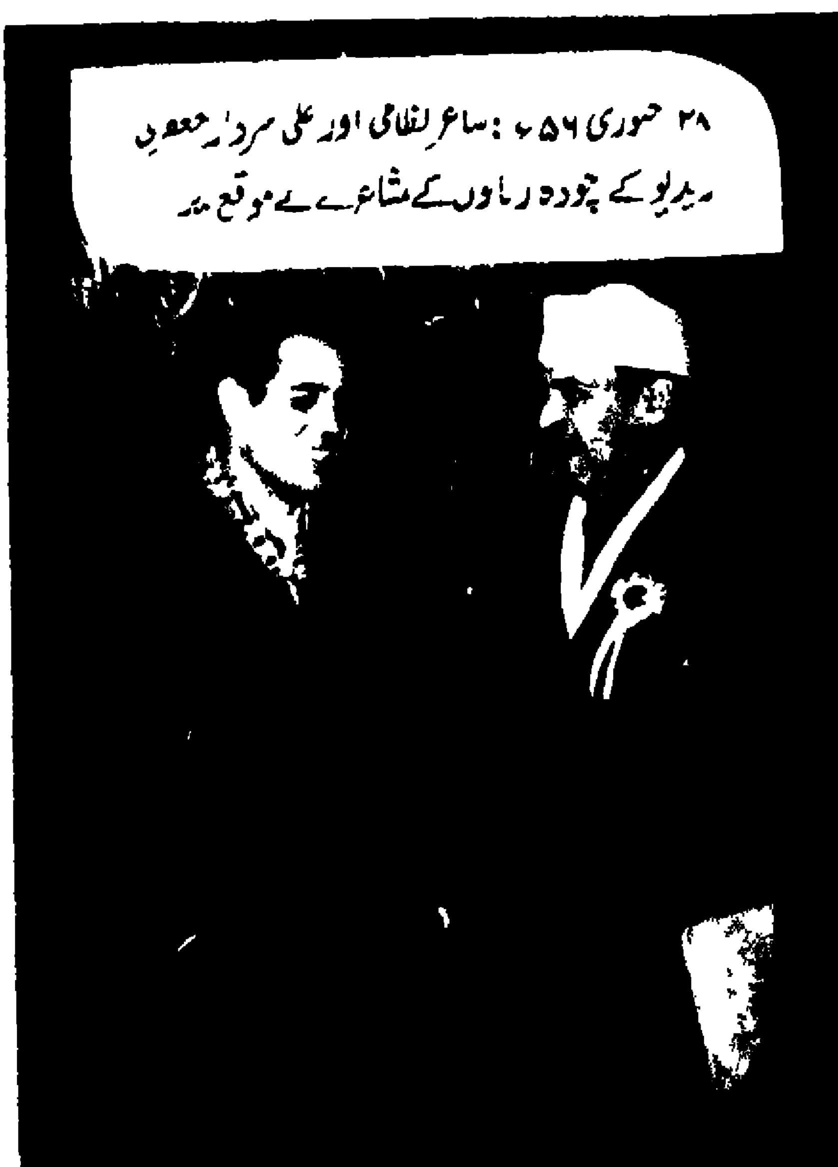
۱۹۵۳ء (دائیں سے) ساغر نظامی، خواجہ غلام السیدین، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، مرزا
محمود بیگ اور جوش ملیح آبادی
(آل انڈیا ریڈیو کا ادبی مباحثہ)



مشاعرہ آل انڈیا ریڈیو:
ساغر نظامی، بسمل سعیدی،
جوش ملیح آبادی، اسرار الحق
مجاز (مائک پر)، رعنا جگی
اور دوسرے



(دائیں سے) سید ریاض، جگن ناتھ آزاد، فراق گورکھپوری، ساغر نظامی اور [illegible]



۲۸ جنوری ۵۶ء: ساغر نظامی اور علی سردار جعفری ریڈیو کے چودہ زبانوں کے مشاعرے کے موقع پر

اگست ۵۵ء حضرت بیخود دہلوی کو غزل پڑھنے میں مدد کرتے ہوئے





۱۹۵۶ء

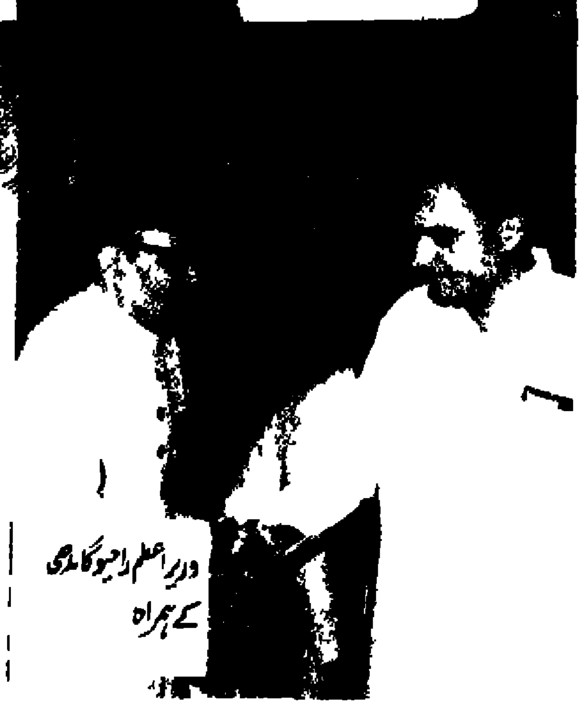
پیٹے گریٹیوں پر موتی لال سکسینہ
ایم ڈی ... محمد ... ڈاکٹر رادھا
... سن



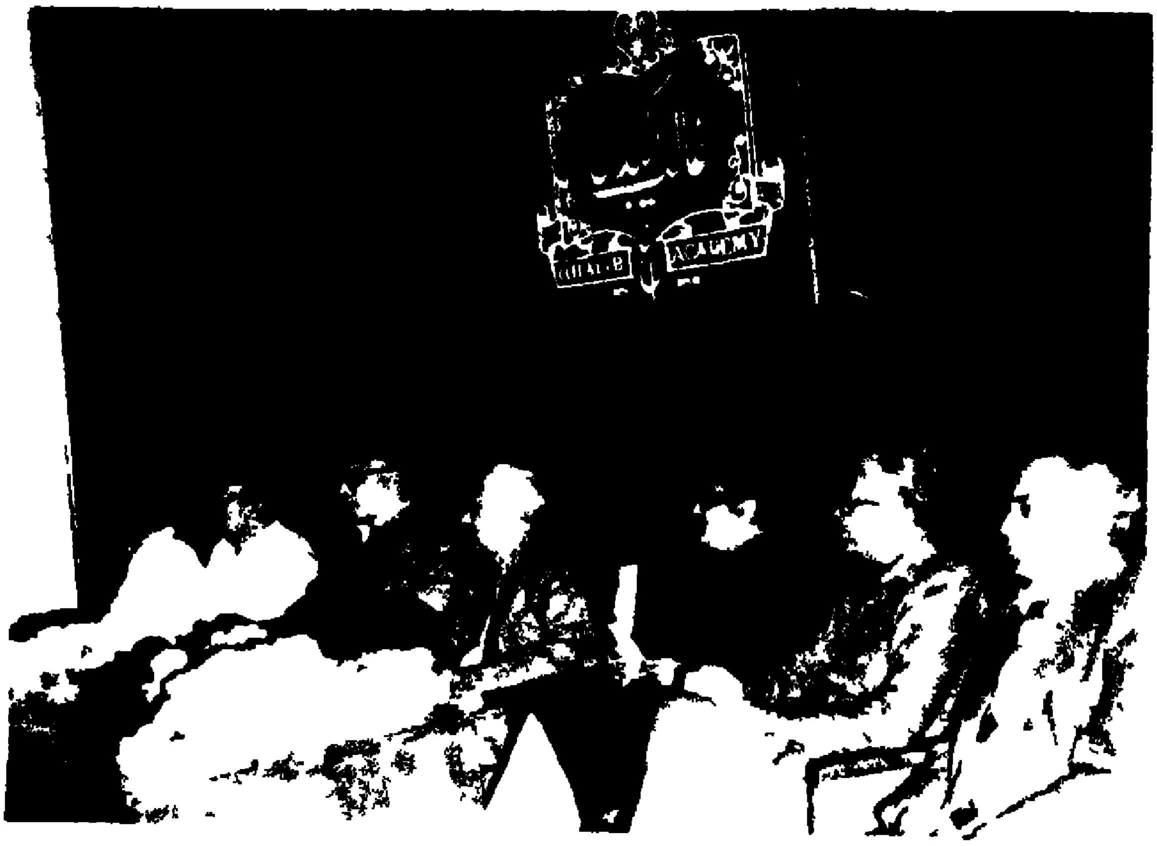
پنڈت ... لال نہرو کے ہمرہ



خواجہ احمد عباس وزیر اعظم اندرا گاندھی کے ہمراہ۔
پیچھے مالک رام صاحب کو بھی دیکھا جاسکتا ہے



وزیر اعظم راجیو گاندھی
کے ہمراہ



غالب اکیڈمی دہلی کی ایک ادبی محفل کے موقع پر (دائیں سے) پروفیسر گوپی چند نارنگ، رشید حسن خاں، ساغر نظامی، پروفیسر رویندر سنگھ، امیر حسن عابدی، گِرِش موہن اور ڈاکٹر خلیق انجم۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی، ساغر نظامی اور دوسرے





ڈاکٹر ذاکر حسین (مرحوم) صدر جمہوریۂ ہند ساغر نظامی کے سینے پر پدم بھوشن کا میڈل آویزاں کر رہے ہیں۔ (۱۹۶۷ء) دہلی

خطاب سے فائز ہونے میں۔ تُو حسّاس ہے، تیرا ذہن بیدار اور تیرا کیرکٹر معصوم ہو سعادت مَند ہے۔ تیری نظر وسیع اور تیری نگاہ حقیقت شناس ہے۔ تو انسان کی رُوح کو تسکین کا پیغام دیتا ہے۔[۱]

خیر، سیماب تو ساغر کے استاد تھے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے تاثرات ملاحظہ فرمائیے:

"ساغر اردو کے جدید شعرا میں سے ہیں جن پر اُردو شاعری کے جدید تغیّر کا اثر نمایاں ہے اور جو اپنا اثر دوسروں پر ڈال رہے ہیں۔ اس وقت ہندوستان جس کشمکش میں ہے وہ ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ یہ وطنیت اور آزادی کے دلدادہ ہیں .... لیکن ساغر کی شاعری یہیں تک محدُود نہیں۔ اس نے فطرت کے مناظر، قدرت کے جلوے، جذبات کی کیفیتیں، نغمہ وسرُود کی سحر آفرینیاں مُختلف اور مُتعدّد نظموں میں خاص کیفیت سے بیان کی ہیں۔ ان کے کلام کی بہت بڑی خصُوصیت اس کا ترنّم اور موسیقیت ہے۔ یہ بات اس وقت کے کسی دوسرے شاعر کو

---

[۱] دیباچہ: بادۂ مشرق (ساغر نظامی)

نصیب نہیں۔ دوسری بات بحروں کا
تنوع ہے۔[۱]"

اور خواجہ حسن نظامی نے بھی ان خیالات پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے لکھا:

"ساغر کے کلام میں شاعری ہوتی
ہے، فلسفہ ہوتا ہے، تصوف ہوتا ہے اور
روزمرہ کی زندگی کے نظارے ہوتے ہیں۔
ان کے اشعار میں پُرشوکت الفاظ اور پُرکیف
بندشیں اور جدت آمیز پیرایۂ بیان
ہوتا ہے ... وہ مسلمان قوم کے لیے سرمحمد
اقبال کی طرح فخر پیدا کرنے والے شاعر
ہیں۔[۲]"

ساغر نظامی کے مجموعۂ کلام "رنگ محل" سے متعلق مشہور افسانہ نگار کرشن چندر کا تاثر ہے:

"ساغر دورِ جدید کا پیامی ہے۔ اس
کی بہار آفریں شاعری ایک صبحِ نو کی تمہید
ہے۔ اس کے نغمے میں ماضی کی غنائیت
نہیں ہے بلکہ اس رنگ محل کا انعکاس ہے
جس کے سُندر کلس اور برج و گنبد مستقبل
کی زرّیں دھوپ میں چمکتے نظر آتے ہیں جب
ساغر شباب کی تازہ اور سرخ شراب زندگی

۱۔ دیباچہ: بادۂ مشرق (ساغر نظامی)
۲۔ دیباچہ: بادۂ مشرق (ساغر نظامی)

کے جام میں انڈیلتا ہے تو خود شاعری
'ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی' بن کر محفلِ
نشاط میں رقص کرنے لگتی ہے ...' رنگ
محل' میں ساغر نے زندگی کے پیکرِ نو کی تخلیق
کی ہے آپ کے لاشعور کے سپنوں کو الہامی
کیفیت بخشی ہے۔[1]

اس دَور کی شاعری سے متعلق ڈاکٹر تنویر احمد علوی رقم طراز ہیں:

"ساغر صاحب کی حق پسندی اور جمالی
پرستی، کلاسیکی روایتِ شعر سے ان کی فنکارانہ
وابستگی انہیں کبھی ٹوٹے پھوٹے شعر نہیں
کہنے دیتی۔ زبان کی لغزشیں ان کے یہاں
نہ ہونے کے برابر ہیں۔ وہ روایت کی شکست
کے نہیں توسیع کے قائل ہیں اور جب اس
توسیع کے سہارے ان کا قلم اور قدم
آگے بڑھتا ہے تو روایت کی پرانی حدیں
خود ٹوٹ جاتی ہیں۔"[2]

"موج و ساحل" اور دوسرے مجموعوں کی غزلوں، نظموں اور گیتوں کے بارے میں پروفیسر قمر رئیس کا خیال ہے:

"سچ پوچھیے تو سرکشی، بغاوت،
انسانی وقار کے تحفظ اور نسلِ انسانی کے

---

[1] ماہنامہ "ایشیا" (بمبئی) فروری ۱۹۴۹ء

[2] ساغر نظامی، فن اور شخصیت (مرتبہ: ضامن علی خاں) ص ۱۱۹

فروغ کا جذبہ ھی ان کی شاعرانہ فکر کا
محرک اور مرکز رھا ھے۔ یہ ان کے اجداد
کی روایت بھی ھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں
کے ھاتھوں پھانسی پائی۔ اپنی غزلوں میں
بھی انھوں نے اسی بلاخیز جذبے کی رنگینیوں
اور باغیانہ فتوحات کے گن گائے ھیں۔
جو مستی، سرشاری، سرکشی اور احساسِ جمال
ان کی زندگی کے ھر پہلو پہ چھایا رھا وھی
ان کے تخلیقی شاھکاروں میں بھی رچا بسا
ھے۔ اسی میں ان کی انفرادیت کا راز پوشیدہ
ھے۔ اب ضرورت اس کی ھے کہ ھم اس کی
اھمیت کو جتا کر جدید اردو شاعری میں
ساغر نظامی کے کارناموں کی شناخت کا
شعور پیدا کر سکیں[1]۔"

حیات اللہ انصاری نے کہا:

"میں ساغر کی نظمیں اور غزلیں
پڑھتا رھا اور برابر محسوس کرتا رھا کہ یہ
شخص بتدریج اوپر جا رھا ھے۔ جوش
اور جگر اپنی اپنی جگہوں پر آکر ٹھہر گئے
ھیں لیکن اس میں دم ھے اوپر اور اوپر جانے کا[2]۔"

---

[1] ساغر نظامی۔ فن اور شخصیت (مرتبہ: ضامن علی خاں) ص ۲۳۷

[2] " " " " " " ص ۶۱

محولہ بالا اقتباسات ان مضامین سے ماخوذ ہیں، جو ساغر نظامی کی آزادی سے پہلے کی نگارشات سے متعلق ہیں۔ جیسا عرض کیا جاچکا ہے آزاد ہندوستان میں شاعر کی زندگی بیشتر سرکاری ملازمت میں بسر ہوئی اور انھوں نے اس مدت میں قطعی مختلف نوعیت کے تخلیقی کام کیے۔ مثلاً کالیداس کے ڈرامے "شکنتلا" کا منظوم ترجمہ جس کے بارے میں جواہر لعل نہرو نے لکھا ہے۔

"دنیا کی اکثر زبانوں میں، شکنتلا
ناٹک کا ترجمہ ہوا۔ میں نے سنا ہے کہ
اردو میں بھی ترجمے کی کوشش کی گئی تھی
لیکن بہت کامیاب نہیں ہوئی، یہ ایک
افسوس کی بات تھی کیونکہ ایسی مشہور
تصنیف کو اردو کا اچھا جامہ پہنانا ضروری
تھا۔ ساغر صاحب نے اس مشکل کام کو اٹھایا
اور جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں بہت
اچھی طرح سے اور کامیابی سے اس کو
پورا کیا ہے"[1]

ڈاکٹر تارا چند کے خیال میں:

"ساغر نظامی نے کالی داس کے
منظوم ڈرامے کو، جو سنسکرت میں ہے،
اردو کا جامہ پہنایا ہے اور اس میں شک
نہیں کہ اردو میں ایک نایاب ادبی شاہکار
کا اضافہ کیا ہے۔ ترجمہ دو وجہوں سے

---

[1] ساغر نظامی: فن اور شخصیت (مرتبہ ضامن علی خاں)، ص ۳۶۶

قابلِ توجہ ہے اوّل تو اس لیے کہ سنسکرت کے متن کا کامل عکس ہے۔ نہ اس میں کالیداس کا کوئی شعر چھوٹا ہے اور نہ کوئی خیال۔ دوسرے اس کی زبان سلیس، شیریں اور عام فہم ہے۔ سنسکرت کی مِٹھاس اردو کی گھلاوٹ میں رچ بس گئی ہے۔ پڑھنے والا بھول جاتا ہے کہ اصل کا مطالعہ کر رہا ہے یا نقل کا۔ اور یہی ترجمے کا کمال ہے۔"[1]

گوپال مِتّل مدیر "تحریک" (دہلی) نے اس ڈرامے کی اُردو میں اشاعت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا تھا:

"میرا بیٹا پریم گوپال تھوڑے بہت ہندی اور اُردو دونوں جانتا ہے اور دونوں زبانوں میں شائع ہونے والی اکثر ادبی کتابوں کی ورق گردانی کے بعد الگ رکھ دیتا ہے کیونکہ اگر بار بار لغت کی مدد لینی پڑے تو اُسے وحشت ہوتی ہے یا غالباً ان کتابوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو ایک نوجوان کو اپنی طرف راغب کر سکے لیکن جب "شکنتلا" اس کے ہاتھ لگی تو وہ اسے مکمل پڑھے بغیر

---

[1] پیش لفظ، شکنتلا (مترجم ساغر نظامی)

نہیں رکھ سکا اور اس کے مطالعہ کے
دوران اور بعد میں بھی وہ اکثر الفاظ اور
بیانات کے، جو اس کی سمجھ سے بالاتر
تھے، مفاہیم پوچھتا رہا۔ میں سمجھتا ہوں
ایک عام قاری کی جانب سے کسی کتاب کو اس
سے بہتر کوئی داد نہیں ہو سکتی"[۱]

اور سجاد ظہیر لکھتے ہیں:

"ساغر نظامی کی منظوم "شکنتلا" بجائے
خود جدید اردو ادب میں ایک بیش بہا
اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔ ساغر صاحب
نے اس میں حیرت انگیز قدرتِ کلام کا ثبوت
دیا ہے اور بہت مشکل سے مشکل مقامات،
لطیف گوشوں اور پہلوؤں سے بڑی استادانہ
مہارت کے ساتھ گزر گئے ہیں۔ انھوں نے
اس بڑے اور دشوار کام کو سرانجام دے
کر تمام اردو پڑھنے والوں پر احسان
کیا ہے"[۲]

ان اصحاب کے علاوہ بھی آل احمد سرور، خواجہ احمد فاروقی، عبدالقادر سروری، محی الدین قادری زور، سمپورنا نند وغیرہ نے اس کے لیے ساغر کو خراجِ تحسین ادا کیا۔ اس معرکۃ الآرا ترجمے پر ساغر نے جو طویل و مبسوط مقدمہ

۱۔ APPRECIATION OF EMINENT SCHOLARS (مرتبہ: ذکیہ سلطانہ نیر)

۲۔ دیباچہ: "شکنتلا"

قلم بند کیا وہ بھی اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے ایک بڑا ادبی کارنامہ ہے ـــ مقدمے کو بے مثال قرار دیتے ہوئے پروفیسر ظ انصاری نے لکھا ہے:

"علمی پہلوؤں کو اپنے دائرے میں سمیٹے ہوئے یہ اسّی صفحات ایک فطری شاعر کے دھڑکتے ہوئے دل اور بلند حوصلگی اور برسوں کی دیدہ ریزی کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اسے پورے منظوم "شکنتلا" کے برابر تولا جاسکتا ہے۔ تولا جانا چاہیے تھا۔ آج تک کسی منظوم ترجمے پر اتنا وقیع، اتنا قیمتی، عالمانہ مگر شاعرانہ دیباچہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔"[1]

"انارکلی" جیسے فرسودہ موضوع کو اوپیرا کی تکنیک میں ساغر نظامی نے کچھ ایسی ہنرمندی کے ساتھ حیاتِ نو عطا کی کہ ڈاکٹر ذاکر حسین کو اعتراف کرنا پڑا:

"ساغر صاحب نے انارکلی کی کہانی کو نئے رُوپ میں پیش کیا ہے اور حسن و عشق کے اس رومان میں اعلا سماجی مقاصد کو سمویا ہے۔ اس طرح تمثیل کے کرداروں کو زندگی کی بلند قدروں کا ترجمان بنا دیا ہے۔ ظاہر ہے یہ بڑی

---

[1] ساغر نظامی: فن اور شخصیت۔ ص ۱۳۱

کاوش اور روحانی و دماغی ریاضت کا کام ہے
جس کے پیچھے اعلا شاعرانہ فکر اور فنکارانہ
صناعی کارفرما ہے۔"[1]

ڈاکٹر محمد حسن کا خیال ہے:

"ساغر نے بڑی چابکدستی سے
انارکلی کی نئی تشریح کو نظم کیا ہے اور
شعریت کا افسوں شکست نہیں ہونے پایا
ہے۔ اس منظوم تمثیل کے بعض حصوں
میں وہ جوش اور روانیِ بیان موجود ہے جو
اچھی شاعری کی پہچان ہے۔ ابتدا ہی
میں سلیم پر انارکلی کی موت کے ردِ عمل
کی شدت جس قدر بے ساختگی اور قوت
کے ساتھ بیان ہوئی ہے، وہ قابلِ ستائش
ہے۔ اسی طرح خواب کے ابتدائی حصے
میں تخیل کی رنگ آمیزی اور حسن کاری
بڑی لطافت کے ساتھ نظم ہوئی ہے ندرتِ
فکر اور حسنِ اظہار کی یہ ایک اعلا مثال ہے۔"[2]

اور پروفیسر اسلوب احمد انصاری رقم طراز ہیں:

"ساغر نے اپنے تخیلی فہم اور ادراک
سے کام لے کر اس داستانِ پارینہ کو جس

۱۔ پیش لفظ: انارکلی (ساغر نظامی)
۲۔ تقریظ: انارکلی (ساغر نظامی)

طرح ایک نیا رنگ روپ اور ایک وسعت بخشی ہے
وہ ایک قابلِ غور ادبی کارنامہ ہے اور اردو
منظوم تمثیل نگاری کے میدان میں ایک
مبارک شگون ہے"[1]

جواہر لعل نہرو کے انتقال پر ساغر کی طویل نظم "نہرو نامہ" منظرِ عام پر آئی تو اسے اردو کی طویل نظموں کے باب میں ایک سنگ میل سے تعبیر کیا گیا۔ مخمور جالندھری نے کہا:

"نہرو نامہ، عالمی ثقافتوں اور تہذیبوں
کا امتزاج ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی ثقافت
کا مرقع ہے۔ ساغر نے وطنیت کی حد میں
پھیلا کر اس دنیا تک محدود نہیں رکھیں۔
اس نے پوری کائنات کو اپنے تخیل میں سمیٹ
کر "نہرو نامہ" کی تخلیق کی ہے"[2]

"نہرو نامہ" پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے پروفیسر عنوان چشتی نے کہا ہے:

"بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے
ساغر نے اس نظم کو نہرو کا مرثیہ بنا
کر پیش کیا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ساغر
نظامی کے لیے نہرو ایک طرف ان کے
خوابوں اور آدرشوں کا پیکر تھے اور دوسری
طرف ایک جذباتی قدر کی حیثیت رکھتے تھے

۱۔ ساغر نظامی، فن اور شخصیت۔ ص ۱۰۵
۲۔ ساغر نظامی، فن اور شخصیت۔ ص ۳۲۹

اس لیے ساغر نے نہرو کی وفات پر اپنے
خوابوں اور آدرشوں کے پیکر کے ٹوٹ
جانے اور اپنی جذباتی قدر کے مجروح
ہو جانے پر ایک شعری تخلیق پیش کی ہے
جس میں نئی زندگی کی بصیرت رقص کرتی
ہے۔[1]

ساغر کی زندگی میں ان کی آخری کتاب "مشعلِ آزادی" حکومتِ ہند کے پبلی کیشنز ڈویژن نے شائع کی۔ اس تخلیقی کارنامے پر انھیں علمی اور ادبی حلقوں میں ہر طرف سے خراجِ تحسین پیش کیا گیا چونکہ یہ سلسلہ پھیلتا چلا جا رہا ہے اس لیے "مشعلِ آزادی" سے متعلق صرف ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں
—— پروفیسر عتیق اللہ رقم طراز ہیں:

"آزادی کے بعد ساغر نظامی نے
ہندوستان کی جنگِ آزادی کے موضوع
اور تاریخ پر ایک طویل ڈرامائی رزمیہ
نظم (۱۹۸۰ء) لکھی۔ یہ ایک بلند کوشش
منصوبہ تھا جسے انھوں نے بڑے حسن و
خوبی کے ساتھ تمام و کمال تک پہنچایا۔
"مشعلِ آزادی" میں کئی ابواب ان کے
قادر الکلامی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں لیکن
ان حصوں کی بھی کمی نہیں ہے جہاں تخلیقی
جودت کے آثار بھی کھل کر نمایاں ہوئے

---

[1] ساغر نظامی، فن اور شخصیت۔ ص ۲۲۸

ہیں۔ اکثر جگہ بحروں کا تنوع اور ترنم
یک لخت دامنِ دل کھینچ لیتا ہے علاوہ
اس شاہکار کے وہ نظمیں جو اس اثنا کی
پیداوار ہیں، ساغر کی اپنی مخصوص
افتادِ طبع کی مظہر ہیں اور اپنے عصر
کی تاریخ سے مضبوط رشتے کا پتہ دیتی
ہیں[1]"

ساغر نظامی کی کچھ اور نگارشات بھی ہیں۔ مثلاً بمبئی میں قیام کے دوران اپنے دوست محمد طاہر خاں کی فرمائش پر انھوں نے تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ناول "بازار" لکھا تھا جو بوجوہ شائع نہیں ہو سکا۔ "مشعلِ آزادی" کے دوسرے حصے کی کتابت بھی بقول بیگم ساغر ان کی زندگی میں ہو چکی تھی لیکن وہ سارا مواد اب سرکاری فائلوں میں دب گیا ہے۔

ریڈیو کی ملازمت کے دوران انھوں نے سو سے اوپر غنائیے، مضامین، فیچر، ڈرامے وغیرہ بھی لکھے تھے۔ اگر جلد کوشش کی جائے تو یہ نگارشات دستیاب ہو سکتی ہیں۔

ساغر کے تخلیقی سفر کا بغور مطالعہ کرنے پر میں نے محسوس کیا کہ آزادیِ ہند کے بعد اُن کی جو چار کتابیں شائع ہوئیں ان میں سے ایک ترجمہ ہے اور دوسری غنائی اوپیرا، جو کسی نہ کسی پہلو سے اُن کی منصبی ضروریات کی زائیدہ ہیں اور بقیہ دو کتابیں بھی بہرحال سیاسی اور عصری تقاضوں کے تحت تخلیق کی گئی تھیں۔ ان کا آخری مجموعۂ کلام "موج و ساحل" ہر چند کہ ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا لیکن اس میں شامل اکثر نگارشات آزادیِ ہند سے پیشتر کی تخلیق ہیں،

---

[1] آزادی کے بعد دہلی میں اردو نظم۔ (مرتبہ: پروفیسر عتیق اللہ) ص ۳۱

یہی صحیح معنوں میں اس اہم اور ممتاز فن کار کا کوئی مجموعۂ کلام لدست۔ پچاس برسوں میں منظرِ عام پر نہیں آیا۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۸ء کے دوران شائع شدہ ان کے مجموعہ ہائے کلام پر پچاس تا پینسٹھ برس جم چکے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ آج ادبی دنیا میں ساغر نظامی کا کوئی بھی مجموعۂ کلام دستیاب نہیں ہے اور بڑی سے بڑی لائبریریاں بھی ان سے محروم ہیں۔ بڑی تیزی کے ساتھ ساغر نظامی کی نگارشات کمیابی سے نایابی کی منزل میں داخل ہو رہی ہیں۔ "شکنتلا" اور "انارکلی" کا بھی تقریباً یہی عالم ہے۔

اس دوران اُردو کے ادبی منظرنامے میں بڑا تغیر و تبدل ہوا۔ ترقی پسند تحریک نے پر و بال نکالے، شباب کو پہنچی اور مدھم پڑ گئی۔ کانگریس کے قریب ہونے کی بنا پر اس تحریک نے خواجہ احمد عباس اور حیات اللہ انصاری وغیرہ کی طرح ساغر نظامی اور ان کے فن سے دانستہ پہلو تہی اور بے اعتنائی کا وطیرہ اختیار کیا۔ پھر ۱۹۶۰ء کے آس پاس جدیدیت کا غلغلہ اٹھا جس کے ناقدین خطابیہ اور بیانیہ شاعری کے برعکس علامت پسندی اور تجریدیت کے قائل تھے۔ اس ماحول میں ساغر کے تخلیقی مجموعوں کی عدم دستیابی نے تنقید کو ان کی طرف سے چشم پوشی کا موقع دیا۔

مذکورہ بالا حالات کی روشنی میں لازمی تھا کہ ساغر نظامی کے کلام اور دیگر نگارشات کی اشاعتِ نو کا بندوبست کیا جائے۔ معاملے کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پہلے مرحلے میں ساغر نظامی کی تمام شعری تخلیقات (انارکلی، شکنتلا، نہرو نامہ اور مشعلِ آزادی کو چھوڑ کر) کلیات کی صورت میں مرتب کر کے شائع کی جائیں اور انھیں صنفی و موضوعاتی اعتبار سے مندرجۂ ذیل جلدوں میں بانٹ دیا جائے:

۱ جلد اوّل: غزلیں، گیت، رباعیاں

۲ جلد دوم: قومی، وطنی، سیاسی نظمیں

۳ جلد سوم : رومانی نظمیں

یہ کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اور ہر ممکن کوشش کی جائے گی کہ اولین دو جلدیں ...خر ۱۹۹۷ء تک اور تیسری جلد ۱۹۹۸ء میں منظرِ عام پر آجائے۔ بعد ازاں ... حالات اور وسائل نے اجازت دی تو اس پروجیکٹ کو مزید وسعت دے کر ساغر نظامی کی طویل نظمیں، ڈرامائی منظومات کے متن، تخلیق کردہ نگارشات، مضامین، اداریے، افسانے، ناول اور مکاتیب کی ترتیب و تدوین اور اشاعت کی بھی خواہش رکھتا ہوں۔

ساغر نظامی کی فکر و فن اور ادبی مرتبے کے بارے میں مجھے اتنا کچھ کہنا ہے کہ اس سب کی شمولیت کلیات کو، جو یوں بھی کافی ضخیم ہے، ضخیم تر بنا دے گی۔ لہٰذا مفصل تنقیدی خیالات کا اظہار کسی علیحدہ مضمون یا کتاب میں کروں گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہر چند نئی نسل تک ساغر نظامی کا کلام بہت کم پہنچا ہے۔ بایں ہمہ ترقی پسند یا جدیدیت کے حامی ناقدین کے برعکس نئے محققین نے ساغر نظامی پر تنقید و تحقیق کی جانب توجہ مبذول کی ہے۔ مثلاً گورکھپور یونیورسٹی سے سلمیٰ شاہین اور غالباً جے پور سے فرحت حسین نے ساغر کی شخصیت اور فن پر اپنے تحقیقی مقالات مکمل کر کے ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ ضامن علی خاں "ساغر نظامی، فن اور شخصیت" مرتب کر کے ۱۹۸۵ء میں شائع کر چکے ہیں۔ ذکیہ سلطانہ نیر کے ساغر نظامی سے متعلق مضامین چھپتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے ساغر کی شخصیت پر ان کی شریکِ حیات سے بہتر روشنی اور کون ڈال سکتا ہے۔ عنقریب ساغر نظامی کی گھریلو زندگی سے متعلق یادداشتوں پر مشتمل ان کی تصنیف "یادوں کے فانوس" بھی منظرِ عام پر آجائے گی۔

کسی شاعر کا کلیات مرتب کرنا اور اس کے کلام کا انتخاب تیار کرنا دو قطعی مختلف نوعیت کے کام ہیں۔ انتخاب کلام کی ترتیب میں فن کار اور مرتب دونوں کی پسند و ناپسند کا لحاظ رکھ سکتے ہیں۔ کلیات مرتب کرتے ہوئے کسی کی یا اپنی پسند و

ناپسند سے بالاتر ہو کر متعلقہ شاعر کا کل ادبی سرمایہ ایک خاص تنظیم کے ساتھ شائع کرنا ہوتا ہے۔ اگر کوئی قلمی مسودہ یا غیر مطبوعہ مواد مرتب کے ہاتھ آتا ہے اور تحقیق کہتی ہے کہ وہ صاحبِ کلیات کی تخلیق ہے تو اسے کلیات میں شامل کرنا مرتب کا فرض ہے۔ اس طرح کلیات میں وہ کلام بھی جگہ پاتا ہے جسے متعلقہ شاعر نے کسی وجہ سے شائع نہ کیا ہو یا کسی رسالے میں اشاعت کے بعد اسے مجموعۂ کلام میں شامل کرنا خلافِ مصلحت سمجھا ہو۔ یہی اصول پیشِ نظر کلیات میں روا رکھا گیا ہے۔ اسی لیے ساغر نظامی کے ابتدائی دور کی نگارشات کو بھی اسی اہتمام سے مرتب اور شائع کیا جارہا ہے جس طرح کہ ان کی اعلیٰ اور معیاری تخلیقات کو شریکِ اشاعت کیا گیا ہے۔ اگر ایسی صورتیں بھی سامنے آئیں کہ کوئی غزل، گیت یا نظم پہلے کسی شکل میں چھپی پھر کہیں اور اشاعت کے وقت اس میں سے کچھ شعر یا بند نکال دیے گئے اور یا دوسرے شعروں یا بندوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ ایسے مقامات پر مرتب نے پچھلے تمام اشعار کے ساتھ اضافہ شدہ شعروں کو بھی شریکِ اشاعت کیا ہے البتہ جہاں اوّلین تخلیق میں شامل اشعار کو یکسر بدلنے کے بجائے ان میں اصلاح یا ترمیم کی گئی ہے وہاں اُن اشعار کو ایسی شکل میں قبول کیا گیا ہے جس میں وہ شاعر کی زندگی میں آخری بار منظرِ عام پر آئے۔ کلیاتِ ساغر نظامی کا مطالعہ کرنے والے شاید ہی اندازہ کر سکیں کہ اس اصول کو برتنے میں مرتب کو کیسے کیسے ہفت خواں پار کرنے پڑے ہیں۔ اپنی کم و بیش ساٹھ سالہ ادبی سرگرمیوں کے دوران ساغر نے ایک ایک غزل گیت اور نظم کو کئی کئی بار نقل کیا، ان میں ترمیم و اضافے کیے۔ ان کی کم و بیش ہر تخلیق بار بار چھپی ہے۔ اس مسلسل کتر بیونت کے بیچ سے تمام اشعار کو نکالنا اور ان کی آخری شکل کا تعین کرنا بڑا جان لیوا کام تھا۔ وہ تو ساغر نظامی کو عادت تھی کہ نگارشات کے مسودوں پر اپنے دستخط اور تاریخ درج کر دیتے تھے اور کہیں کہیں تو یہ بھی قلم بند کرتے تھے کہ ترمیم و اصلاح کتنی مدت کے بعد کی گئی۔ ان اندراجات سے مرتب نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ جیسا کہ "کلیاتِ شاد عارفی" کے مقدمے میں بھی میں نے عرض کیا تھا۔ اس طرح کے

ردّ و بدل، اور ترمیم و تنسیخ کی نشاندہی اور وضاحت حواشی میں کی جا سکتی تھی لیکن اس صورت میں یہ کلیات تین کی جگہ پانچ چھ جلدوں تک پھیل جاتا لہٰذا موجودہ شکل کو قبول کرلینا ہی مناسب سمجھا گیا۔

اس مقام پر ایک اور نکتے کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔ ساغر نے ریڈیو کی ملازمت کے دوران اور بعد ازاں حکومت ہند کے "اقامتی شاعر" (POET IN RESIDENCE) کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے اپنی پرانی غزلوں، گیتوں نظموں وغیرہ کو کہیں معمولی سی تبدیلی کے ساتھ اور بعض اوقات نئے قالب میں ڈھال کر طویل نظموں بالخصوص "مشعلِ آزادی" کا جزو بنا لیا۔ مثال کے طور پر اُن کی خوبصورت نظم "تمنا" قدرے بدلی ہوئی شکل میں "رازداں دریا" کی حیثیت سے "مشعلِ آزادی" کا ایک باب بن گئی۔ اُن کا "سنگ تراش کا نغمہ" بھی مذکورہ طویل نظم کے پانچویں باب میں "عہدنامہ" کا ایک جزو بن گیا۔ "میرے خوابوں کا جہاں"، "نغمۂ ارتقا" اور چند دیگر نظمیں بھی اس ذیل میں آتی ہیں۔ میں نے ایسی تخلیقات کو جنھیں معمولی سی تبدیلی کے ساتھ طویل نظموں میں شامل کر لیا گیا ہے، کلیات میں شامل کرنا ضروری نہیں سمجھا البتہ جن نگارشات کو بہت زیادہ تبدیل کر کے بلکہ اُن کی تشکیلِ نو کے بعد "مشعلِ آزادی" میں شریک کیا گیا ہے۔ ان کو قدیم اور اصل صورت میں شاملِ کلیات کر لینے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ امید ہے اس کلیات کی اشاعت سے ساغر نظامی جیسے اپنے عہد کے ایک بہت اہم شاعر کو عصرِ حاضر اور مستقبل میں ان کے جائز ادبی مقام پر بحال کرنے میں مدد ملے گی۔

مرتب نے "کلیاتِ شاد عارفی" کے مقدمے میں ذکر کیا تھا کہ شاد کے رامپوری احباب اور شاگردوں نے ان کے کلام کی فراہمی میں مرتب کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ شاعر کی بیاضوں کو دیکھنے کا موقع تک نہیں دیا۔ مرتب کے ساتھ اردو کے تمام ادبی حلقوں کو بیگم ساغر نظامی کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں

نے اپنے شریکِ زندگی کی یادوں کے ساتھ ان کے قلم سے نکلے ہوئے ایک ایک پرزے، مسودے، اور مخطوطے کو سنبھال کر رکھا اور رسائل وغیرہ سے پرانی چیزیں نقل بھی کرتی رہیں۔ ہر چند کہ آزادیِ ہند کے بعد شائع ہونے والے ڈراموں اور طویل نظموں کے علاوہ ساغرؔ نظامی کے پرانے مجموعہ ہائے کلام اُن کے ذخیرے میں نہیں تھے۔ پھر بھی موصوفہ کے فراہم کردہ مواد اور عملی اشتراک کے بغیر اس کلیات کی تیاری اور اشاعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مرتّب صمیمِ قلب سے ان کا شکر گزار ہے۔

برادرم پریم گوپال مِتّل میرے ہمدمِ دیرینہ اور قدیم کرم فرما ہیں۔ اکثر میری خاطر اپنی نیند بھی حرام کر لیتے ہیں اور مہینوں کا کام ہفتوں میں انجام تک پہنچا دیتے ہیں۔ کتابت کے مرحلے سے لے کر طباعت کی منزل تک میری دخل اندازیوں کو برداشت کرتے ہیں اور مجوزہ اصلاح، ترمیم اور تنسیخ کو عملی پیرائے میں ڈھالتے ہیں۔ خداوند قدوس انھیں تندرست و کامران رکھے۔ میرا بیٹا فیروز بھی اس ضمن میں دُعاؤں کا مستحق ہے اور ڈاکٹر ممتاز الحق بھی، دونوں نے مسوّدے کی تیاری میں میرا ہاتھ بٹایا۔

مُظفّر حنفی

۱۵ راگست ۱۹۹۷ء

اقبال چیئر،
شعبۂ اردو، کلکتہ یونیورسٹی،
کلکتہ۔۷۳

غزلیں

سرِ شوق پیہم جھکاتا رہوں گا — بہر گام کعبہ بناتا رہوں گا
ازل میں محبت سے وعدہ تھا میرا — جوانی کی دولت لٹاتا رہوں گا
ہوائے مخالف سے ہے شرط میری — چراغ اپنے خود ہی بجھاتا رہوں گا
ہے برق و شرر سے مرا عہد نامہ — میں خود اپنے خرمن بتاتا رہوں گا
شبِ تار سے میں نے وعدہ کیا ہے — اندھیرے کو مشعل دکھاتا رہوں گا
زباں دی ہے ساحل سے موجوں کو میں نے — کہ طوفاں میں بھی مسکراتا رہوں گا
گذرتا رہے گا برے سر سے طوفاں — میں موجوں کا بربط بجاتا رہوں گا
کیا ہے تباہی سے یہ عہد میں نے — کہ تعمیرِ ہستی کو ڈھاتا رہوں گا
یہ سازِ مشیت سے پیماں ہے میرا — مصیبت میں بھی گنگناتا رہوں گا
ہے تقدیرِ دامن کی صد چاک ہونا — میں دامن کو کب تک بچاتا رہوں گا
حقیقت کے رخ سے حقیقت کے رخ پر — حجابِ توہم گراتا رہوں گا
غرورِ محبت میں جب تک بھی دم ہے — زمانے کو نیچا دکھاتا رہوں گا
تغیر نہ جب تک وطن میں در آئے — بغاوت کے پرچم اڑاتا رہوں گا
ہیں جنبش میں آویزہ تاک جب تک — میں پیتا رہوں گا، پلاتا رہوں گا

جہاں تک بھی ساغر مرے دم میں دم ہے
پلاتا، لٹاتا، بہاتا رہوں گا

مَیں نغموں کے دریا بہاتا رہوں گا
ترنّم کے طوفاں اُٹھاتا رہوں گا

بہت دُور سے یاد آتا رہوں گا
انھیں سارے ساون رُلاتا رہوں گا

ترے نُطق کا فیض جاری اگر ہے
تو مُبہم کو حیراں بناتا رہوں گا

محبّت کی مایوسیوں کی قسم ہے
اَبد تک انھیں آزماتا رہوں گا

وہ محفل میں میری زباں بند کر دیں
نظر سے فسانہ سُناتا رہوں گا

اُجڑتی رہے گی مرے دل کی بستی
نئی دِل کی بستی بساتا رہوں گا

بہارِ محبّت کا پالا چمن ہوں
خزاں میں بھی لہلہاتا رہوں گا

وہ دامن کو اپنے جھٹکتی رہیں گی
جو میں خاک ہوں اُڑ کے چھاتا رہوں گا

شکستہ دِلی حاصلِ زندگی ہے
یہ آئینہ سب کو دِکھاتا رہوں گا

ہمیشہ مجھے وہ بھلاتے رہیں گے
سَدا ان کو میں یاد آتا رہوں گا

جنونِ وفا جب تلک ہے سلامت
محبّت کو وحشی بناتا رہوں گا

کب آجائے وہ جانِ جانانِ عالم
محبّت کی دُنیا سجاتا رہوں گا

زہے فیضِ ساقی زہے کیفِ باقی
میں ساغر ہوں، پیتا پِلاتا رہوں گا

ساقیا بادۂ سرجوش کا بھر جام پلا
عشق بے سوز ہے اور عقلِ رسا خام پلا

دلِ بے کیف میں پھر عشق کی مستی بھر دے
حاصلِ کفر پلا، حاصلِ اسلام پلا

اپنے کھلتے ہوئے ہونٹوں کے گلابوں کی قسم
بھر کے اک جام تبسم، مئے گلفام پلا

نور ہی نور ہے ہر سمت ترے جلووں سے
اور اس نور میں تاریکیِ اوہام پلا

جسے کہتے ہیں اسیروں کی زباں میں گیسو
اپنے شانوں پہ بکھرے ہوئے وہ دام پلا

واسطہ گیسوئے شب گوں کی مہک کا ساقی
تیرے مے خانے میں آئے ہیں سرِ شام پلا

نغمہ جب نرت بنے جام کو مے سے بھر دے
رقص جب سحر بنے بادۂ گلفام پلا

بندگانِ درِ میخانہ نہ لوٹیں گے یونہی
چاک کر دیں گے ابھی بادۂ گلنام پلا

سوچ تو کب سے صنم خانے کی بنیاد ہے خشک
کب سے بے رنگ ہیں کعبے کے در و بام پلا

جو بچے دبر سے کعبے میں بہا دے ساقی
تشنہ ہیں منبر و محراب و در و بام پلا

تو بھی پیمانے میں ہنستے ہوئے شعلے بھر دے
زندگی پھر ہے چمکتی ہوئی صمصام پلا

بھر دے تریاق ہی تریاق مرے ساغر میں
پھر مجھے ڈسنے لگا ہے غمِ ایام پلا

ایک غم ہو تو گنائیں ترے پیاسے ساقی
غمِ عقبیٰ، غمِ دنیا، غمِ ایام، پلا

جنھیں دعویٰ ہے یہاں بت شکنی کا ساقی
آستیں میں ہیں چھپائے ہوئے اصنام پلا

ہر طرف تشنہ لبی، تشنہ لبی، تشنہ لبی
ساقیا جام پلا، جام پلا، جام پلا

چھپ کے گوشوں میں کہیں اہلِ جنوں پیتے ہیں
ساقیا جام پلا اور سرِ عام پلا

صبح کیا ہو گی، نہیں شب کا بھروسہ ساقی
زندگی کیا ہے فقط خوابِ سرشام پلا

سن کے یہ منقبتِ حسنِ مجسم ساقی
مستقل وجد میں ہیں حافظ و خیام پلا

اس قدر ظرفِ غلامی میں کہاں سے لاؤں
از ازل تا بہ ابد شورشِ احکام، پلا

دورِ ساغر سے بھلا جرأت سبقت ہو اسے
کتنی گستاخ ہے یہ گردشِ ایام پلا

جور و ستم کو تیرے کریں آشکار کیا
دُہرائیں داستانِ جفا بار بار کیا

میرے ہی خوں سے بزم چراغاں ہے باغ کیونا
پیاسی ہے میرے خون کی فصلِ بہار کیا

یہ میرا آشیاں ہی جلے بار بار کیوں
صیاد کو قفس پہ نہیں اختیار کیا

دُنیا بھی ایک جبر، مشیّت بھی ایک جبر
اِس جبرِ بے کراں پہ مرا اختیار کیا

صدیاں ہوئیں کہ سنّتِ مجنوں ہوئی تمام
اب بھی کسی کا دشت کو ہے انتظار کیا

طوفانِ رنگ و بو میں بھلا کس کو ہوش ہے
فطرت خزاں کی کیا ہے مزاجِ بہار کیا

منصور پھر رہے ہیں خریدار ڈھونڈتے
کیا دار، آج اور روایاتِ دار کیا

اس کے گلے کے پھول سنائیں گے داستاں
میرا نشاں بتائے گی لوحِ مزار کیا

(ق)

اور اس پہ چند پھول مرے گیت گائیں گے
نوحہ تمھیں سنائے گی خاکِ مزار کیا

جس کو تصورات بھی بڑھ کر نہ چھو سکیں
اس سائے کا فراق میں ہے انتظار کیا

یادوں کو تیری کون تخیل میں لا سکے
پرچھائیوں پہ سائے کا ہے اختیار کیا

خوشبو ترے بدن کی چمن کو محیط ہے
ہے اپنی ذات سے یہ نسیمِ بہار کیا

دل پر بھی اختیار ہے اُن پر بھی اختیار
کچھ کام آسکے گا مگر اختیار کیا

دُنیا ہے خوب، آدمی دنیا سے خوب تر
ان دو کی آرزو ہے تو مرنے سے پیار کیا

تنہائی، ہم سفر ہے تمھاری چلے چلو
ساغرؔ ہر ایک گام پہ ہے انتظار کیا

تمھاری بزم کے اسرار کچھ سمجھا تو میں سمجھا
رموزِ فطرتِ اغیار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

نہ سمجھے پنڈت و ملّا نہ سمجھے شاعر و صوفی
حکیمِ وقت کے افکار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

زمانہ کو ضرورت پھر ہے اک منصورِ تازہ کی
پیامِ بے کسیِ دار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

گلوں سے کس لیے اتنا علاجِ جبرِ پیہم ہے
رموزِ قدرتِ جبّار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

کوئی کہنہ روایت موت بن کر چھا گئی دل پر
جنونِ لذتِ آزار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

نہ کچھ رقصِ زمیں سمجھا نہ سمجھی گردشِ انجم
تمھاری جوششِ رفتار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

عطیہ ہے مری خامی، تمھے ذوقِ تلوّن کا
تضادِ فطرت و کردار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

خرد پر اعتبار اس کو نہ دل پر اختیار اس کو
مزاجِ آدمِ بیمار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

نہ انکار اس کا ہے صادق نہ اقرار اس کا ہے صحیح
نزاع کا فرو دیندار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

یہ آویزش نئے رشتوں کا دامِ کامیابی ہے
فسادِ سبحہ و زنّار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

یکایک پائے ساقی پر گرا میں جوشِ مستی میں
مآلِ جذبۂ پندار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

نہ وقتِ سست رو سمجھا نہ برقِ نرم ضو سمجھی
تمھاری شوخیِ رفتار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

نہ شیخ و برہمن سمجھے نہ کچھ اربابِ فن سمجھے
اشارہ ہائے چشمِ یار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

جو میخانے میں خالی ہیں وہ ساغر بھی چھلک اٹھیں
پیامِ نرگسِ سرشار کچھ سمجھا تو میں سمجھا

○

ہر سمت جو شعلہ سا بھڑکتا ہے گذرجا — یہ آبلہ پائی کا کرشمہ ہے گذرجا

ساحل ہے نہ طوفان ہے نہ دریا ہے گذرجا — اِک وحشتِ تخلیق کا دھارا ہے گذرجا

کشتی ہے تلاطم ہے نہ دریا ہے گذرجا — تو آپ ہی خود اپنا کنارہ ہے گذرجا

جس طرح ہیں بکھرے ہوئے سڑکوں پہ تماشے — گھر بھی ترا ایسا ہی تماشہ ہے گذرجا

سرسوں کی طرح زرد یہ لٹکے ہوئے چہرے — ہر شخص یہاں اپنا جنازہ ہے گذرجا

جیسے کسی اہرام کی نایاب — ممی ہو — جو چہرا ہے وہ چہرا بہ چہرا ہے گذرجا

نابینا و بے نطق و گراں گوش ہے قدرت — بپتا کسے رو رو کے سناتا ہے گذرجا

یہ گرگ، یہ چیتے، یہ حسیں ناگ، یہ اژدر — تنہا ہے تو اُس بھیڑ میں تنہا ہے گذرجا

وہ وقفۂ عاجل کہ مسرت جسے کہیے — اِک بسرے ہوئے خواب کا سایا ہے گذرجا

امروز ہی جنجال تمنا کا نہیں ہے — فردا بھی تمنا ہی تمنا ہے گذرجا

تو کتنوں کو توڑے گا کہ حلقے تو ہیں لاکھوں — جو سانس ہے وہ دامِ تمنا ہے گذرجا

پھولوں بھرا آنگن تو جیسے جان رہا ہے — اے دوست وہ تپتا ہوا صحرا ہے گذرجا

ہر دیں نے سپر ڈال دی میدان میں تھک کر — اور وحشتِ انساں کہ دوبالا ہے گذرجا

، امواج کی زنجیر میں جکڑے ہوئے قیدی — دریا تو ترے ساتھ ہی بہتا ہے گذرجا

اِک دامِ تصوّر ہے جو خود ذہن نے بُنا ہے
دُنیا ہے نہ برزخ ہے نہ عقبا ہے گذر جا

کیوں شورشِ سیلاب سے تو کانپ رہا ہے
طوفان تو خود تو نے اُٹھایا ہے گذر جا

جنت تری سرمستیِ افکار کی تصنیف
دوزخ تری آہوں کا مقالہ ہے گذر جا

ہے ترکِ تمنّا ہی میں تکمیلِ تمنّا
گر حسرتِ تکمیلِ تمنّا ہے گذر جا

دنیا نہیں پرچھائیوں کا ایک جہاں ہے
اِک حسن ہی کیا عشق بھی سایا ہے گذر جا

جو شے نظر آتی نہیں وہ ہے تری حسرت
جو کچھ نظر آتا ہے وہ مایا ہے گذر جا

ناکامیِ اِمروز پہ دَم توڑنے والے
اِک سخت قدم اس کا مداوا ہے گذر جا

ہر بوالعجبی، بولہبی، بوجہلی سے
سرمستیِ دانش کا تقاضا ہے گذر جا

کچھ اور بھی دنیائیں ہیں ان میں بھی سفر کر
یہ دہر تو خود تیرا ہی قریا ہے گذر جا

کیا جانیے کب جاگ اُٹھے اور بپھر جائے
ہر شخص کے سینے میں گوریلا ہے گذر جا

پو پھٹتے ہی کرنیں تجھے کر لیں گی گرفتار
اِس وقت اندھیرا ہی اندھیرا ہے گذر جا

تو بھی فقط اِک منظرِ تحلیل ہے ساغر
ساقی ہے نہ صہبا ہے نہ مینا ہے گذر جا

خاک تھا پھر بھی میں انوارفشاں ہو کے رہا
رشکِ خورشید نہیں کاہکشاں ہو کے رہا

کبھی نکہت نے کبھی بادِ صبا نے روکا
مَیں مگر خلوتیِ گُل بدناں ہو کے رہا

لاکھ اندھیروں نے ہر اِک موڑ پہ مجھ کو ٹوکا
مَیں مگر جلوتیِ ماہ وشاں ہو کے رہا

بات کہتے ہی رہے بزم میں بیٹھے کچھ لوگ
میں مگر صدرِ حسینانِ جہاں ہو کے رہا

لاکھ توڑے مِرے ساغر مِرے خم میرے سبُو
مَیں مگر مُرشدِ رندانِ جہاں ہو کے رہا

ژالہ باری کے کلیجے کو کچل کر آخر
شعلہ زا، شعلہ فشاں، شعلہ بجاں ہو کے رہا

زلزلوں نے کبھی کچلا، کبھی طوفانوں نے
ذرۂ خاک مگر کوہِ گراں ہو کے رہا

وقت کے سینۂ سنگیں سے، اُڑا کر ٹکڑے
مَیں وہ چشمہ ہوں کہ صحرا میں رواں ہو کے رہا

میرے سینے میں دیے لالہ و گُل کھل ہی اُٹھے
مَیں وہ صحرا ہوں کہ صد رشکِ جناں ہو کے رہا

شورشِ وقت نے آواز دبانا چاہی
جشنِ تاریخ میں، مَیں نغمہ کناں ہو کے رہا

سب نے چاہا کہ میں بے نام و نشاں ہو جاؤں
میں مگر صاحبِ اسناد و نشاں ہو کے رہا

خانہ ویرانی نے ہر گام پہ سو دام بچھائے
پھر بھی میں جانِ مکاں روحِ زماں ہو کے رہا

مصلحت کوشیوں کے دام کو پھیلا ہی دیا
جبر کوشوں میں حقائق کی زباں ہو کے رہا

ریگ زاروں نے مرا کم نہیں گھونٹا ہے گلہ
پھر بھی میں گاتی ہوئی جوئے رواں ہو کے رہا

لاکھ باطل نے زمانے میں زباں بندی کی
مَیں بہرحال حقائق کی زباں ہو کے رہا

گو مَیں اِک رمز تھا، اِک راز تھا پھر بھی اِک دن
اپنی فطرت کی کشاکش سے عیاں ہو کے رہا

لاکھ راتوں نے مِرے رُخ پہ اندھیرے اُلٹے
وہ کرن ہُوں کہ گجر دم میں عیاں ہو کے رہا

واجبُ القتل جو انبوہ مجھے کہتا تھا
وہی انبوہ بہ حیرت نگراں ہو کے رہا

ہر حقیقت کا وظیفہ ہے عیاں ہو جانا
سب چھپاتے ہی رہے اور مَیں عیاں ہو کے رہا

نفع میں مَیں ہی رہا پھر بھی مجھے غم یہ ہے
کہ اِک انبوہِ حریفاں کا زیاں ہو کے رہا

بُت مرا آج تلک خام نہیں ہے تو ہے کیا؟
خود یہ صنّاع پہ الزام نہیں ہے تو ہے کیا؟

مَیں نے کب آرزو کی تھی کہ مِلے مجھ کو حیات
زیست اِک مُفت کا الزام نہیں ہے تو ہے کیا؟

کہیں زنجیر، کہیں طوق، کہیں دار و رسن
زندگی آہنی اِک دام نہیں ہے تو ہے کیا؟

ایک زنجیر ہے گہوارے سے تا حدِ لحد
زندگی سلسلۂ دام نہیں ہے تو ہے کیا؟

خانہ ویرانی میں یہ حسرتِ تعمیر، چہ خوب
ریت میں خوابِ در و بام نہیں ہے تو ہے کیا؟

ہم ہی شعلوں میں جلیں، ہم ہی وفادار نہیں
ہم پہ یہ ظلم کا الزام نہیں ہے تو ہے کیا؟

بیٹھ جاتا ہُوں جہاں آبلے دیتے ہیں لہو
یہ ہر اِک گام پہ آرام نہیں ہے تو ہے کیا؟

کچھ مِرے ہم سفروں کو تو ہے فرحت حاصل
راہ میں اِک مجھے آرام نہیں ہے تو ہے کیا؟

کبھی سقراط کے ہونٹوں نے جسے چوما تھا
میرے ہونٹوں پہ وہی جام نہیں ہے تو ہے کیا؟

ہر درندے کو مئے عشق ملے تب جانیں
بادۂ عشق ابھی عام نہیں ہے تو ہے کیا؟

نیزہ بردار اندھیروں کی ہے ہر شوخ کرن
صبحِ شب خون کی اِک شام نہیں ہے تو ہے کیا؟

بُتِ ظاہر کا پجاری کوئی ذہنی بُت کا
آدمی بندۂ اصنام نہیں ہے تو ہے کیا؟

نُور تو سینکڑوں سیّاروں کا افسردہ ہے
کفر بھی شرقِ اسلام نہیں، ہے تو ہے کیا؟

یہ جو سیاروں کی جانب میں اُڑا جاتا ہوں
یہ نیا نامہ و پیغام نہیں ہے تو ہے کیا؟

سینۂ تاک میں خود تو نے لُنڈھا دی مئے ناب
ہم بلانوش! یہ الزام نہیں ہے تو ہے کیا؟

حُسن کیا ہے جو نہیں میری نگاہوں کا فریب
عشق بھی سایۂ اوہام نہیں ہے تو ہے کیا؟

ان کے قدموں کے لیے نور کا قالین نہیں
یہ شبِ ماہ پہ الزام نہیں ہے تو ہے کیا؟

عستی کی بے بسیِ شوق نے گھبرا کے کہا
عقل بھی میری طرح خام نہیں ہے تو ہے کیا؟

"محشرِ شیشہ گراں" رمزِ تہی دست سمجھ
میرے ہاتھوں میں اگر جام نہیں ہے تو ہے کیا؟

پھول مُرجھایا تو اِک دوسرا مسکانے لگا
زندگی موت کا انجام نہیں ہے تو ہے کیا؟

روک لیتے ہیں انھیں راہ میں آتے جاتے
قبضے میں گردشِ ایام نہیں ہے تو ہے کیا؟

عشق تو نام ہی رُسوائی کا ہے میرے ندیم
عشق میں گر کوئی بدنام نہیں ہے تو ہے کیا؟

کِس کو چُپ رہ کے وہ ہر سانس میں دیتے ہیں صدا
ان کے ہونٹوں پہ مرا نام نہیں ہے تو ہے کیا؟

نالۂ نیم شبی، نغمۂ آہِ سحری
یہ شبِ ہجر کا الہام نہیں ہے تو ہے کیا؟

یہ مری گرسنگی ہائے مری تشنہ لبی
یہ مرے فن ہی کا انعام نہیں ہے تو ہے کیا؟

نہیں ساغرؔ کسی سلجوقی و طوسی کا غلام
عصرِ حاضر کا وہ خیام نہیں ہے تو ہے کیا

مَیں نے جو کبھی دِل سے اِک سجدہ کیا ہوتا
کعبہ مری عظمت پر سجدے میں گرا ہوتا

کیوں روک دیا تم نے آنکھوں کے اشاروں سے
دلچسپ تھا افسانہ کہنے تو دیا ہوتا

یہ آنسوؤں کی بارش اور جوشِ تصوّر میں
اے ڈوبی ہوئی آنکھوں میں ڈوب گیا ہوتا

تُو نے جسے اے ظالم تلووں سے مسل ڈالا
شاید یہی اِک آنسو تاریخِ وفا ہوتا

مارا مجھے اے ساغرؔ فطرت کی عنایت نے
یا وہ نہ مِلے ہوتے، یا دل نہ مِلا ہوتا

○

شمع ساں میں جل کے پہنچا بن کے پروانہ گیا
لاکھ میں نے بھیس بدلے پھر بھی پہچانا گیا

یاد ہے کل شب قریبِ شمع پروانہ گیا
لیکن اس کے بعد کچھ دیکھا نہ پہچانا گیا

فردِ استفہام ہو گی، ہاتھ میں داور کے نام
اس طرح جائے گا گر محشر میں دیوانہ گیا

زخم چھپتے ہیں کہیں وہ بھی ترے نشتر کے زخم
لاکھ زخموں کو چھپایا پھر بھی پہچانا گیا

ایک چنگاری سی بھڑکی اور بھڑک کر رہ گئی
یاد ہے اتنا کہ نزدِ شمع پروانہ گیا

عاشقوں کو داورِ محشر بھی کیا پہچانتا
میں وہاں بھی چاکِ داماں ہی سے پہچانا گیا

پھر وہی اِک گوشۂ گلشن، وہی کنجِ قفس
آشیاں کے عشق میں ہاتھوں سے ویرانہ گیا

باغ تو عکسِ خزاں ہے دشت فردوسِ دوام
جب سے ویرانہ ملا، گلزار کا جانا گیا

شمع سوزِ وصل کی حدت سے بجھ کر رہ گئی
شمع کے پہلو میں جب مستی میں پروانہ گیا

طالبِ ظرفِ نگہ جلوہ، نگہ جلووں میں گم
لاکھ حیرت کو چھپایا پھر بھی پہچانا گیا

کوچۂ لیلیٰ ہو اور ہاتھوں میں کاسہ بھیک کا
اِس ہوس میں ہات سے مجنوں کے ویرانہ گیا

ورنہ انبوہِ خردمنداں میں وہ کیا جانتے
چاکِ داماں سے مجھے محفل میں پہچانا گیا

مَیں نے اب تک بیعتِ پیرِ مغاں توڑی نہیں
کون کہتا ہے کہ میرا دورِ رندانہ گیا

ہر طلسمِ دیر و کعبہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا
کچھ مَیں یوں جاگا کہ یہ سارا افسوں خانہ گیا

حسرتِ تعمیر اَب بھی ہے مگر سچ تو یہ ہے
اپنے ہاتھوں اپنی ہی تعمیر کا ڈھانا گیا

آج یہ اُجڑی بہاریں، کیا مجھے دیں گی سند
اَدھ کھِلا غنچہ تھا جب رُوحِ چمن مانا گیا

جب جنوں تھا رقص تھا جشنِ حسیناں جامِ مے
ہائے اِک پل مارتے وہ دورِ مے خانہ گیا

ساقیِ گلفام میں تھا رقص میں مے خانہ تھا
ہائے کس دھرتی میں وہ میرا پری خانہ گیا

رند اُٹھے، ساقی گیا، مے کش گئے، ساغر چلا
ہم بلاتے رہ گئے، اور سارا مے خانہ گیا

کیا ہوئے آزاد و اختر کیا ہوئے جوش و مجاز
چھوڑ کر ساغر کو مے خانہ کا میخانہ گیا

◉

O

اُس نے جو زعمِ حسن میں رُخ سے نقاب اٹھا دیا
ہم نے بھی شوقِ دید میں دل کو نظر بنا دیا

بربطِ عشق پر انھیں نغمۂ غم سُنا دیا
جو نہ زباں سے گا سکے اس کو نظر سے گا دیا

عشق نے ناخدا دیا، حُسن نے رہنما دیا
شوق جدھر بھی مُڑ گیا وقت نے راستا دیا

شکوہ نہیں مگر مجھے یہ بھی دیا تو کیا دیا
اِس بھری کائنات میں اِک دلِ بُترز دیا

تو نے ہمارے واسطے جس کو خزاں بنا دیا
ہم نے اِسی دیار میں جی کے تجھے دِکھا دیا

اس نے جو فرطِ رقص میں مے کا سبو بڑھا دیا
ہم نے بھی ذوقِ تشنگی، خونِ جگر لنڈھا دیا

ہم نے تو تیرے حُسن کو سلسلۂ ادا دیا
تو نے جفا کے زعم میں نقشِ وفا مٹا دیا

وقت بہت مہیب ہے وقت بہت کریم ہے
وقت نے راہزن دیے، وقت نے رہنما دیا

خالق و کارساز تھا جذبۂ آذریِ عشق
جس پہ نگاہ ڈال دی اس کو خُدا بنا دیا

سنگ کو بُت کی شکل دی صنعتِ بُت تراش نے
مَیں نے مگر تراش کر بُت کو خُدا بنا دیا

صرف جنونِ بندگی عاشقوں کی خطا نہیں
یہ بھی ہمارا جرم ہے تم کو خُدا بنا دیا

میرے اور اس کے صبر کی بات تو مختصر سی ہے
اس نے مجھے مٹا دیا، مَیں نے اسے بُھلا دیا

واں تھا ہر ایک گام پہ ایک ہجومِ ظالماں
عشق کو دل دعائیں دے عشق نے حوصلہ دیا

میری نشاں دہی ہے تو تیری نشاں دہی ہوں مَیں
میں نے ترا پتہ دیا، تو نے مرا پتہ دیا

عشق کی ایک کپکپی خالق و کارساز تھی
برق و شرر کہ بحر و بر سب کو خُدا بنا دیا

یہ بھی کسی غریب کے گھر کا دیا ہے زندگی
شام ہوئی جلا دیا، رات ہوئی بُجھا دیا

نجمِ سحر کے سائے میں ساغرِ نغمہ بار نے
نالۂ صبح گاہ سے سارا چمن جگا دیا

◉

آئی بہار پھر دلِ دیوانہ جاگ اُٹھا
دیکھا قفس تو ذوقِ اسیرانہ جاگ اُٹھا

اُس کے بدن کے لمس سے میخانہ جاگ اُٹھا
مینا نے آنکھ کھول دی، پیمانہ جاگ اُٹھا

نغمے ترے بدن سے جو پھوٹے بہار میں
کروٹ لی لالہ زار نے، ویرانہ جاگ اُٹھا

ہم کیا ہیں اُس کا جسمِ گنہ تاب دیکھ کر
رشیوں کے دِل میں جذبۂ رندانہ جاگ اُٹھا

جو سو رہے ہیں اُن کو حرم میں خبر کرو
انگڑائی لی بُتوں نے صنم خانہ جاگ اُٹھا

مبہوت ایک عالمِ ہُو تھی یہ کائنات
مَیں نے جو آہ کی تو یہ ویرانہ جاگ اُٹھا

خوابیدہ پتھروں کا فقط ایک ڈھیر تھا
میری پرستشوں سے صنم خانہ جاگ اُٹھا

چھائی تھی ایک موت سی باوصفِ دورِ مے
مَیں نے اُٹھایا جام تو مے خانہ جاگ اُٹھا

پھیلی جو اُس کے سانس کی خوشبو دمِ سحر
ساقی و جام و میکش و مے خانہ جاگ اُٹھا

ہے پاش پاش حلقۂ زنجیر روز و شب
زنداں میں ایک شور ہے دیوانہ جاگ اُٹھا

اندیشہ پیشگی نے کیا بزم کو خراب
دیکھا مجھے تو ذوقِ حریفانہ جاگ اُٹھا

کچھ تشنگیِ نیم شبی کام کر گئی
ساغر کی ضربِ آہ سے مے خانہ جاگ اُٹھا

آیا وہ مرا جانِ بہاراں نظر آیا — ہر سمت گلستاں ہی گلستاں نظر آیا
وہ لالہ بداماں و خراماں نظر آیا — ہر گام چراغاں ہی چراغاں نظر آیا
پھر بزم میں وہ شعلہ بداماں نظر آیا — پھر دل کے سلگ اٹھنے کا ساماں نظر آیا
ہنستا ہوا وہ سروِ چراغاں نظر آیا — شعلہ سا مری روح میں رقصاں نظر آیا
وہ جلوہ بہر رنگ پریشاں نظر آیا — تعئین کے پردے میں بھی عریاں نظر آیا
پھر کاکلِ شب رنگ میں جھلکا رُخِ روشن — پھر کفر کے آغوش میں ایماں نظر آیا
ہر ذرۂ تاریک میں انجم جھلک اٹھے — ہر ابرِ سیہ میں مہِ تاباں نظر آیا
آغوشِ نمو پھول کا خاکہ نظر آئی — ہر پھول اک ارژنگِ بہاراں نظر آیا
شاید کہ بہار آئی چٹکنے لگیں کلیاں — ہر حلقۂ زنجیر غزل خواں نظر آیا
دیکھے کوئی خونِ دلِ بلبل کا کرشمہ — سادہ سا قفس اک شفقستاں نظر آیا
ویرانیٔ احساسِ مسلسل کا برا ہو — وہ آئے تو گھر اور بھی ویراں نظر آیا
تشکیل بھی محدود تھی تصویر بھی محدود — لیکن وہ تصور میں نمایاں نظر آیا
گلشن میں ترے دستِ حنائی کے اثر سے — ہر برگ و شجر شعلہ بداماں نظر آیا
وہ سلسلۂ لغزشِ مستانہ پیہم — میخانہ سا گلشن میں خراماں نظر آیا
پھر چھیڑ دیا روح کو مضرابِ نظر نے — پھر تیر سا پیوستِ رگِ جاں نظر آیا
کافر ہوں میں کافر ہوں مرا کفر محبت — یہ کفر مجھے حاصلِ ایماں نظر آیا
وہ عشق کی آنکھوں میں کہاں موج تلاطم — معصوم نگاہوں میں جو طوفاں نظر آیا
تاریخِ اسیرانِ وفا پوچھتے کیا ہو — کھولی تھی ابھی آنکھ کہ زنداں نظر آیا
اک موجِ سکوں خیز تھی سمجھے جسے گرداب — اک قطرۂ لرزاں تھا جو طوفاں نظر آیا
اے اہلِ نظر دیکھنا ساغر تو نہیں ہے — طوفاں میں یہ کون غزل خواں نظر آیا

یہ بھی کسی گاتی ہوئی ہستی کی کشش ہے
ساغر جو مسوری پہ غزل خواں نظر آیا

بہار کیا ہے، خزاں کا موسم بھی رشکِ فصلِ بہار ہوگا
جہاں جہاں خشک ہے یہ دھرتی وہیں وہیں لالہ زار ہوگا

قدم قدم رقص و وجد ہوگا، جنوں سراسر گداز ہوگا
اگر کوئی رہزنی پہ اترا، غبار اندر غبار ہوگا

جہاں جہاں چھائی ہے خموشی وہاں وہاں ساز بھی بجے گا
جہاں جہاں آہیں گھٹ رہی ہیں وہیں وہیں نغمہ زار ہوگا

وہ صبحِ نوروز مسکرانے کو ہے شبِ تارِ بے کراں سے
جب اپنی بے اعتباریوں پر ہمیں بھی خود اعتبار ہوگا

طلوع ہونے کو وہ دن بھی وہ صبح بھی تلملا رہی ہے
کہ جب غمِ دل کی دسترس میں ہر اک غمِ روزگار ہوگا

وہ عصرِ روشن قریب تر ہے یہ پیغامِ نور آگیا ہے
کہ جب اندھیرا اندھیری راتوں میں مشعلِ روزگار ہوگا

یہ میرے گلشن یہ میرے آنگن میں جتنے بھی سرو بے ثمر ہیں
ہر ایک سروِ جبین قامت نگارِ قمری شکار ہوگا

بہار پر گو ہے اپنا قابو، بہار قبضے میں اور نہ ہوگی
اگر ہوا بھی تو پھر بہارِ نوی کا انتظار ہوگا

ہے اپنی خامی پہ اختیار اب یہ رمزِ احساس کم نہیں ہے
مگر وہ دن جلد آرہے ہیں جب اور بھی اختیار ہوگا

غمِ جہاں کے شکار ہیں ہم، زمانے بھر پر نثار ہیں ہم
وہ وقت بھی جلد آرہا ہے زمانہ ہم پر نثار ہوگا

وہ عصرِ ایقان آرہا ہے وہ دورِ ایمان آرہا ہے
جب اپنی تقدیر بے جہت پر ہر ایک کو اختیار ہوگا

نظامِ دوری و قرب کھو جائے گا محبت کی وسعتوں میں
نہ شورشِ قرب یاد ہوگی نہ محشرِ انتظار ہوگا

مزاجِ محبوب و جذبِ عاشق روایتِ دورِ کہنہ ہوگا
نہ ہم تغافل پرست ہوں گے نہ وہ تغافل شعار ہوگا

جہاں جہاں وجدِ عشق ہوگا جہاں جہاں رقصِ حسن ہوگا
وہ مقبرہ بے بسی کا ہوگا، وہ بے کسی کا مزار ہوگا

اخوتِ بے کراں کا گلشن بنے گا سوزِ دروں کا صحرا
حیات خود سوگوار ہوگی، اگر کوئی سوگوار ہوگا

شعورِ تازہ سے جب کے دل میں دوئی کا احساس گل گئے گا
حیات کی سلطنت کا اے جان وہ آپ ہی تاجدار ہوگا

سنہری حرفوں میں ارتقا نے جبینِ فردا پہ لکھ دیا ہے
کہ زیست کل اپنی زیست ہوگی، دیار اپنا دیار ہوگا

حیاتِ آسودہ خود ہے ساغر شرابِ دو آتشہ سے بڑھ کر
ضرورتِ مے رہے گی باقی نہ پھر کوئی بادہ خوار ہوگا

رت جگے ہم نے خمستاں میں منائے بھی تو کیا
شعلۂ مے سے چراغ اپنے جلائے بھی تو کیا

مستقل پیاس ہے اِک عمر کا حاصل ساقی
رات دن جام و سبو ہم نے لنڈھائے بھی تو کیا

وہی آنسو ہیں ان آنکھوں میں جو کل رات کو تھے
قہقہے قلقلِ مینا سے چرائے بھی تو کیا

گر پلائی تھی تو جی بھر کے پلائی ہوتی
ایک دو جام مشیت نے پلائے بھی تو کیا

آج بھی میرے چمن میں ہیں خزاں کے سائے
اے صبا تو نے نئے پھول کھلائے بھی تو کیا

دستِ گل چیں سے نہیں آج بھی گلشن میں نجات
جوششِ رنگ نے کچھ پھول کھلائے بھی تو کیا

مستقل موت ہے جسموں کی مسلسل دوری
زندگی بن کے وہ رگ رگ میں سمائے بھی تو کیا

صبح ہوتے ہی مرے گھر میں اندھیرا ہوگا
چاندنی رات میں دم بھر کو وہ آئے بھی تو کیا

انھیں آنا تھا تو کچھ قبل ہی آئے ہوتے
وقتِ آخر مری بالیں پہ وہ آئے بھی تو کیا

بڑھ گئے اور اندھیرے مرے ویرانے کے
ماہ و خورشید مری قبر پہ آئے بھی تو کیا

حاصلِ ساز ہیں مطرب وہی ٹوٹے ہوئے تار
ہم نے نغمات کے طوفان اٹھائے بھی تو کیا

روحِ تخریب پہ قابو نہیں اے میرے ندیم
قصر و ایواں مری حکمت نے سجائے بھی تو کیا

میرے احساس میں پوشیدہ ہے نادیدہ خلیل
کچھ نئے بُت مری جودت نے بنائے بھی تو کیا

موجِ صرصر کے تھپیڑوں میں اندھیرے ہیں وہی
نظریات کے سو دیپ جلائے بھی تو کیا

اِک حقیقت ہیں ابھی بادِ فنا کے جھونکے
لاکھ بچ بچ کے دیے ہم نے جلائے بھی تو کیا

ان کی تقدیر بھی بجھنا ہے سحر ہونے تک
کچھ دیے تابشِ انجم نے جلائے بھی تو کیا

آئینہ ٹوٹ کے جڑتا ہے کہیں اے ساغر
دل کے ٹکڑے مری وحشت نے سجائے بھی تو کیا

طاقِ حرم و کرسیِ جابر سے گذر جا
محراب سے دیوار سے اور در سے گذر جا

یہ منزلِ آخر تو نہیں تیرے جنوں کی
ہنستا ہوا گاتا ہوا محشر سے گذر جا

ہستی ہے تو مستی ہے جنوں ہے تو فسوں ہے
موقع جو لگے پیشیِ داور سے گذر جا

اِس بھیڑ میں کیوں تیرے قدم اُٹھ نہیں سکتے
منظر سے نہیں تو پسِ منظر سے گذر جا

کب تک نگہِ ساقیِ کمسن کی غلامی !
میخانہ و جام و مے و ساغر سے گذر جا

○

کل آئینے میں نم آلود آنکھیں دیکھ کر جانا
کبھی دیکھا نہیں تھا ہم نے دریا کا اُتر جانا

وہ اشکوں سے مرے زنجیرۂ دامن کا بھر جانا
طلوعِ صبحِ زنداں تھا سلاسل کا بکھر جانا

چمن میں جا کے تہذیبِ قفس کو خود کریں رُسوا
نہیں منظور گلشن میں ہمیں بے بال و پر جانا

نہ اب ہر موڑ پر نو واردانِ عشق کترائیں
کہ اب فطرت نہیں ہے حسن کی بچ کر گذر جانا

ہجومِ ظالماں میں اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں وہ
کہ جیسے ہم کو آتا ہی نہیں جی سے گذر جانا

مرے سینے میں اک طوفان اندیشہ اٹھاتا ہے
کسی کے چمپئی مکھڑے پہ کاکُل کا بکھر جانا

ٹھکانہ ہے شبِ گریہ کوئی بے اعتباری کا
کہ ہر آنسو کو خود ہم نے فریبِ چشمِ تر جانا

نئی تعبیر تھا شاید نئے عہدِ اسیری کی
مری زنجیر کے حلقوں کا زنداں میں بکھر جانا

کوئی سُنتا نہیں اہلِ خبر کی ان کی محفل میں
اگر جانا تو واعظ بے زبان و بے خبر جانا

خود اپنی گود میں جبرِ مشیّت نے سکھایا ہے
ہمیں آتا ہے ہر سیلِ حوادث سے گذر جانا

کوئی کانٹوں بھرا دامن ہو یا پھولوں بھرا آنگن
ہر ایسے مرحلے پر مُسکرانا، اور گذر جانا

ارسطو ہو کے بھی ہم اس کا دعویٰ کر نہیں سکتے
کہ ہم نے آدمی و زندگی کو کس قدر جانا

وہ اک بے رنگ کنکر تھا جسے لعلِ یمن سمجھے
وہ اک بے نور پتھر تھا جسے ہم نے گہر جانا

نہ دیکھا یہ کہ پسِ منظر میں لاکھوں سائے رقصاں ہیں
خود اپنے عکس ہی کو رونقِ دیوار و در جانا

جو محرومِ نظر تھے یاں انھیں صاحب نظر سمجھا
خبر جن کو نہ تھی اپنی انھیں اہلِ خبر جانا

مسافر ہیں مگر اے ہم سفر ہم وہ مسافر ہیں
کہ جب منزل پہ پہنچے ہم نے اس کو رہگذر جانا

مرا ادراک بھی عرفان پر اک طنز ہے ساغر
کہ ساری عمر سایوں کو نقوشِ بام و در جانا

◉

اُلٹے سیدھے شکووں پر وہ کافر حیراں کیا ہوگا
ہوگا کیا جینے کا سہارا، زیست کا ساماں کیا ہوگا
آنسو بن کر ٹپکا بھی تو کارِ نمایاں کیا ہوگا
غرق ہوئے تو ہو جائیں گے کارِ نمایاں کیا ہوگا
موج طوفاں بہتے پھرنا۔ رُسوائی ہے کشتی کی
کشتی نذرِ موجِ بلا ہے، موجِ بلا کا کیا کہنا
لب ہیں جنباں، شکوے لرزاں، گویائی کی تاب نہیں
کعبۂ دل آثارِ شکستہ ان کی نگاہیں کعبۂ تمام
قیدِ حیات و جبرِ مشیت اس پہ فریبِ مختاری
ان کا قصہ بھید نہیں کچھ دل کا فسانہ راز نہیں
موسمِ گل میں ٹکڑے ہونا اور ہوا میں اُڑ جانا

عشق ہی آنکھیں نیچی کر لے، حسن پشیماں کیا ہوگا
لاگ نہیں اب تجھ سے بھی دل کو اے غمِ پنہاں کیا ہوگا
اے غمِ پنہاں، اے غمِ پنہاں، اے غمِ پنہاں کیا ہوگا
موج کے اُٹھنے گرنے سے نقصانِ طوفاں کیا ہوگا
بچ نکلے تو دُنیا کو اندازۂ طوفاں کیا ہوگا
ساحل تک پہنچا بھی دیا تو ہم پر احساں کیا ہوگا
شوق کے ان طوفانوں میں وہ شوخ پشیماں کیا ہوگا
شیخ و برہمن کچھ تو کہو، انجامِ ایماں کیا ہوگا
تجھ سے بڑھ کر اے غمِ ہستی کوئی زنداں کیا ہوگا
میرے دو اِک اشکوں سے یہ اور نمایاں کیا ہوگا
اس سے زیادہ اے غمِ وحشت مصرفِ داماں کیا ہوگا

کوئل ہو یا بلبل ہو یا جھرنے ہوں کہساروں کے
کوئی بھلا ساغر کی طرح مستی میں غزل خواں کیا ہوگا

فسانہ کیجیے غم کا رقم کیا — رقم کرنے سے غم ہوتا ہے کم کیا
غرورِ بندگی کو اس کا غم کیا — کہ ہے ہنگامۂ دیر و حرم کیا
ہر اِک لمحہ بنا جاتا ہے ماضی — مرے ساقی خیالِ بیش و کم کیا
یہ میخانہ ہے میخانہ اُٹھا جام — یہاں اے شیخ فکرِ کیف و کم کیا
میں کافر ہوں میں کافر ہوں میں کافر — لبھائیں گے مجھے دیر و حرم کیا
شکستہ دل نہیں دُنیا ہی ہے دیں بھی — شکستہ دل کے آگے جامِ جم کیا
اُٹھائیں پردۂ ہست و عدم کیوں — دِکھائیں منظرِ ہست و عدم کیا

(ق)

فقط گردِ قبائے سبز گیتی — طلا و سیم کیا، دام و درم کیا
فقط تاریخ کے سینے کا غوغا — نشانِ درائت و طبل و علم کیا
فقط پرچھائیاں رخشِ زماں کی — اُمم کیا اور تقدیرِ اُمم کیا
فقط جمشید کی اِک حسرتِ دید — ہے ورنہ اعتبارِ جامِ جم کیا
بس اِک ٹکڑا رہے دل کا سلامت — ہمیں ہے احتیاجِ جامِ جم کیا
مہک ہے وہ بھی تیرے گیسوؤں کی — ہے ورنہ نکہتِ باغِ ارم کیا
مکاں بھی ان میں ہے اور لامکاں بھی — تری آنکھوں کے آگے جامِ جم کیا
مری فطرت کے پیچ و خم کے آگے — تمھارے گیسوؤں کے پیچ و خم کیا
دلِ سائل میں ہے جو شورِ طوفاں — سمجھ سکتے ہیں اربابِ کرم کیا
جفا کاروں سے ارمانِ وفا کیوں؟ — ستم گاروں سے امیدِ کرم کیا
نہ عشقِ سادہ خو کو ہے یہ عرفاں — کہ غم کیا اور ہے ذوقِ ستم کیا

(ق)

نہ حُسنِ سنگدل کو ہے یہ معلوم — کہ کیا شے ہے وفا روحِ کرم کیا
نہ وہ سمجھے نہ ہم سمجھے ابھی تک — کرم کیا ہے، وفا کیا ہے، ستم کیا

ہے میری فکر کی پرواز ساغر
سپہر کیا، تیغ کیا، لوح و قلم کیا

○

صدیوں کی شبِ غم کو سحر ہم نے بنایا
ذرات کو خورشید و قمر ہم نے بنایا

تخلیق اندھیروں سے کیے ہم نے اُجالے
ہر شب کو اِک ایوانِ سحر ہم نے بنایا

ہر غاب کے سینے میں کیا ہم نے چراغاں
ہر موجۂ دریا کو شرر ہم نے بنایا

ہر موج میں محراب و در و بام تراشے
طوفان کی آغوش میں گھر ہم نے بنایا

شبنم سے نہیں رنگ دیا دل کے لہو سے
ہر خار کو برگِ گلِ تر ہم نے بنایا

ہر خار کے سینے سے چمن ہم نے کھلائے
ہر پھول کو فردوسِ نظر ہم نے بنایا

بے خونِ جگر شبنم بے رنگ تھے آنسو
آنسو کو مگر لعل و گہر ہم نے بنایا

جب برق ہوئی شعلہ فگن لالہ و گل پر
ہر پھول کی پتی کو سپر ہم نے بنایا

طوفاں کے اندھیروں میں کیا ہم نے اُجالا
یادوں کو تری شمعِ سفر ہم نے بنایا

گیسو کو ترے کب تھا بکھرنے کا سلیقہ
شائستۂ اربابِ نظر ہم نے بنایا

رفتار کو کھلتے ہوئے غنچوں کی صدا دی
ہر گام پہ اِک خلدِ نظر ہم نے بنایا

ہر رخ سے ترے حسن کی ضو پھوٹ رہی ہے
کیا زاویۂ فکر و نظر ہم نے بنایا

حسرت سے جسے دیر و حرم دیکھ رہے ہیں
وہ خم کدۂ فکر و نظر ہم نے بنایا

ہٹ کر روشِ عام سے اِک راہ نکالی
کانٹوں سے بھرا راہگذر ہم نے بنایا

گر شوقِ تصادم ہے تو ٹکرائے زمانہ
اِک عمر میں پتھر کا جگر ہم نے بنایا

ڈھلتے ہیں جہاں بادۂ تجدید کے ساغر
وہ میکدۂ فکر و نظر ہم نے بنایا

◉

نیازِ عشق پہ وہ حسنِ اعتبار ترا
وہ اِک تبسمِ لرزان و بیقرار ترا

وہ رعبِ حسن سے محجوب حسرتِ دیدار
وہ دیکھنا مری جانب ہزار بار ترا

تری جناب میں وہ میرا گریۂ پیہم
وہ اِک تعجبِ غمّاز و مستعار ترا

وہ تیرے حسن پہ قابو نہ ایک پل مجھ کو
وہ میرے عشق پہ ہر وقت اختیار ترا

وہ ایک نالۂ بے کیف و بے اثر میرا
وہ ایک نغمۂ مخمور و پُر بہار ترا

مرے شریک نہ ہونے کا وہ یقیں تجھ کو
وہ پوچھنا مجھے محفل میں بار بار ترا

وہ سوزِ قشقۂ رنگیں ارے معاذاللہ
وہ رنگ و نور سے دہکا ہوا شرار ترا

سکوتِ صاعقہ و شعلہ زار کا عالم
وہ میری مضطرب آغوش میں قرار ترا

یہی ہے عشق کی توہین تو میں باز آیا
کہ ہر خرابِ تمنا ہے بیقرار ترا

ترے منانے کو وہ میرا روٹھنا پیہم
وہ چھیڑنا عمداً مجھ کو بار بار ترا

وہ چاندنی وہ ستارے وہ آرزو کا شباب
کھلی فضا میں وہ راتوں کو انتظار ترا

دعا ہے ہو نہ کبھی اے فروغِ عصمتِ حسن
ہوس کے قبضۂ گلچیں میں لالہ زار ترا

مسکائے تھے ہم تنہا، مرجھائیں گے ہم تنہا
سوکھی ہوئی ٹہنی پر جل جائیں گے ہم تنہا

موجوں کے تموّج میں گھل جائیں گے ہم تنہا
ڈوبے تھے کبھی تنہا، تر جائیں گے ہم تنہا

کیا حمدِ مسلسل کا انعام یہی ہوگا
کیا اپنا قصیدہ خود فرمائیں گے ہم تنہا

اِک دن غمِ جاناں کا سایہ بھی نہیں ہوگا
دل کو غمِ دَوراں سے بہلائیں گے ہم تنہا

دیوار و درِ زنداں کیا ساتھ نبھائیں گے
سائے کی طرح اِک دن ڈھل جائیں گے ہم تنہا

اے اہلِ خرد اِک دن وہ دَور بھی آئے گا
جب آپ پہ خود پتھر برسائیں گے ہم تنہا

بجلی بھی نہیں ہوگی شعلے بھی نہیں ہوں گے
بے آگ کے شعلوں میں جل جائیں گے ہم تنہا

اے موجِ صبا تو بھی اُس روز نہیں ہوگی
جب اپنا جنازہ خود لے جائیں گے ہم تنہا

ہمراہیٔ دریا کو زحمت ہی نہیں دیں گے
آنسو کی طرح اِک دن بہہ جائیں گے ہم تنہا

غم گشتگی کا بھی اُس روز نہیں ہوگا
جس دن ترے آنگن میں آ جائیں گے ہم تنہا

دریا کے تلاطم کا احسان نہیں لیں گے
مٹی کے سمندر میں گھل جائیں گے ہم تنہا

جبّارِ مشیت بھی کیا جانے کہاں ہوگی
جنگل میں عدم کے جب رہ جائیں گے ہم تنہا

رہ جائے گا حیرت میں ہر پھول گلستاں کا
خوشبو کی طرح ستاغز اُڑ جائیں گے ہم تنہا

اے ہم نوا خودی کو کروں کس طرح بلند — جکڑا ہوا ہے جبرِ مشیت سے بند بند
اِک جانِ زار اور دو عالم کی قید و بند — دُنیا بھی اِک کمند مشیت بھی اِک کمند
ان کا مقام صوفی و شاعر سے ہے بلند — جو رِند ڈالتے ہیں مہ و مہر پر کمند
جیسے یہ کائنات ہے اِک طنزِ مستقل — ہر وقت زندگی کے لبوں پر ہے زہر خند
ہو اِس سے کس طرح مرے دل کا معاملہ — دُنیا خرد پرست ۔ محبت ۔ جنوں پسند
دشمن سے بھی گمان نہیں اُس گزند کا — ہوتا ہے آدمی کو خود اپنے سے جو گزند
تمیزِ نیک و بد ہی اٹھی جب تو کیا کہیں — کیا شے ہمیں پسند ہے اور کیا نہیں پسند
آئینِ مے کشی میں طلب اِک گناہ ہے — پیتے نہیں ہیں مانگ کے زندانِ سر بلند
عشقِ شرابِ کہنہ، پرستارئ جمال — سُن اے مریضِ غم کہ یہ نسخہ ہے سُود مند
یاں دورِ جام نغمۂ مطرب، ہجومِ حُسن — ناصح کے پاس کیا ہے فقط اِک خروشِ پند
اے تلخئ حیات، سراپا نہ اس کا پوچھ — رفتار موجِ مے ہے تو گفتار جامِ قند
سر جس کی آرزو میں جھکانا پڑے مجھے — وہ تاج بھی نہیں ہے مری جاں مجھے پسند
طوفانِ زندگی سے تعلق کی شرط ہے — نَم ہو ذرا تو خلد بنے خاکِ دیوبند
جس میں نہ ہو حیات کی تلخی کی چاشنی — وہ عیشِ جاوداں بھی نہیں ہے مجھے پسند
میری نوا کی گونج ہے از شرق تا بہ غرب — کیرو ہو، ماسکو ہو وہ پیرس کہ تاشقند
یوں ہے کسی کی یاد تصوّر میں پرفشاں — جیسے گھٹا کی گود میں اِک سیم گوں پرند

اب تک کسی کے ہات نہیں نبضِ وقت پر
ساغر وہ "جامعہ" ہو، "علی گڑھ" کہ "دیوبند"

○

مَیں رِند ہوں اور شیخ روایات کا پابند
میں اُس سے ہوں خورسند تو وہ مجھ سے خورسند

(ق)

زندانیِ اوہام بہر حال ہیں دونوں
مَیں کُفر کا پابند وہ ایمان کا پابند

در کھولتی ہے روز نئے حکمتِ تازہ
اور کرتی ہے ہر روز سیاست نئے دربند

وہ امّتِ عیسیٰ ہو کہ سنتان ہوئیدہ کی
کردار میں دونوں ہیں یہ چنگیز کے دِل بند

انسان کو انساں سے جُدا کرتے ہیں سارے
کیا دہلی و لاہور و جنیوا و سمرقند

کیا وسعتیں پوچھو ہو مرے حبِّ وطن کی
اِک حلقۂ محدُود ہے اور اس میں ہوں میں بند

ہے شیخ کی آزادی کا مفہوم بس اتنا
کُفّار کی اُمّت پہ ہو فردوس کا دربند

جس شہر کی جاروب کشی کرتی تھی خوشبُو
اس شہرِ معطّر میں ہر اِک موڑ پہ ہے گند

یہ شہرِ ادب خطّۂ دریوزہ گراں ہے
ہر موڑ پہ آوارہ ہیں فنکار و ہُنرمند

لُوٹا ہے تری کم نگہی نے ترا گلشن
ویرانہ ہے بغداد سے تا حدِّ سمرقند

جو قیس ہیں صحرا بھی وطن ان کے لیے ہے
قوموں کی ترقی نہیں قطعات کی پابند

ہر کوہ میں پوشیدہ ہے اِک چشمۂ شیریں — صحرا میں ترے ہے کوئی فرہاد کا دل بند
ہم شیخ کو امرت بھی اگر دیں تو بنے زہر — گر زہر بھی دے ساقیِ افرنگ تو ہے قند
وہ فصل ہے اب وصل کا رنگیں شبستاں — جو فصل تھا کشمیر سے تا حدِ سمرقند
کیا خوب ہے آزادیِ اسلام کی تعبیر — اِک خانۂ محفوظ ہو اور اس کے ہوں دَر بند
وہ سوزِ جگر ڈھونڈھو کہ تھا جس کا اُجالا — بغداد سے تا خاکِ بخارا و سمرقند
ہر تازہ تمدّن نے اُسے روند دیا ہے — تہذیب تھی جو کہنہ روایات کی پابند
یہ رات نہیں نغمہ کناں نورِ سحر ہے — اے شیخ چمکتے ہوئے خورشید کی سوگند
میں تجھ کو نئے کون و مکاں بخش رہا ہوں — اور تو ہے کہ ہے مسجد و درگاہ میں پابند
اِک کُنبہ بنا چاہتی ہے وسعتِ عالم — اور تیرے تصوّر میں ہے کشمیر و سمرقند
اس دیس کی پستی روایات نے مارا — ہے یوں تو ہر اِک ذرّہ مجھے دامنِ الوند
آزادیِ اظہار و بیاں کہتے ہیں اس کو — ہے میری زباں بند، نہ دل اور نظر بند
اِک شمعِ اَبد ہے مرے ایوانِ ادب میں — اُس چمپئی گردن میں زمرّد کا گلوبند

یہ ہات جواب کانپتے ہیں جام اُٹھاتے
یہ ہات تھے ساغرِ کبھی ساقی کا گلوبند

◉

لٹ گیا وضع و محبت کا چمن میرے بعد
بحرِ بے قیس ہے صحرائے وطن میرے بعد

اب کہاں بارشِ مے اور وہ سیلابِ جمال
موجِ مے بستہ ہے دریائے چمن میرے بعد

اب کہاں کیفِ شبِ ماہ و سرِ جامِ شراب
تشنۂ بادہ ہوئے سرو و سمن میرے بعد

اب کسے جرم پرستی کا مذاقِ بے باک
اب یہ بیکار سے ہیں دار و رسن میرے بعد

اب کسے حفظِ فراوانیِ پرواز کی فکر
ہر کوئی اُڑنے لگا سوئے چمن میرے بعد

اب کسے ہمتِ تسلیم فریبِ رنگیں
سخت مایوس ہے وہ عہد شکن میرے بعد

اب کسے قوتِ تاراجیِ گل گلشن میں
کون آباد کرے صحنِ چمن میرے بعد

اب کسے جرأتِ رندانہ بہ اندازِ بہار
شوخ و آوارہ نہیں لٹنے چمن میرے بعد

اب کسے حسرتِ احیائے روایاتِ جنوں
کیوں بنے گا کوئی مردودِ چمن میرے بعد

اب کسے حوصلۂ حکمِ زباں بندیِ شوق
لب خاموش ہے ہر غنچہ دہن میرے بعد

اب کسے ولولۂ نغمہ سرائی و سرود
سب نے پہنا ہے خموشی کا کفن میرے بعد

غیر سے غیر بھی ہے عزتِ وطن فخرِ وطن
کوئی کیوں ہونے لگا ننگِ وطن میرے بعد

غم اسیری کا نہیں مجھ کو تو افسوس یہ ہے
شب بے نالہ بنی صبحِ چمن میرے بعد

شررِ آہ سے غربت میں چراغاں ہے تو کیا
تیرہ و تار رہی شامِ وطن میرے بعد

سرپرستِ غم و اندوہ اُٹھا دُنیا سے
مستقل سوگ میں ہیں رنج و محن میرے بعد

گریۂ پیہمِ خونیں کا نتیجہ نکلا
مسکرائی شفقِ شامِ وطن میرے بعد

میرے ہی دم سے تھی تجدید کی عظمت باقی
اب کوئی زندہ کرے رسمِ کہن میرے بعد

نہیں آہوں کا دھواں گرمیِ ہنگامہ نہ ہو
خیر نکھری تو ہی شامِ وطن میرے بعد

سرِ محفل وہ ترا قتل کی دھمکی دینا
کس کو مارے گا یہ بے ساختہ پن میرے بعد

مرگِ غربت مجھے راس آئی منادی کر دو
سرخ تر ہے افقِ صبحِ وطن میرے بعد

ساقی و ابر و صبوحی کو نویدِ فرصت
ختم ہے سلسلۂ سیرِ چمن میرے بعد

اب کسے ضبطِ غزل خوانی و ساغر
ایک نغمے کو ترستا ہے چمن میرے بعد

اب کسے جوششِ بلانوشیِ پیہم ساغر
کون ڈھالے گا سرِ نہرِ چمن میرے بعد

جنونِ بندگی ہے گر تو یہ کشودِ کار کر
خودی کو آشکار کر خدا کو آشکار کر

ہزار بے کراں ہے تو ہزار بیکراں ہوں میں
کچھ اور بے کنار ہو کچھ اور بے کنار کر

جنوں بغیر میں نہیں، خرد بغیر تو نہیں
خرد کو آشکار کر جنوں کو آشکار کر

ہر ایک مشتِ گل میں سو خزانۂ بہار ہیں
بہار کو فنا نہیں پرستشِ بہار کر

کوئی سجودِ عاشقی ستم نہیں گنہ نہیں
گنہ اگر اسے کوئی کہے تو بار بار کر

کوئی نہیں ہے معتبر جہانِ حسن و عشق میں
نہ دل کا اعتبار کر نہ ان کا اعتبار کر

گذار دے شبِ فراق بیخودیِ ہجر میں
نہ ان کا انتظار کر نہ اپنا انتظار کر

نہیں یہ طور کی فضا یہ ان کا جلوہ گاہ ہے
یہاں نظر کا کھیل ہے نظر پہ اعتبار کر

فقط نہیں ایک مرحلہ یہ رات کی سیاہیاں
سحر ہے منزلِ ضیا سحر کا انتظار کر

جو اختیار کر لیا وہ اختیار کر لیا
جو ترک کر دیا اسے کبھی نہ اختیار کر

فروغِ لالہ گر نہیں تو لطف کیا بہار میں
جو عندلیب ہے تو دل کو اور داغدار کر

نہ کر شکارِ آدمی ، نہ کر شکارِ زندگی
وہ مرد ہے ہیں جو کرے ستاروں کو شکار کر

○

دھندلے ہیں مرے خانۂ ویراں کے در و طاق
تابندہ ہو کچھ اور چراغِ درِ آفاق

اِک عمر کے پیاسے ابھی دامن جو نچوڑیں
بھر جائے مئے سُرخ سے یہ ساغرِ آفاق

واعظ کو اِن اسرار و عطایا کا پتہ کیا
ایماں ہی نہیں کفر بھی ہے بخششِ خلاق

دراصل مجاہد تو وہ ہے جس کے لہو سے
اِک بزم چراغاں ہو ہر اِک گوشۂ آفاق

تلوار سے دُنیا کی امامت نہیں ہوتی
کردار کی خوشبو سے اُلٹ جاتے ہیں آفاق

اِک شعلہ مری رُوح میں ہے، آج بھی روشن
محفوظ نہیں آج بھی یہ خیمۂ آفاق

تُو نے مجھے اور میں نے تجھے خلق کیا ہے
ہم دونوں ہی مخلوق ہیں، ہم دونوں ہی خلاق

مالی کے تصور میں ہے رُوحِ چمنستاں
گلچیں کی نگاہوں میں فقط پھول کے اوراق

اِک عمر سے جو تیرا لہو چوس رہا ہے
تیری رگِ بازو میں ہے اُس زہر کا تریاق

بھولے سے چھلک جائے اگر ساغرِ محنت
غرقِ مئے رنگیں ہوا بھی دفترِ رزاق

دہقاں کی دعاؤں سے برس پڑتے ہیں بادل
مزدور کی آہوں سے چھلک پڑتے ہیں آفاق

کیوں اپنی نظر جانبِ افلاک اُٹھاؤں
مٹی میں مرا رزق ہے دھرتی مری رزاق

اب کس سے کریں رزقِ فراواں کی دعائیں
سُنتے ہیں کہ محنت ہی حقیقت میں ہے رزاق

محنت کے پسینے ہی سے ہے دور میں ساز
محنت کے پسینے ہی سے ہے عظمتِ رزاق

اب آہِ سحر خیز سے ملتی نہیں پتی
تیشے کی اِک آہنگ سے گونج اُٹھتے ہیں آفاق

معنی ہی نہیں شوخیِ افکار بڑھی اور
مقتل میں جو بکھرے مرے دیوان کے اوراق

کچھ خود نگر ایسے بھی ہیں اِس دور میں ساز
چہرے سے ہیں سقراط مگر جہل میں ہیں طاق

◉

ہے داغِ تمنا مرا آفاق درآفاق — کیا قوسِ شفق کیا مہ و انجم کے در و طاق
نغمے ہیں نگاروں کے نہ وہ نالۂ عشاق — عرصے سے ہے بے رنگ و صدا محفلِ آفاق
جو دیر میں تدوین ہوا اور نہ حرم میں — ہم نے دیا میخانے میں ترتیب وہ میثاق
انکار کا محضر بھی اسی دن کی ہے تصنیف — جس روز مرتب ہوا ایمان کا میثاق
پھولوں کا لہو پی کے بہار آئی ہے شاید — گل رنگ زمیں ہے تو شفق رنگ ہیں آفاق
تنہائی کا ہو زہر کہ وہ زہرِ فنا ہو — ساقی مرے ساغر میں ہے ہر زہر کا تریاق
میخانے میں کچھ مدتِ تنہائی بڑھی اور — اِک گھونٹ لیا تھا کہ زمانہ تھا نہ آفاق
وعدوں کو بہت کاسۂ خالی نے چھپایا — کھل کر ہی رہی مجھ پر تہی دستیِ رزاق
تلوار سے دُنیا کی امامت نہیں ہوتی — کردار کی خوشبو سے اُلٹ جاتے ہیں آفاق
اِک عمر سے جو تیرا لہو چوس رہا ہے — تیری رگِ بازو میں ہے اس زہر کا تریاق
معنیٰ ہی نہیں شوخیِ افکار بڑھی اور — مقتل میں جو بکھرے مرے دیوان کے اوراق
واعظ کو ان اسرار و عطایا کا پتہ کیا — ایماں ہی نہیں کفر بھی ہے بخششِ خلاق

ساغر کوئی مرے دلِ صد چاک سے پوچھے
اس شہر کے احباب کی ارزانیِ اشفاق

ہائے یہ چشمِ سیہ، ہائے یہ ابرو کے خم — گر نہ پڑیں جھوم کر کیف میں دیر و حرم
عشق بھی باچشمِ نم، حُسن بھی باچشمِ نم — ڈوب نہ جائیں کہیں شوق کے طوفاں میں ہم
اتنا کسے ہوش ہے بیخودیِ شامِ غم — کس نے تڑپ کر لیے شوق میں کس کے قدم
دولتِ اسرار ہیں آپ کے نقشِ قدم — سب کے لیے نقشِ پا میرے لیے جامِ جم
عزمِ جنوں مرحبا اب نہ رُکیں گے قدم — زحمتِ یک گام ہیں راہ کے یہ پیچ و خم
جلوۂ منزل ہے کیا، خندۂ رنگیں ترا — سایۂ زلفِ دوتا راہ کے یہ پیچ و خم
رنجِ زمانہ نہیں تلخیِ اُلفت سے کم — صبح کا بھی ان دِنوں نام ہے شامِ الم
آنے ہی والے ہیں وہ اے شبِ فرقت کے غم — ہر نفسِ شوق ہے ان کی صدائے قدم
خانۂ ویراں نہیں ہے آج بھی جشنِ کرم — گونج رہی ہے ابھی ان کی صدائے قدم
لالہ و گل اور شفق قوسِ قزح اور قمر — فرش سے تا عرش ہیں حسن کے نقشِ قدم
سینۂ عشاق پر شوق سے رکھیے قدم — کم نہیں یہ بھی عطا، کم نہیں یہ بھی کرم
ہو نہیں سکتے کبھی بندۂ دیر و حرم — کعبۂ مقصود ہے آپ کا نقشِ قدم
ہائے یہ مجبوریاں، ہائے یہ معذوریاں — کھل نہیں سکتی زباں اُٹھ نہیں سکتے قدم
وہ جو نہیں آئے تو رات کا دل رک گیا — اور نکلنے لگا چاند ستاروں کا دَم

نالہ و فریاد کا نام محبت نہیں
کر نہیں سکتے کبھی ضبط کو بدنام ہم

بلند از وفا و جفا ہو گئے ہم
محبّت سے بھی ماورا ہو گئے ہم

اشاروں اشاروں میں کیا کہہ گئیں وہ
نگاہوں نگاہوں میں کیا ہو گئے ہم

ترے دل میں تیری نظر میں سما کر
تمنّائے ارض و سما ہو گئے ہم

حقیقت نہ تھی دل لگانے کے قابل
حقیقت سے کیوں آشنا ہو گئے ہم

محبت کی کچھ تلخیوں کی بدولت
مغنّیِ شیریں نوا ہو گئے ہم

نہ دیکھے گئے اس نظر کے تقاضے
ز سر تا بہ پا مدّعا ہو گئے ہم

سمجھنا ترا کوئی آساں ہے ظالم
یہ کیا کم ہے خود آشنا ہو گئے ہم

بھٹک کر پڑے رہزنوں کے جو ہاتھوں
لئے اس قدر رہنما ہو گئے ہم

جنونِ خودی کا یہ اعجاز دیکھو
کہ جب موج آئی خدا ہو گئے ہم

چٹکنے نہ پائی تھیں کلیاں چمن میں
کہ اس جانِ گُل سے جُدا ہو گئے ہم

محبت نے عمرِ ابد ہم کو بخشی
مگر سب یہ سمجھے فنا ہو گئے ہم

نہیں کم یہ ہستی کی معراج ساغر
کہ خاکسترِ میکدہ ہو گئے ہم

جانِ ہر کاشانہ ہم، سامانِ ہر ویرانہ ہم
ہم ہیں بزم آرائے ہستی اے دلِ دیوانہ ہم

روحِ کعبہ ہم، فروغِ جلوۂ شب خانہ ہم
یہ حقیقت ہے کہ ہیں عنوانِ ہر افسانہ ہم

توڑ دیں گر عالمِ مستی میں اِک پیمانہ ہم
از سرِ نو ڈال دیں بنیادِ صد مے خانہ ہم

ہیں براہِ راست محوِ جلوۂ جانانہ ہم
ہو نہیں سکتے اسیرِ کعبہ و بُت خانہ ہم

گوشہ گوشہ ہے جہاں کا داستاں گوئے جمال
سُن رہے ہیں ذرہ ذرہ سے ترا افسانہ ہم

شمع کے جلنے سے پہلے پھونک دیتے جسم و جاں
دل اگر پاتے بقدرِ ہمتِ پروانہ ہم

اپنی محفل میں نہ طعنِ بے زبانی دے ہمیں
جوش میں آئے تو کہہ دیں گے ترا افسانہ ہم

کب تک آخر جرعہ جرعہ، قطرہ قطرہ ساقیا
لا اُلٹ لیں آج پیمانے میں کُل میخانہ ہم

مر ہی جائیں گر خبر پائیں کہ تو آنے کو ہے
خون سے اپنے کریں روشن چراغِ خانہ ہم

بیخودیِ شوق میں ہوشِ عبودیت تو دیکھ
سجدے کرتے جا رہے ہیں تا درِ بُت خانہ ہم

ہم سے ہستی، ہم سے مستی ہم نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
کعبہ ہم، بُت خانہ ہم، پیمانہ ہم، میخانہ ہم

شمع بھی سُنتی رہی، پروانے بھی سُنتے رہے
اور وہ سوتے رہے کہتے رہے افسانہ ہم

سر نہیں اٹھتا ہے ساغر پائے ساقی سے کبھی
پھر بھی ہیں ناقابلِ یک سجدۂ میخانہ ہم

کس سے کریں یہ شکوۂ دیوانہ وار ہم
اپنے دیار میں ہیں غریب الدیّار ہم

ٹھکرائے جا جبینِ خودی بار بار تو
سجدے کریں گے در پہ ترے بار بار ہم

یوں زندگی گذار رہے ہیں بہار میں
جیسے کہ ہیں بہار کے سینے پہ بار ہم

خود وحشتِ بہار کے ہاتھوں ہے چاک چاک
گلشن میں ہیں وہ دامنِ صد تار تار ہم

کیا خوب بندگی کا ملا ہے صلہ ہمیں
گر دیر پر ہیں بوجھ تو کعبے پہ بار ہم

زندہ ہمیں سے دہر میں ہے سنتِ مسیح
پھرتے ہیں لے کے اپنے ہی کاندھوں پہ دار ہم

سینچا تھا جس چمن کو جوزی کے خون سے
ہیں اس چمن میں آج شہیدِ بہار ہم

کل کہہ رہا تھا کوئی نہ جانے وہ کون تھا
دنیائے حسن و عشق کا تھے اعتبار ہم

جس کو نہیں ہے راس طلوعِ سحر کا نور
ہیں روزِ ہجر کی وہ شبِ انتظار ہم

کچھ کم نہیں چمن میں یہ انعامِ فصلِ گل
فصلِ بہار میں ہیں شہیدِ بہار ہم

بنیاد تھے جو قصرِ تمنّا کی اے ندیم
ہیں ان تصورات کی لوحِ مزار ہم

بے خود ہیں اور نہ ہمیں ہوش ہی ہے کچھ
کس چشمِ مست کی ہیں متاعِ خمار ہم

سیلابِ وقت کیا ہمیں روکے گا راہ میں
ہیں زندگی کا جذبۂ بے اختیار ہم

○

ذرّے ذرّے میں گلوں کو خندہ زن سمجھے تھے ہم
ہائے وہ عالم کہ صحرا کو چمن سمجھے تھے ہم

اِک تخیل تھا جسے کہیے ترا نازک وجود
اِک تصور تھا جسے تیرا بدن سمجھے تھے ہم

تشنگی بھی آخر آخر اشک بن کر بہہ گئی
تشنگی کو دارُوئے کام و دہن سمجھے تھے ہم

وہ بھی تھی اِک نوحہ خوانی دوڑتے لمحات کی
جانے کس دھوکے میں خود کو نغمہ زن سمجھے تھے ہم

غور سے دیکھا تو شعلوں کا دہکتا طشت تھا
زندگی کو سُرخ پھولوں کا لگن سمجھے تھے ہم

جلوت و خلوت کا وحشت میں ہمیں کب ہوش تھا
ہر طرف خلوت تھی لیکن انجمن سمجھے تھے ہم

مسکراتے ہی کرن کے ہو گیا خود بے کفن
قطرۂ شبنم کو پھولوں کا کفن سمجھے تھے ہم

اصل میں وہ ہوش ہی کا اِک نیا بہروپ تھا
اپنے جس احساس کو دیوانہ پن سمجھے تھے ہم

اُس کی گل کاریِ داماں نے دیے کیا کیا فریب
پیرہنِ قاتل کو اپنا پیرہن سمجھے تھے ہم

گردِ غربت نے اُسے بھی خار و خس سے ڈھک دیا
اپنی عریانی کو غربت میں کفن سمجھے تھے ہم

اب ہوا عرفاں کہ ہم ہی تھے خود اپنے راہ زن
آج تک دُنیا کو اپنا راہزن سمجھے تھے ہم

میں نے اب جانا تری موجِ کرم ہے زندگی
آج تک تو زندگی کو رائیگاں سمجھے تھے ہم

جو فقط اِک قطرۂ سادہ تھا ماضی کا نچوڑ
ساغر اس آنسو کو اِک لعلِ یمن سمجھے تھے ہم

◉

اُٹھو کہ جشنِ غریباں کا اہتمام کریں ۔۔۔ ہر ایک لالۂ صحرا کو اشکِ جام کریں
ہر ایک خار سے آویزشِ مدام کریں ۔۔۔ خود اپنی آبلہ پائی کا احترام کریں
نہ پوچھ دشت نوردوں کا سحرِ تشنہ لبی ۔۔۔ جس آبلے میں تپک ہو اُسی کو جام کریں
تلاطمِ غمِ دوراں سے گر نجات ملے ۔۔۔ تمھاری یاد کریں اور صبح و شام کریں
جو شہرِ درد کے معمار ہیں اُنھیں ہے یہ حکم ۔۔۔ کہ اپنی قبر کا بھی خود ہی التزام کریں
صلیب خود ہی اُٹھائیں صلیب خود گاڑیں ۔۔۔ خود اپنے ذوقِ شہادت کا اہتمام کریں
نبرد پیشگیِ عشق کی ہے یہ تہذیب ۔۔۔ کہ موت آئے تو ہنس کر اسے سلام کریں
زمانہ سازی تو مشکل کشائی کر نہ سکی ۔۔۔ ستیزہ کاریِ حالات کو امام کریں
کوئی گناہ نہیں بے بسی سے سمجھوتہ ۔۔۔ نیا زمانہ ہے پیدا نیا مقام کریں
ندی جو راہ میں آئے اُسی پہ رُک جانا ۔۔۔ یہ پیاس ہے تو کہیں ڈوبنے میں نام کریں
سفر وظیفۂ تحلیل ہے مسافر کا ۔۔۔ جو چل پڑے ہیں تو کیوں راہ میں قیام کریں
خضر سے اور جو دو چار راہ میں مل جائیں ۔۔۔ کہاں کی راہ نمائی سفر حرام کریں
تمام دیر و حرم ہے لہو لہو واعظ ! ۔۔۔ کہاں سجود کریں اور کہاں قیام کریں
کلیم پر نہیں بیتی جو اِن پہ بیتی ہے ۔۔۔ زباں ہو تو چٹانیں ابھی کلام کریں
نئے اُفق سے کوئی اِک کرن تو مسکائے ۔۔۔ تو ہم بھی اُٹھ کے نئی صبح کو سلام کریں

اُٹھو کہ جشنِ صبوحی منائیں اے ساغر
بچی کھچی جو پڑی ہے اُسے تمام کریں

○

پھول جس وقت مسکراتے ہیں — جان و دل اپنے کپکپاتے ہیں
چڑیاں جب مل کے چہچہاتی ہیں — سازِ دُنیا کے ٹوٹ جاتے ہیں
خود ہی طوفان ہم اُٹھاتے ہیں — خود ہی طوفاں میں ڈوب جاتے ہیں
خود ڈبوتے ہیں کشتیاں اپنی — بادباں اپنے خود جَلاتے ہیں
نہیں گُستاخیِ چراغ نہیں — آگ خیموں میں، ہم لگاتے ہیں
ایک دن ان کے گھر بھی جلتے ہیں — دوسروں کے جو گھر جَلاتے ہیں
ان کے نوحے بھی لکھے جائیں گے — قاتلوں کے جو گیت گاتے ہیں
آندھیوں میں کہاں ہے یہ جرأت — ہم ہی اپنے دِیے بجُھاتے ہیں
بوجھ کی خود تلاش کرتے ہیں — خود ہی اُس بوجھ کو اُٹھاتے ہیں
فخرِ تعمیر میں سلام کرو — اپنی تعمیر خود ہی ڈھاتے ہیں
جب کبھی گھر سے، ہم نکلتے ہیں — راہ میں عُمر بھول جاتے ہیں

(ق)

آپ کو اس قدر حسد کیوں ہے؟ — ہم گناہوں سے لطف اُٹھاتے ہیں
ہاں اُٹھاتے ہیں، ہاں اُٹھاتے ہیں — مَوت کو زندگی بناتے ہیں
غمِ جاناں تو ہو چکا ماضی — غمِ دَوراں سے لطف اٹھاتے ہیں

شکوہ مت کر کہ تجھ کو بھول گئے ہم تو خود کو بھی بھول جاتے ہیں
بس یہ ہے داستاں جمالوں کی وہ گراتے ہیں، ہم اُٹھاتے ہیں
بے سبب زندگی کا راز نہ پوچھ زندگی کی ہَوس بجھاتے ہیں
عجب عالم ہے اُن کی محفل کا خود بُلاتے ہیں خود اُٹھاتے ہیں
جب بُلاتے ہیں ہم نہیں آتے اور کبھی بِن بلائے آتے ہیں
بُزدلی ہی سہی مگر شب بھر آپ کے نقشِ پا مٹاتے ہیں
مَوت بھی جھوم جھوم جاتی ہے آپ جس وقت مُسکراتے ہیں
انھیں فرصت کہاں تبسم کی یہ ہمیں ہیں جو مسکراتے ہیں
ہم کو دیتی ہے لوریاں شبِ ہجر رات بھر آپ تلملاتے ہیں
کون آتا ہے کون جاتا ہے بزم میں آپ خود بُلاتے ہیں
اپنا گھر آپ سے ہے کب خالی ہر نفس آپ آتے جاتے ہیں

ہائے افلاس! حضرتِ ساغر
آج خونِ جگر پلاتے ہیں

دشت میں قیس نہیں کوہ پہ فرہاد نہیں
ہے وہی عشق کی دنیا مگر آباد نہیں

رسمِ الفت نہیں اور شکوۂ بیداد نہیں
یہ تو کم ظرفیِ جذبات ہے فریاد نہیں

وہ مری خاک نشینی کے مزے کیا جانے
جو مری طرح تری راہ میں برباد نہیں

ڈھونڈھنے کو تجھے او میرے نہ ملنے والے
وہ چلا ہے جسے اپنا بھی پتہ یاد نہیں

ایک زنجیرِ طریقت میں بندھے ہیں دونوں
عشق پابند سہی، حُسن بھی آزاد نہیں

کوہ و تیشہ بھی ہے خسرو بھی ہے شیریں بھی مگر
ہائے بدبختیِ کہسار کہ فرہاد نہیں

سازِ شیریں سے یہ رہ رہ کے صدا آتی ہے
کبھی کہسار بھی آباد تھا یہ یاد نہیں

کوئی پرچھائیں کہیں سے یونہی ٹکرائی ہے،
جو بھی فرہاد ہے پرچھائیں ہے فرہاد نہیں

اپنا میخانہ جو اُجڑا ہے تو ایسا اُجڑا
پی کے کچھ نشہ بھی ہوتا ہے ہمیں یاد نہیں

اِک تصوّر ہے اسیری ہے نہ آزادی ہے
کوئی بھی قید نہیں، کوئی بھی آزاد نہیں

عرش والے نہ سُنیں ساری خدائی سُن لے
اس قدر پست مذاقِ لبِ فریاد نہیں

روحِ بلبل نے خزاں بن کے اجاڑا گلشن
پھول کہتے رہے ہم پھول ہیں صیاد نہیں

حُسن سے چوک ہوئی اس کی ہے تاریخ گواہ
عشق سے بھول ہوئی ہو یہ مجھے یاد نہیں

بربطِ ماہ پہ مضرابِ فغاں رکھ دی تھی
مَیں نے اِک نغمہ سُنایا تھا تمہیں یاد نہیں

قفس و بلبل و گُل سب ہیں یہ فانوسِ خیال
تیری ہستی سے زیادہ کوئی صیاد نہیں

لاؤ اِک سجدہ کروں عالمِ بدمستی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں

لذتِ آغاز ہی کو جاوداں سمجھا تھا میں
اے محبت تیری تلخی کو کہاں سمجھا تھا میں

گُل بداماں لالہ ساماں گل فشاں سمجھا تھا میں
رقص گاہِ برق تھی اور آشیاں سمجھا تھا میں

کچھ بلند از جذبۂ سود و زیاں سمجھا تھا میں
عشق میں بھی پستیاں ہیں یہ کہاں سمجھا تھا میں

جلوۂ گُل بے ضیا ہے برقِ خاطف بے شرر
کن اندھیروں کو چراغِ آشیاں سمجھا تھا میں

جب نقاب اُلٹی بہاروں نے تو یہ عقدہ کھُلا
اِک غبارِ رنگ و بو کو آشیاں سمجھا تھا میں

اب کھلا مجھ پر کہ ہے ایمائے تعمیرِ جدید
بجلیاں جن کو حریفِ آشیاں سمجھا تھا میں

راہزن سے بھی ہوں نالاں، راہبر کا ذکر کیا
کوئی جذبہ کارواں در کارواں سمجھا تھا میں

آخر آخر عشق ہی نازک سہارا بن گیا
اوّل اوّل عشق کو بارِ گراں سمجھا تھا میں

میں نے اب جانا تری موجِ کرم ہے زندگی
آج تک تو زندگی کو رائگاں سمجھا تھا میں

وہ بھی بے پرواسی، مستغنی سی آوارہ سی ہے
جس نظر کو حاصلِ کون و مکاں سمجھا تھا میں

غور سے دیکھا تو گم راہوں کا اِک سیلاب تھا
جس ہجومِ حق نگر کو کارواں سمجھا تھا میں

ان کی ہر بات کو طوفانِ ادا کہتے ہیں
دلرُبا ہی نہیں ہم ہوش رُبا کہتے ہیں

ہم سے جو کہتے ہیں ناصح وہ بجا کہتے ہیں
یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا کہتے ہیں

آخر اس عشق کا انجام ہے کیا کہتے ہیں
ہم جو کہتے ہیں وہ کچھ اس سے سوا کہتے ہیں

جس کو چھُو سکتے ہیں وہ بُت ہے فقط شدۂ سنگ
جس کو دیکھا نہیں اُس بُت کو خدا کہتے ہیں

مَیں تو اِک حسُن کی مُورت کو خُدا کہتا ہُوں
وہ بھی ہیں لوگ جو پتھر کو خُدا کہتے ہیں

میرے نالوں کا تلاطم ہے سرودِ بُلبُل
میری آہوں کے ترنّم کو صبا کہتے ہیں

فتحِ حق آج ہوئی ہے نہ کبھی ہوگی مگر
اِک روایت ہے جسے حق کی صدا کہتے ہیں

صبر کو عشق میں کہتے ہیں وفا کی معراج
جبر کو جذبۂ تسلیم و رضا کہتے ہیں

خنجرِ ظلم ہے ہر سینۂ مظلوم میں جذب
اے مرے عادل و ستار اسے کیا کہتے ہیں

ان کو اعجازِ صبوحی کا نہیں اندازہ
مَے دوشینہ کو جو ہوش رُبا کہتے ہیں

تیرے ہوتے ہیں زمانے کے لٹیرے آزاد
اے مرے قاہر و جبار اسے کیا کہتے ہیں

وہ ہی کیا ہم بھی تو کم زود فراموش نہیں
جانے کیوں خود کو ہم اربابِ وفا کہتے ہیں

آج کے لوگ ہیں جو چاہے ہمیں کہہ لیجیے
ہم مَے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں

عہد ایسا کوئی آیا ہے نہ آئے گا کبھی
آج کچھ لوگ وفا کو بھی جفا کہتے ہیں

وقت نے لفظوں کے معنی ہی بدل ڈالے ہیں
کامیاب آہ کو نالے کو رسا کہتے ہیں

وہ کوئی آہ ہے جو بابِ اثر تک پہنچے
وہ بھی نالہ ہے کوئی جس کو رسا کہتے ہیں

وہ اشارت ہو تبسم، وہ خموشی کہ کلام
ان کی ہر بات کو ہم ہوش رُبا کہتے ہیں

مُشکلیں عشق کی خود حسُن نے آساں کر دیں
نالہ کیسا کہ خموشی کو رسا کہتے ہیں

بابِ ایجاب نے خود بڑھ کے لیے ہیں بوسے
جب کبھی اُٹھ نہ سکا دستِ دعا کہتے ہیں

لاکھ ہو بزم میں اِک محشرِ اغیار بپا
ہم بھی جاتے ہیں وہاں دیکھیے کیا کہتے ہیں

صبحِ طوفاں میں کوئی شے نہیں دیتی فرحت
آگ ہوتی ہے جسے موجِ صبا کہتے ہیں

چاندنی ہو کہ پہاڑوں کی دہکتی ہوئی دھوپ
ایسے سایوں کو ترے رُخ کی ضیا کہتے ہیں

نغموں کے گُلشنوں میں اور سازوں کے سائے کے تلے
رِند ہے ساغرِ آشفتہ نوا کہتے ہیں

لاکھ بہلاتا ہوں فطرت کو بہلتی ہی نہیں ۔۔۔ وہ جو اِک کیل سی دل میں ہے نکلتی ہی نہیں
چھائے رہتے ہیں تری یاد کے سائے شب و روز ۔۔۔ میرے آنگن سے کبھی چاندنی ڈھلتی ہی نہیں
ہے اِدھر عشق کا اندازِ نیا بشِّ محکم ۔۔۔ اور اُدھر حُسن کی فطرت کہ بدلتی ہی نہیں
ان کی آنکھوں میں جو مواج ہے مستی بن کر ۔۔۔ وہ مئے ناب مرے جام میں ڈھلتی ہی نہیں
جب بھی آتی ہے اندھیروں کو لیے آتی ہے ۔۔۔ روشنی اپنی روایات بدلتی ہی نہیں
عشق نے موت کو ہر موڑ پہ لوٹایا ہے ۔۔۔ کون کہتا ہے کہ آئی ہوئی ٹلتی ہی نہیں
چوٹ کرتا ہے غمِ دل بھی غمِ دوراں بھی ۔۔۔ میری وحشت کسی ضربت سے دہلتی ہی نہیں
پھسلی جاتی ہے مرے جسم سے مچھلی کی طرح ۔۔۔ وہ قبا مجھ کو ملی ہے کہ سنبھلتی ہی نہیں
اِک گلابوں کی جھکی شاخ پہ کیا ریجھا ہے ۔۔۔ باغ میں ایسی بھی شاخیں ہیں جو پھلتی ہی نہیں
سینکڑوں سورجوں کی زد میں ہے ہستی لیکن ۔۔۔ یہ میرے پاؤں کی زنجیر پگھلتی ہی نہیں
وعدہ رحمت کا کسی عہد میں ایفا نہ ہوا ۔۔۔ شاخ یہ وہ ہے کسی فصل میں پھلتی ہی نہیں
نکلی جاتی ہے مرے ہاتھ سے لمحوں کی طرح ۔۔۔ زندگی میرے سنبھالے سے سنبھلتی ہی نہیں

کچھ جنوں اور بڑھا ٹھوکریں کھا کر ساغر
کفِ افسوس جوانی کبھی ملتی ہی نہیں

کیا رقصِ سلاسل کا وہ جنوں، زنداں کے طرحداروں میں نہیں
پہلا سا وہ نغموں کا طوفاں زنجیر کی جھنکاروں میں نہیں

کیا عشوہ گرِ آزادی سے، زنداں کی فضا محروم ہوئی
پازیب کے نغموں کی ہلچل، زنجیر کی جھنکاروں میں نہیں

آغوشِ سکوتِ ساحل میں، جو شور کناں ہے قرنوں سے
وہ رقصِ تلاطم اے راہی، طوفانوں کے دھاروں میں نہیں

دُنیا سے جو پنجہ کش ہو کر، جینے کا بڑھاوا دیتی تھی
وہ رُوحِ ستم دشمن میں نہیں، وہ خوئے وفا یاروں میں نہیں

یہ پھول ہی کیا اس کے تن سے وجدان مہک سا اُٹھتا ہے
ہے اس کے پسینے میں خوشبو، مہکے ہوئے ان ہاروں میں نہیں

جب عشق تمنا کرتا ہے، جب دل کے زخم چٹختے ہیں
چپکے سے وہ فرما دیتے ہیں یہ شخص وفاداروں میں نہیں

احباب کے پھول سے ہونٹوں میں جواہرت بن کر پنہاں ہے
اے دوست! وہ زہرابِ کامل تیروں میں نہیں خاروں میں نہیں

جینے سے اگر اٹھ جائے یقیں، دینا ہی علاج اس کا ہے ندیم
آزار ہمارا چارہ گرو، جانے ہوئے آزاروں میں نہیں

ورثہ ہے خرامِ جاناں کا، حصہ ہے ہماری قسمت کا
وہ گردش جو تاروں میں نہیں، وہ لوچ جو سیاروں میں نہیں

کہنے کی نہیں یہ بات مگر، کیا کہیے مآلِ فکر و نظر
وہ عشق ہی کیا اب حسن کے بھی ہم حاشیہ برداروں میں نہیں

کرتا ہے جنونِ شوق مرا، محرابِ تلاطم میں سجدے
طوفاں پہ عقیدہ رکھتا ہوں، ساحل کے پرستاروں میں نہیں

یہ کس کی نظر نے لوٹ لیا، کردارِ خمستاں اے ساقی!
پہلا سا خلوصِ بادہ کشی، اس عہد کے میخواروں میں نہیں

فطرت نے نمایاں کر ہی دیا، ان تیری غزالی آنکھوں میں
وہ ہوش جو ہُشیاروں میں نہیں، وہ کیف جو میخواروں میں نہیں

جو تیرے لبوں پر خنداں ہے اسرار کی اِک معصوم کرن
وہ دوشیزہ کلیوں میں نہیں، پھولوں میں نہیں، تاروں میں نہیں

ہے کفر شریعت میں میری، لوٹے ہوئے سازوں کا ماتم
میں مطربِ فردا ہوں ساغرؔ، ماضی کے عزاداروں میں نہیں

چمن چمن رمِ افسردگی کو دیکھ رہا ہوں
کلی کو چومنا کیسا کلی کو دیکھ رہا ہوں

طلسمِ بندگی و خواجگی کو دیکھ رہا ہوں
کبھی خدا کو کبھی آدمی کو دیکھ رہا ہوں

جو وقتِ نزع جھلکتی ہے مومن[1] کے نظر میں
رخِ حیات پہ اُس بے کسی کو دیکھ رہا ہوں

جو تھی حسینؑ کے ہونٹوں پہ داغِ وحشتِ آدم
لبِ حیات پہ اس تشنگی کو دیکھ رہا ہوں

ہے کس قدر دلِ بدبخت کو جنونِ تباہی
میں اپنی ہمتِ غارتگری کو دیکھ رہا ہوں

نہ جانے کیا مری مجذوبیت کا حشر ہو ساقی
کہ تار تار لباسِ خودی کو دیکھ رہا ہوں

ابھی مناظرۂ اہرمن کا ہوش نہیں ہے
ابھی مجادلۂ آدمی کو دیکھ رہا ہوں

خدا و اہرمن و آدمی نظر نہیں آتے
بہت قریب سے میں زندگی کو دیکھ رہا ہوں

ستارے ڈوب تو لیں پھر نمودِ نور بھی ہوگی
سحر تلک غمِ بے چارگی کو دیکھ رہا ہوں

کسی نگاہ سے اجلالِ موسوی بھی تو جھلکے
ہر اک نگاہ میں اِک سامری کو دیکھ رہا ہوں

ہر اک خلیل کے دیرِ تصورات میں ساغرؔ
دبی ہوئی ہوسِ آذری کو دیکھ رہا ہوں

---

[1] میں اس ترک کے اختیار کو جائز سمجھتا ہوں۔ ساغر

جورِ پیہم تغیّرات نہیں
مَوت ہے مَوت وہ حیات نہیں

دل نہیں آج یا حیات نہیں
ہم نہیں یا یہ کائنات نہیں

وہ کرم اور وہ التفات نہیں
اب وہ ان کی توجّہات نہیں

دن نہیں نور میں نہائے ہوئے
بوئے گل میں بسی وہ رات نہیں

وہ تبسم ہے اور نہ وہ آنسو
مسکراتی ہوئی حیات نہیں

اُن سے انجم تھے اُن سے لالہ و گُل
وہ نہیں ہیں تو کائنات نہیں

نہ گریباں ہے اور نہ داماں چاک
اب وہ آرائشِ حیات نہیں

کچھ بہاروں ہی پر نہیں موقوف
میری وحشت کو بھی ثبات نہیں

تشنہ ہم اور وہ ماہیِ بے آب
حادثے ہیں یہ واقعات نہیں

مسئلے حُسن کے بھی ہیں نازک
عشق ہی کے معاملات نہیں

وہ وفا کے کنوَل جلائے ہوئے
اب بھی ملتے ہیں پر وہ بات نہیں

اس طرح بزم میں وہ بیٹھے ہیں
جیسے باہم تعلّقات نہیں

عشق میں بے تعلّقی کے سوا
کوئی شرطِ تعلّقات نہیں

ادب اے دل یہ بزمِ جاناں ہے
یہ حریمِ تصوّرات نہیں

مرحبا نکہتِ لب و رخسار
دُور تک اب غمِ حیات نہیں

شاخِ گُل ہے کہ گردنِ مینا
میرے ہاتھوں میں ان کا ہات نہیں

آئینہ اُٹھ کے بار بار نہ دیکھ
میری نظروں کو بھی ثبات نہیں

مدّتوں میں یہ راز دل پہ کھُلا
زندگی دل کے بس کی بات نہیں

کعبہ و دیر کو ثبات ہے کب
میکدے کو اگر ثبات نہیں

آج تک جس کی صبح ہو نہ سکی
رات وہ بھُولنے کی رات نہیں

یہ اندھیرے کرن کے گیسو ہیں
ابتسامِ سحر ہے رات نہیں

مہک اُٹھی ہے وادیِ انجم
اِک مہکتا کنوَل ہے رات نہیں

قیدِ ہستی کے بعد اے ساغر
اِک نئی قید ہے نجات نہیں

◉

سُننے والوں کو مَیں دیوانہ بنالوں تو کہوں
پہلے سوئی ہوئی یادوں کو جگالوں تو کہوں

اس کی آغوش تھی خوابوں کے تقدس کی امیں
ماضیِ رفتہ کو امروز بنالوں تو کہوں

کس قدر تشنہ ہوں مت پوچھ یہ رودِ راوی
پھر تری خاک کو مے خانہ بنالوں تو کہوں

کیا کہوں بزم میں دیوانے ہی دیوانے تھے
بزم اک بار وہی پھر سے جمالوں تو کہوں

داستانیں ہیں شہیدوں کے لہو کی جس میں
پھر وہی پرچمِ خوش رنگ اڑالوں تو کہوں

ابدی نشّہ تھا جس مے کے ہراک قطرے میں
وہی پی لوں وہی اوروں کو پلالوں تو کہوں

خواب کب خواب تھے تعبیریں ہی تعبیریں تھیں
پھر وہی خواب دل و جاں میں اُگالوں تو کہوں

کتنا بے تاب ہوں اے مہرِ منوّر مت پوچھ
تیری کرنوں کو کلیجے سے لگالوں تو کہوں

تیری کرنوں میں تو شبنم بھی ہے شعلے ہی نہیں
تیری کرنوں کے سمندر میں نہالوں تو کہوں

کتنا مبہوت ہوں اے شام کی لالی مت پوچھ
تیرے پرتو سے پھر اِک شمع جلالوں تو کہوں

کتنا مسرور ہوں اے شب کے اندھیرے مت پوچھ
پہلے یادوں کے چراغوں کو جلالوں تو کہوں

کتنا مدہوش ہوں اے نشّۂ دوشیں مت پوچھ
ہوش میں مستیِ امروز سے آلوں تو کہوں

کن منازل سے مرا ذوقِ جنوں گذرا ہے
پھر وہی شوقِ سفر دل میں جگالوں تو کہوں

راہ گم کردہ ہوں میں سخت، ذرا صبر تو کر
ٹھوکریں راہِ مکافات میں کھالوں تو کہوں

کتنا محصور ہوں نابینا حقائق میں نہ پوچھ
اپنے خوابوں کو دریچوں میں سجالوں تو کہوں

ایک تاریخ ہے کانٹوں کی چبھن کی لذت
گھر کو خوش رنگ گلابوں سے سجالوں تو کہوں

قصّۂ دار و رسن ثبت ہے میرے دل پر
جشنِ آزادیِ جمہور منالوں تو کہوں

ہر نفس اِک ستم ایجاد کرو گے یارو
کب تک آخر ہمیں برباد کرو گے یارو

ختم ہم پر ہی نہیں سلسلۂ بربادی
تم بھی ویرانوں کو آباد کرو گے یارو

ہم بھی تنہا ہیں کل تم بھی اکیلے ہو گے
تم بھی تنہائی پہ فریاد کرو گے یارو

ہم تو کیا خاک کے سائے بھی نہ ہوں گے باقی
جب کیا یاد تو کیا یاد کرو گے یارو

وقت نے ہم کو نہ چھوڑا نہ تمھیں چھوڑے گا
تم بھی اِک دن یونہی فریاد کرو گے یارو

پیاس کیا بجھ نہ سکی جذبۂ پامالی کی
کیا ابھی اور بھی برباد کرو گے یارو

سینہ کوبی کے لیے کیا نہیں کافی نئے لوگ
کب تلک ماتمِ اجداد کرو گے یارو

کیا ہر اِک برگ پہ اِک دام بچھا ڈالو گے
کیا ہر اِک شاخ کو صیاد کرو گے یارو

ہم ہی ہیں تن کے خدا من کے خدا فن کے خدا
کب تک اس وہم سے دلشاد کرو گے یارو

ہم ستاروں کی ضیا بن کے اُتر آئیں گے
چاندنی رات میں جب یاد کرو گے یارو

شبِ تاریک ستاروں سے چمک اُٹھے گی
تیرہ بختوں کو اگر یاد کرو گے یارو

اپنی نگری میں میاں ہم کو غنیمت جانو
ہم نہ ہوں گے تو بہت یاد کرو گے یارو

○

پھر یہ ساقی یہ رات ہو کہ نہ ہو
پھر یہ خلدِ حیات ہو کہ نہ ہو

یہ جو اِک لمحۂ میسّر ہے
کل مری کائنات ہو کہ نہ ہو

یہ ستارے یہ پھول یہ کلیاں
مسکراتی یہ رات ہو کہ نہ ہو

غنچۂ دِل مرا کِھلے نہ کِھلے
پھر شگفتہ حیات ہو کہ نہ ہو

ماہ و انجم نچوڑ دے ساقی
کل سنہری یہ رات ہو کہ نہ ہو

نہیں کچھ التفاتِ یار ہی شرط
وقت کا التفات ہو کہ نہ ہو

زلفِ شب رنگ کو بکھیر بھی دے
میری دُنیا میں رات ہو کہ نہ ہو

کھیل طوفاں سے آج ہی ناداں
کل اسے بھی ثبات ہو کہ نہ ہو

شق ہے احساسِ قرب سے سینہ
یہ تلاطم کی رات ہو کہ نہ ہو

حسُن کو دادِ رقص دے بڑھ کر
وجد میں کل حیات ہو کہ نہ ہو

آج ہی عرضِ دل تمام کریں
پھر کبھی اُن سے بات ہو کہ نہ ہو

اس سے اِک آخری غزل سُن لیں
پھر جوانی سے بات ہو کہ نہ ہو

سُن رموزِ حیات ساغرؔ سے
کل یہ والا صفات ہو کہ نہ ہو

◉

○

صبر ہر ظلم پر کیے جاؤ
دوستو! خونِ دل پیے جاؤ

بادۂ ارغواں نہیں نہ سہی
بادۂ اشک ہی پیے جاؤ

ہم سے پوچھو کہ زندگی کیا ہے
زخم کھاؤ مگر جیے جاؤ

عشرتِ یک نفس غنیمت ہے
جب تلک ہو سکے جیے جاؤ

ہر نفس مرگِ ناگہاں ہے مگر
موت کے بعد بھی جیے جاؤ

ہر گماں کو لباسِ حق بخشو
ہر یقیں کو گماں کیے جاؤ

شاید اِک نخل بارور پھوٹے
اپنی دھرتی کو خوں دیے جاؤ

شاید اِک نقشِ معتبر اُبھرے
خونِ دل کا زیاں کیے جاؤ

جب تلک چاندنی سروں پر ہے
مدحِ خوش قامتاں کیے جاؤ

شکوۂ ظلمتِ زمانہ کیا
مدحتِ مہ وشاں کیے جاؤ

ساری فطرت شراب خانہ ہے
جس قدر ہو سکے پیے جاؤ

لطفِ ساقی بھی اتفاقی ہے
دادِ بادہ کشی دیے جاؤ

ہمیں فرصت ہے صبحِ محشر تک
اس کی باتیں اگر کیے جاؤ

خوب فرمان ہے مشیّت کا
موت کے نام پر جیے جاؤ

حکم ہے بے بسی کا مقتل میں
مدحتِ قاتلاں کیے جاؤ

اب ملاقات پھر کہاں ہوگی
جانے والو پتہ دیے جاؤ

ظلم کا سامنا عبادت ہے
ظلم کا سامنا کیے جاؤ

عشق کی نامرادیوں کی قسم
نامرادی ہی میں جیے جاؤ

منصبِ عاشقی فقط ہے یہی
کہ ہر اِک چاکِ دل سیے جاؤ

بدگماں ہیں جو اہلِ دل سے انھیں
اور بھی بدگماں کیے جاؤ

لبِ خاموش وا نہ ہوں ساغرؔ
آدمی ہو تو چپ جیے جاؤ

◉

بزم میں چُپکے کیوں بیٹھے ہو کچھ تو بیاں حالات کرو
سُننے والے دل رکھتے ہیں کھُل کر دل کی بات کرو

ایک ہی پیڑ ہے بے پتّوں کا میرے اجڑے آنگن میں
جانِ بہاراں اِک دن اس کے سائے میں بھی رات کرو

حسن بھی تاجر عشق بھی تاجر دونوں ہی بازاری ہیں
ان دونوں کا نام نہ لو، اب اور کسی کی بات کرو

ان کو یہ معلوم تو ہے پندارِ عشق بھی اک شے ہے
لاکھ وہ ہنس کر بات کریں خاموش رہو، مت بات کرو

جاگنا ہجر کی راتوں میں فنکاروں کی فنکاری ہے
کب تک تارے گنتے رہو گے گہری نیند میں رات کرو

رات ہے لمبی باتیں کم ہیں اور بھی لاکھوں سر پر غم ہیں
بہتر ہے اب کم کم بولو، چُپکے رہ کر بات کرو

دیر سویر کا آنا جانا اب کوئی معنی ہی نہیں رکھتا
رات گئے بھی گر وہ آئیں ان پہ نہ کچھ شبہات کرو

آئیں تو سر آنکھوں پر آئیں جائیں تو کچھ غم نہ کرو
ساری عمر کی ساتھی ہے تنہائی اس سے بات کرو

اب تو حسن و عشق کی راتیں بس کہنے کی راتیں ہیں
جب تک چاہو چُپکے بیٹھو، جب تک چاہو بات کرو

اب تو ان کی بزم میں جا کر اِک اُلجھن سی ہوتی ہے
کب تک ان کے قصیدے گاؤ کب تک ان سے بات کرو

وہ خوشبو اب ان میں کہاں ہے جو تھی کبھی صدیوں پہلے
پھول جو کروٹ میں مسلے ہیں وہ بھی ان کے سات کرو

یہ وہ زہری کیڑے ہیں جو تن من کو کھا جاتے ہیں
کچھ دن اور بھی جینا ہے تو ترکِ محسوسات کرو

جس کو زمانہ کہتے ہیں اس شطرنجی نے شہ دے دی ہے
مہرہ کوئی پٹ نہیں سکتا چاہے لاکھوں مات کرو

فکر اضافی ذکر اضافی ذات اضافی کرب مضاف
کربِ ذات کو رونے والو پہلے تلاشِ ذات کرو

آؤ چلو ہم سب مِل جُل کر اپنے خدا کو نذر کریں
جمع اِک کشکول میں ساری دنیا کے آفات کرو

نہ آسماں کی نہ عرشِ بریں کی بات کرو
زمیں کی گود کے پالو، زمیں کی بات کرو

مرے حسین بہشتِ بریں کی بات کرو
حدیثِ شمس و قمر کیا زمیں کی بات کرو

غمِ خزاں جو ستائے حدیثِ گل چھیڑو
نگارِ لالہ رُخ و مہ جبیں کی بات کرو

کچھ اور سخت ہوئیں زندگی کی زنجیریں
رُخِ لطیف و لبِ نازنیں کی بات کرو

اندھیرے چھٹ نہیں سکتے چمک تو سکتے ہیں
قمر نگاہ و ستارہ جبیں کی بات کرو

ہلال بن کے ابد کو جو کر گئی روشن
پھر آج اُسی نگہِ سرمگیں کی بات کرو

ہے جس کا پرتوِ رُخ صبحِ نو کی تابانی
شبِ سیہ میں اُسی مہ جبیں کی بات کرو

نہ دین ہی میں کشش ہے نہ جذبِ دُنیا میں
پھر آج دشمنِ دنیا و دیں کی بات کرو

یہ سرد سرد اندھیرے یہ تلخ تلخ فضا
یہ وقت ہے کہ مئے آتشیں کی بات کرو

یہ تیز تیز بگولے یہ گرم گرم غبار
شمیمِ نسترن و نستریں کی بات کرو

لُٹا کے آئے ہو جس سر زمیں پہ دل ساغرؔ
جو کر سکو تو اُسی سر زمیں کی بات کرو

دیا ہے حسن نے ساغرؔ کو منصبِ جبریل
اب اِس زمین کے رُوح الامیں کی بات کرو

○

نہ فکر ہے نہ نظر لا الٰہ الا اللہ
اور ہم ہیں اہلِ خبر لا الٰہ الا اللہ

ہے آج کم نظروں کو بھی زعمِ فکر و نظر
زوالِ اہلِ نظر لا الٰہ الا اللہ

نہ ماہ اور نہ انجم نہ پھول اور نہ کرن
نہ شام ہے نہ سحر لا الٰہ الا اللہ

ٹپک رہا ہے لہو عشق کے کلیجے سے
نہ تیغ ہے نہ سپر لا الٰہ الا اللہ

وفورِ بارِ سیاست سے علم و وجداں کی
لچک رہی ہے کمر لا الٰہ الا اللہ

انھیں یہ ضد کہ تبسم ہے صبحِ نو کا مگر
دھواں دھواں ہے سحر لا الٰہ الا اللہ

لہولہان ہیں ہر بزم میں مرے نغمے
یہ حشرِ خونِ جگر لا الٰہ الا اللہ

ہر ایک موڑ پہ رجعت کے ہات میں ہے سند
کہاں ہیں اہلِ ہنر لا الٰہ الا اللہ

وہ ہتدائے معلق ہے ان کا حسنِ عطا
فنا ہے جس کی خبر لا الٰہ الا اللہ

مرے لیے تئے دانش کدے ہوئے تعمیر
عروجِ فکر و نظر لا الٰہ الا اللہ

مسافر ایسا بھی کوئی کسی نے دیکھا ہے
کہ خود ہو زادِ سفر لا الٰہ الا اللہ

خود ہم نے اپنی متاعِ حیات لوٹی ہے
ہے راہزن پہ نظر لا الٰہ الا اللہ

خود اپنی انگلیاں کاٹی ہیں ہم نے وحشت میں
ہے پھر بھی زعمِ ہنر لا الٰہ الا اللہ

مرا ہنر بھی ہے محتاجِ ترجماں اب تو
زہے کمالِ ہنر لا الٰہ الا اللہ

بہار کیسی خزاں بھی حرام ہے ہم پر
نہ پھول ہیں نہ شرر لا الٰہ الا اللہ

ہر اک فقیہہ کے ہونٹوں پہ رقص کرتی ہے
حدیثِ دلبر و زر لا الٰہ الا اللہ

قیام عشق کو ہے اور نہ حسن کو ہے ثبات
ہر اک کو حکمِ سفر لا الٰہ الا اللہ

نہ شرطِ مومن و کافر، نہ شرطِ رندِ خراب
تمام خاک بسر لا الٰہ الا اللہ

بتاؤ آگ میں ڈالیں کہ ہم سمندر میں
یہ اپنی جنسِ ہنر لا الٰہ الا اللہ

بچائے کون مرے آشیاں کو اے ساغر
برس رہے ہیں شرر لا الٰہ الا اللہ

◉

اٹھاؤ ساغر بجاؤ بربط، نیا زمانہ، نیا ترانہ
وہ دن گئے جب نگاہِ ساقی پہ ناچتا تھا شرابخانہ

تغیراتِ زمانہ سے ہے رُکی رُکی گردشِ زمانہ
مگر ہمارا سفر ہے جاری بصد شکوہِ قلندرانہ

ہماری بے باکیوں پہ ساقی ہزار سلگے دلِ زمانہ
رکا ہے اب تک نہ رک سکے گا جنوں کا اقدامِ جارحانہ

یہ التفاتِ سپردگانہ، یہ عہد و پیمانِ جاودانہ
مری محبت کی ایک حد ہے، تری محبت کا کیا ٹھکانہ

لبوں میں، ہیں ناشنیدہ نغمے نظر میں حل ناشدہ معمے
جہاں وہ کچھ سوچ کر رکے ہیں ٹھہر گیا ہے وہیں زمانہ

لیے ہوئے ہیں وہ موجِ مے سے تموجِ کیف ہے بے ٹھکانا
مہک رہا ہے چھلک رہا ہے، بہک رہا ہے شرابخانہ

نہ بہہ سکی ہے نہ بہہ سکے گی یہ نرم و گرم آنسوؤں سے
چٹان ہے لازوال و محکم ہنسی میں کھویا ہوا زمانہ

نہ تجھ کو قابوِ دل و نظر ہے نہ اپنی پروازِ بے خطر پر
قفس کو بدنام کرنے والے قفس تو ہے صرف آب و دانہ

پیے ہوئے گو نہیں ہیں ساغر خمارِ ماضی تو کم نہیں ہے
فسردہ آنکھوں کے ساغروں سے چھلک رہا ہے شرابخانہ

اے حیرتِ حسن نظر سوز اِدھر دیکھ
غمّاز ہے وارفتگی چشم و نظر دیکھ

کس دن کے لیے ہے یہ ترا ذوقِ نظر دیکھ
خود جلوہ سراپائے تقاضہ ہے اُدھر دیکھ

اُٹھنے کو ہے محفل میں قیامت کی نظر دیکھ
کچھ دیر میں ہے کارِ جہاں زیر و زبر دیکھ

وہ آئی مرے دل میں اِدھر دیکھ اُدھر دیکھ
وہ مست، وہ رنگین، وہ دزدیدہ نظر دیکھ

کچھ موت نہیں منزلِ انجامِ سفر دیکھ
عقبیٰ بھی ہے دُنیا کی طرح راہگذر دیکھ

مرنا تو کجا عشق میں آساں نہیں جینا
حسرت ہے ترے دل کو تو یہ کام بھی کر دیکھ

پتھر کی چٹانوں میں ہے انگڑائی کا عالم
جادوگریِ کیفِ جوانیِ نظر دیکھ

ہر شے پہ جو اُس جانِ تماشا کا ہے دھوکا
یہ ذوقِ نظر ہے کہ مرا سحرِ نظر دیکھ

منظر جسے کہتے ہیں ترا ننگِ نظر ہے
اس رُخ سے کبھی آئینۂ شام و سحر دیکھ

“اعمال” کا انعام ہے فردوس و جہنم
افسوں گریِ کارگہِ نیکی و شر دیکھ

پردے تری آنکھوں سے نہ اُٹھ جائیں تو کہنا
تنہائی میں اِک روز کبھی رقصِ شرر دیکھ

قربت کی جلالت سے فضا کانپ رہی ہے
پہلے انھیں پھر جنبشِ ہر پردۂ در دیکھ

آوارہ ہیں کیوں تیرے لیے شام و سحر سوچ
تکتے ہیں تجھے دُور سے کیوں شمس و قمر دیکھ

مستوں کو تو آئینہ ہے ہر قطرۂ صہبا
ساغرؔ کے تموّج میں ارمِ شام و سحر دیکھ

نہ رخت ہے نہ سفر لا الٰہ الا اللہ   نہ کوئی راہ گذر لا الٰہ الا اللہ
خبیر ہے نہ خبر لا الٰہ الا اللہ   بشیر ہے نہ بشر لا الٰہ الا اللہ
یہ ذبحِ فکر و نظر لا الٰہ الا اللہ   یہ قتلِ عامِ ہنر لا الٰہ الا اللہ
زبانِ وعدہ و اقرار اس قدر مبہم   نہ مبتدا نہ خبر لا الٰہ الا اللہ
فروغِ کاہکشاں سے بھی گھر نہیں روشن   کہاں کے شمس و قمر لا الٰہ الا اللہ
وطن تو کیا نہیں غربت کا باب وا ہم پر   کہاں ہوں شہر بدر لا الٰہ الا اللہ
نہ پوچھیے مرے اشکوں کی بے وقاری کو   نہ سیم ہیں نہ گہر لا الٰہ الا اللہ
جہاں ہجوم ہے احبابِ وقت پرور کا   وہاں ہوا اپنا گذر لا الٰہ الا اللہ
یہ وہمِ خیر کی ہنگامہ خیزیاں توبہ   ہے انقلاب میں شر لا الٰہ الا اللہ
غریب خانے کو کس نام سے پکاریں ہم   نہ بادیہ ہے نہ گھر لا الٰہ الا اللہ
ہے بھیڑ بے ہنروں کی بنام اہلِ ہنر   مری متاعِ ہنر لا الٰہ الا اللہ
ہے ریگ زار وہ امروز ہو کہ ہو فردا   کہاں کے برگ و شجر لا الٰہ الا اللہ
حیات اشک فشاں عاقبت ہے نالہ کناں   زمانہ خاک بسر لا الٰہ الا اللہ
جہانِ عشق ہے اور اک محیطِ تاریکی   نہ شمس ہے نہ قمر لا الٰہ الا اللہ
ہماری کشتیِ بشکستہ ہے رواں دواں   مگر نہ بحر نہ بر لا الٰہ الا اللہ
زمانہ تنگ ہوا نائبِ الٰہی پر   کرو خدا کو خبر لا الٰہ الا اللہ
نہ کوئی مقصد و منزل نہ نقطۂ حاصل   فقط سفر ہی سفر لا الٰہ الا اللہ
وہ میرا شوقِ تماشا کہ تیرا حسن تمام   ہر اک حجابِ نظر لا الٰہ الا اللہ
وہ میرا شعر ہو یا تیرا نغمۂ رنگیں   تمام خونِ جگر لا الٰہ الا اللہ
نہ میکدہ ہے نہ کعبہ نہ دیر ہے نہ کنشت   یہ سب فریبِ نظر لا الٰہ الا اللہ
قفس میں خاکِ قفس کو بھی ہمتِ پرواز   اور اپنے بال نہ پر لا الٰہ الا اللہ
یہ آشیانے کے تنکوں کی کپکپی یہ بہار   یہ رقصِ برق و شرر لا الٰہ الا اللہ
نہ بے بسوں کو مجالِ فغاں نہ اذنِ دعا   نہ کوئی بابِ اثر لا الٰہ الا اللہ

ہم اپنی خاکِ فسردہ کو کیا کہیں ساغر
کہ خاک ہے نہ شرر لا الٰہ الا اللہ

○

بندگی نے یہ دیا منصبِ پیغامبری
کہ مرے ہات ہیں اور کاسۂ دریوزہ گری

میرا آغاز بھی آنسو مرا انجام بھی اشک
از ازل تا بہ ابد سلسلۂ نوحہ گری

زندگی خوابِ ازل موت ہے خوابِ ابدی
جانے کس خواب کا ٹکڑا ہے مری بے خبری

اپنی ہی لاش پہ خود بیٹھ کے شب بھر رونا
کتنا دشوار ہے یہ مرحلۂ نوحہ گری

ہات پھیلائے ہوئے جیسے بھکاری کوئی
میری آنکھیں نہیں ہیں کاسۂ دریوزہ گری

جس کو دیکھو اُسے بے بال و پری کا شکوہ
کیجیے کس سے بھلا شکوۂ بے بال و پری

سینہ چھلنی سہی زخموں سے دِکھائیں کس کو
ہر طرف بے بصری بے بصری بے بصری

قاتلوں ہی کو دیا تاجِ شہی دُنیا نے
رہزنوں ہی کو عطا ظلم نے کی راہ بری

اب بھی تاریخ کے ماتھے سے لہو جاری ہے
اب بھی خوں ریز ہے ہر پیرہنِ راہبری

شکرِ صد شکر کہ خالی نہ رہے ہات مرے
ساغرِ زہر بنا یا کاسۂ دریوزہ گری

قرباں اس قاسم و رزاق کی فیاضی پر
جس نے بخشی ہے مجھے دولتِ دریوزہ گری

موسمِ گل میں بھی پتوں کا وہی عالم ہے
جیسے ہر شاخ پہ ہو کاسۂ دریوزہ گری

ہر طرف فطرت و ابلیس و مشیت موجود
اور اس بھیڑ میں تنہا ہے مری بے جگری

تنِ عریاں پہ صلیب اپنی اُٹھاؤں دمِ قتل
اس لیے مجھ کو ملا خلعتِ پیغامبری

نہ ستارے مرے ساتھی ہیں نہ خورشید نہ ماہ
پاؤں کے آبلے ہیں مشعلۂ راہبری

شاعری رمز و خبر فکر و نظر خونِ جگر
نہیں آساں مری جاں منصبِ پیغامبری

میرے افکار کا اک رُوپ نہیں ہے ساغرؔ
کبھی رندی کبھی ماتم کبھی پیغامبری

◉

O

اندھیرے چھٹ رہے ہیں صبح کے آثار ہیں ساقی
صبوحی دے کہ جو بے ہوش تھے ہشیار ہیں ساقی

رموزِ میکدہ سمجھے کسی نے اور نہ سمجھے گا
کہ یاں بکھرے ہوئے اسرار ہی اسرار ہیں ساقی

مئے رنگیں تو دے ساقی مگر دے جامِ سنگیں میں
کہ میری راہ میں کہسار ہی کہسار ہیں ساقی

لنڈھا دے یہ سبو و خم، یہ جام و ساغر و مینا
کہ میری راہ میں یہ آہنی دیوار ہیں ساقی

وہ ملکِ ساغر و مینا کے شہری ہو نہیں سکتے
جو بادہ کش اسیرِ سبحہ و زنار ہیں ساقی

لٹا کر ہم نے کی ہے زندگی تعمیرِ مے خانہ
ترے میکش ترے میخانے کے معمار ہیں ساقی

ہمارا ظرف بھی ساقی تری آنکھوں کا پرتو ہے
کہ پی کر میکدے کا میکدہ ہشیار ہیں ساقی

فقط مجھ پر نہیں ان پر بھی چھلکا بادۂ رنگیں
کہ میرے ساتھ ہی رقصاں در و دیوار ہیں ساقی

سمجھتے ہیں زمانہ کس بلا کی چال چلتا ہے
ازل سے ہم شہیدِ مستیٔ رفتار ہیں ساقی

یہ میری شاعری کیا ہے تری آنکھوں کا پرتو ہے
مرے افکار کیا ہیں یہ ترے افکار ہیں ساقی

مرے مصرعے نہیں ہیں یہ تری پلکوں کے سائے ہیں
مرے اشعار کیا ہیں چشمِ بادہ بار ہیں ساقی

اٹھا دے آج تو ساقی حجابِ ساغر و مینا
کہ ہم کب سے شہیدِ حسرتِ دیدار ہیں ساقی

انھیں بھی ایک جلوہ، اِک جھلک اِک جام اِک ساغر
جو قرنوں سے شہیدِ حسرتِ دیدار ہیں ساقی

◉

ترے نام پر نو جوانی لُٹا دی — جوانی نہیں زندگانی لُٹا دی
یہاں عشرتِ زندگانی لُٹا دی — وہاں دولتِ جاودانی لُٹا دی
تقاضہ، تقاضہ، مقدّر مقدّر — جوانی نے خود ہی جوانی لُٹا دی
بہ ہر کو بہارے، بہ ہر سو نگارے — نگاہوں نے اپنی جوانی لُٹا دی
یہ اِک روز مِلتی، یہ اِک روز لُٹتی — یہ اِک چیز تھی آنی جانی لُٹا دی
جوانی کے لُٹنے کا غم ہو تو کیوں ہو — جوانی تھی فانی، جوانی لُٹا دی
خرد کو یہ ضِد تھی نہ لُٹتی یہ دولت — اسی ضِد پہ ہم نے جوانی لُٹا دی
وہ گلیاں ابھی تک حسین و جواں ہیں — جہاں ہم نے اپنی جوانی لُٹا دی
محبّت میں ہم اور کیا کچھ لُٹاتے — متاعِ غرورِ جوانی لُٹا دی
جوانی نے بڑھ کر محبّت کو لوٹا — محبّت نے ہنس کر جوانی لُٹا دی
درِ خُمستاں سے جوانی ملی تھی — درِ خُمستاں پر جوانی لُٹا دی
جو مِل جائے تو عمرِ رفتہ سے پوچھوں — یونہی لُٹ گئی یا جوانی لُٹا دی

جو ساقی نے ہنس کر کبھی جام بخشا
تو ساغر نے اُٹھ کر جوانی لُٹا دی

نہ وہ جوشِ موسمِ گُل رہا، نہ وہ فکرِ بخیہ گری رہی
نہ کمالِ دستِ جنوں رہا، نہ مجالِ جامہ دری رہی

نہ وہ آنکھ ہے نہ وہ ولولے نہ کلیم ہے نہ وہ حوصلے
نہ وہ جذبۂ ارنی رہا، نہ وہ رسمِ جلوہ گری رہی

ترا جلوہ برقِ نظر نہیں، وہ نظر نہیں وہ اثر نہیں
نہ تری جواں نگہی رہی، نہ تری سناں نظری رہی

جو تو چاہے بزم میں بیٹھنا تو تجھے اجازتِ عام ہے
نہ وہ حسنِ پردۂ در رہا، نہ وہ ننگِ پردہ دری رہی

نہ حریمِ گُل نہ شمیمِ گُل، نہ وہ نکہتیں ہیں ندیمِ گُل
نہ چمن رہا، نہ وہ بلبلوں کی ادائے نغمہ گری رہی

نہ سرِ طوافِ نظر مجھے نہ غمِ طلوعِ سحر تجھے
نہ وہ میں رہا، نہ وہ تو رہا نہ عبادتِ سحری رہی

نہ وہ بجلیاں نہ وہ آشیاں، نہ وہ فصلِ گل نہ وہ باغباں
نہ چمن رہا نہ قفس رہا، نہ صبا کی نامہ بری رہی

نہ وہ حادثات کا سامنا نہ وہ منزل اور نہ قافلہ
نہ وہ طورِ راہزنی رہا، نہ وہ طرزِ راہبری رہی

زہے کیف دعوتِ مرگ ہے مجھے آمد و شدِ ہر نفس
نہ دوا میں کم اثری رہی نہ دعا میں بے اثری رہی

مدد کہ ہمتِ بے چارگی نہیں ہوتی
وہ سامنے ہیں مگر بات ہی نہیں ہوتی

نہیں مدام مرے جام ہی میں موجِ شفق
ان انکھڑیوں میں بھی مے کی کمی نہیں ہوتی

زر و جواہر و لعل و گہر لٹا کر بھی
ترے خزانۂ لب میں کمی نہیں ہوتی

جنابِ شیخ کے پندِ مدام کے باوصف
ہماری بادہ کشی میں کمی نہیں ہوتی

ہم اور خدا کی عبادت، ندیم ہم سے تو
بتانِ دیر کی بھی بندگی نہیں ہوتی

کبھی فراق میں یوں بھی بہار آتی ہے
کہ پھول ہوتے ہیں اور تازگی نہیں ہوتی

کبھی بہار کی راتوں میں یوں بھی ہوتا ہے
کہ شمع ہوتی ہے اور روشنی نہیں ہوتی

کبھی کبھی تو چمن یوں بھی مسکراتا ہے
کہ رنگ ہوتے ہیں اور دلکشی نہیں ہوتی

رباب و چنگ پہ اک وقت یہ بھی آتا ہے
کہ تار ہوتے ہیں اور نغمگی نہیں ہوتی

کبھی کبھی تو محبت میں یوں بھی ہوتا ہے
کہ اُن سے مِل کے بھی آسودگی نہیں ہوتی

ہزار پیرہنِ نور سر سراتے ہیں
ترے فراق میں جب چاندنی نہیں ہوتی

کفِ خزاں سے چھلکنے لگا ہے خوں پھر بھی
فروغِ لالہ و گُل میں کمی نہیں ہوتی

جو شب کو صورتِ پروانہ رقص کرتی ہے
سحر کی گود میں وہ خاک بھی نہیں ہوتی

خمارِ تلخیِ ایام کا اثر ہے کہ ہم
شراب پیتے ہیں اور بیخودی نہیں ہوتی

وہ بات جس کے لیے خود ہے ان کو بیتابی
ادا زبان سے وہ بات ہی نہیں ہوتی

جگر کے خون سے ہوتی ہے شاعری ساغرؔ
عروض ہی سے فقط شاعری نہیں ہوتی

تمھیں خبر اس کی شوخیوں کی ابھی تک اہلِ خبر نہیں ہے
کہاں کا اقرار اس کا انکارِ عشق بھی معتبر نہیں ہے

نہیں نہیں صبح کے ستارے ابھی نمودِ سحر نہیں ہے
فریب وہ رات نے دیے ہیں کہ صبح بھی معتبر نہیں ہے

لباس اندھیرا بدل رہا ہے غرورِ شب کا پگھل رہا ہے
مرے ستارے یہ کہہ رہے ہیں ابھی طلوعِ سحر نہیں ہے

سراب ہے صبح کا دھندلکا افق کی لالی نظر کا دھوکا
نئے اندھیروں کا قافلہ ہے یہ کاروانِ سحر نہیں ہے

یہ صبحِ نو کا حسیں ترنم درا ہے اک تازہ قافلے کی
نئے سفر کا غبارِ آغاز ہے یہ گردِ سفر نہیں ہے

بہارِ تازہ کی آمد آمد کا جشن ہے میرے آشیاں میں
حیاتِ نو مسکرا رہی ہے یہ رقصِ برق و شرر نہیں ہے

ہے رہنما تو اک استعارہ فقط اندھیرے میں اک اشارہ
وہ راہ رو راہ رو نہیں ہے جو اپنا خود راہبر نہیں ہے

قفس میں گر بال و پر بھی ہوتے تو کون کار نامہ کرتے
کہ ہم تو وہ ہیں جنھیں چمن میں بھی شکوۂ بال و پر نہیں ہے

ہیں موسم بے وفائی دونوں، چمن میں فصلِ جدائی دونوں
خزاں ہی نا معتبر نہیں تھی، بہار بھی معتبر نہیں ہے

تخیل اپنا ہے خلد آرا تصور اپنا ہے عرش پیما
جنونِ پرواز تو ہے باقی نہ ہو اگر بال و پر نہیں ہے

جو سرِ پرواز جانتے ہیں جو زیست کا راز جانتے ہیں
چمن! چمن کیا انھیں قفس میں بھی شکوۂ بال و پر نہیں ہے

نہ اس کی قسمت میں کامیابی، نہ اس کی تقدیر کامرانی
نہ اس کا جادہ نہ اس کی منزل، جو اپنا خود راہبر نہیں ہے

کہاں کا الہام اور القا ہے شعر میرا ابھی سے رنگیں
وہ کونسا لفظ ہے کہ جس کی رگوں میں خونِ جگر نہیں ہے

حریف کیا کر سکیں گے ساغرؔ میں خود ہوں بربادیوں کا محشر
خود اپنی ہستی سے کانپتا ہوں مجھے حریفوں کا ڈر نہیں ہے

کس رات مرے آپ کے پیماں نہیں ہوتے
کب آنکھوں ہی آنکھوں میں چراغاں نہیں ہوتے

داماں نہیں جو نذرِ بہاراں نہیں ہوتے
جو چاک نہ ہو جائیں گریباں نہیں ہوتے

ہم وہ ہیں ترے آئینہ خانے میں بھی اے دوست
جلوؤں کو ترے دیکھ کے حیراں نہیں ہوتے

میرے نفسِ شوق سے آتا ہے تموّج
گیسو یہ ہواؤں سے پریشاں نہیں ہوتے

ہے شرطِ اسیری کے لیے مستی و رندی
ہُشیار کبھی داخلِ زنداں نہیں ہوتے

ساقی یہ تری بزم کا اعجاز ہے ورنہ
ہر بزم میں ہم مست و غزل خواں نہیں ہوتے

تھم جائیں جو آنسو انھیں آنسو نہیں کہتے
جو آ کے اُتر جائیں وہ طوفاں نہیں ہوتے

ہوتے ہیں جو مایوس تو ہوتے ہیں خدا سے
ہم شاکیِ بے مہریِ انساں نہیں ہوتے

کھلتا ہے یہ شیرازۂ شب گوں مرے دل پر
گیسو ترے شانوں پہ پریشاں نہیں ہوتے

وجدان کو احساسِ ترنم نہیں ہوتا
جب تک کہ وہ رگ رگ میں غزل خواں نہیں ہوتے

پھولوں کے شبستاں سے نکلتی نہیں خوشبو
جب تک وہ گُلستاں میں خراماں نہیں ہوتے

وہ عشق ہی کیا جس کی مہک عام نہیں ہے
وہ راز ہی کیا جو کبھی عُریاں نہیں ہوتے

دیوانگیِ عشق کا یہ فیض ہے ساغر
ذی ہوش کبھی صاحبِ دیواں نہیں ہوتے

وقت کے دستِ ذی قوت میں ہر غاصب کا گریباں ہے
جو بھی حقیقت پوشیدہ تھی آج ہر اِک پر عُریاں ہے

جن کی آنکھوں کی سُرخی میں چھلکا ہوا خونِ دہقاں ہے
اُن کا مقدّر خود ہی اُن سے باہم دست و گریباں ہے

مَیں ہی کوئی حیران نہیں ہوں، حیرانی بے پایاں ہے
وقت کے آئینہ خانے میں سارا عالَم حیراں ہے

ایک ہی خوشبو ہے جو چنبیلی اور گلاب میں پنہاں ہے
ایک ہی شمع ہے جو ازل سے دیر و حرم میں فروزاں ہے

مرحبا ذوقِ آبلہ پائی روشن سارا بیاباں ہے
گھور اندھیرے کے سینے میں ہر سُو جشنِ چراغاں ہے

اِس زِندانِ ازل کا دریچہ میرا چاک گریباں ہے
جس کی بال کنی سے ابد تک ایک دیارِ ویراں ہے

ایک چراغ سا روشن ہے جو یہ مُنعم کے ہاتھوں میں
مزدوروں کا پسینہ ہے، یہ جام میں خونِ دہقاں ہے

قیمت کیا ہے آزادی کی پُوچھو اُن دیوانوں سے
جن کی یاد میں آج بھی تازہ سُرخیِ خونِ شہیداں ہے

شب کا اندھیرا پگھل رہا ہے صبحِ نو ہونے والی ہے
سارا کاروبارِ دُزداں وقت کے ہاتھوں عُریاں ہے

ساری عمر ہماری کشتی طوفانوں سے کھیلی ہے
کیسا بھنور اور کیسا تلاطم کیا موجیں ہیں کیا طوفاں ہے

مجھ سے نَے ہے، مجھ سے نغمے، مجھ سے ترنّم، مجھ سے نوا
میرے لمسِ نغماتی سے جنسِ ترنّم ارزاں ہے

جینے کی حسرت ہے دائم اور انجام فنائے مُطلق
جینا کچھ آسان نہیں ہے، ہاں کہہ دینا آساں ہے

اُن کے تبسم نے اے ساغرؔ جوئے شگفت بہا ڈالی ہے
بوٹا بوٹا، پتّہ پتّہ، غنچہ غنچہ خنداں ہے

تمھاری بزم کے اسرار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے
رموزِ فطرتِ اغیار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے

نہ شیخ و برہمن سمجھے نہ کچھ اربابِ فن سمجھے
اشارہ ہائے چشمِ یار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے

نہ وقتِ سست رَو سمجھا نہ برقِ نرم ضو سمجھی
تمھاری شوخیِ رفتار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے

جو میخانے میں خالی ہیں وہ ساغر بھی چھلک اٹھیں
پیامِ نرگسِ سرشار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے

یکایک پائے ساقی پر گرے ہم جوشِ مستی میں
مآلِ جذبۂ پندار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے

یہ آویزش نئے رشتوں کا دامِ کامیابی ہے
فسادِ سبحہ و زُنّار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے

نہ انکار اس کا ہے صادق نہ اقرار اس کا ہے راسخ
نزاعِ کافر و دیندار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے

خرد پر اعتبار اس کو نہ دل پر اختیار اس کو
مزاجِ آدمِ بیمار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے

نہ کچھ رقصِ زمیں سمجھا نہ سمجھی گردشِ انجم
تمھاری شوخیِ رفتار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے

کوئی کہنہ روایت موت بن کر چھائی ہے دل پر
جنونِ لذتِ آزار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے

گلوں سے کھیلتے رہنا علاجِ جبرِ پیہم ہے
رموزِ قدرتِ جبار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے

نہ سمجھے پنڈت و مُلّا نہ سمجھے شاعر و صوفی
حکیمِ وقت کے افکار کچھ سمجھے تو ہم سمجھے

غنچے اداس، لالہ و ریحاں اُداس ہے
وہ رُوحِ گل نہیں تو گلستاں اُداس ہے

چہرے اُتر گئے ہیں گلابوں کے باغ میں
مالی جو اُٹھ گیا ہے گلستاں اُداس ہے

ہر چند روشنی ہے چراغوں میں کچھ مگر
اس کے بغیر بزمِ چراغاں اُداس ہے

گر عشق سوگ میں ہے تو ہے حسن ماتمی
چہرہ اُداس، زلفِ پریشاں اُداس ہے

زنجیر میں کھنک ہے نہ ہے دار پر شفق
مجنوں نہیں تو عرصۂ زنداں اُداس ہے

وہ شاہدِ تجلیٔ لیلیٰ نہیں رہا
مجنوں نہیں تو چشمِ غزالاں اُداس ہے

کس میں یہ ظرف ہے کہ پرستاریاں کرے
عاشق نہیں تو بزمِ حسیناں اُداس ہے

حسنِ خرامِ ناز کا شاہد نہیں رہا
ہر اِک روش پہ سروِ خراماں اداس ہے

داؤدِ وقت کو یہ نظر کس کی لگ گئی
لحنِ غزل اداس، غزل خواں اُداس ہے

عارف کی معرفت سے ہے عرفان پُر جمال
عارف نہیں تو محفلِ عرفاں اُداس ہے

چہروں پہ دوستوں کے نہیں گردِ بے بسی
وہ غم ہے آج روئے حریفاں اُداس ہے

وہ حادثہ ہوا ہے کہ ہے وقت اشک بار
فرطِ الم سے گردشِ دوراں اُداس ہے

وہ جانِ انجمن نہیں صدرِ انجمن
شمعیں اُداس، بزمِ چراغاں اُداس ہے

اب کس کے نقشِ پا کو عقیدت میں چوم لے
ذاکر نہیں تو منبر و ایواں اُداس ہے

دردِ فسردگی سے زمان و مکاں سیاہ
جیسے تمام عالمِ امکاں اُداس ہے

ہستی تمام آج اُداسی میں غرق ہے
ظاہر ہے غم سے چُور تو پنہاں اداس ہے

ساغر اُداس، جام اُداس اور سبو اُداس
ساقی نہیں تو محفلِ زنداں اُداس ہے

آنکھوں سے بھی ہم عرضِ تمنا نہیں کرتے
مبہم سا اشارہ بھی گوارا نہیں کرتے

ناموسِ خودی کو کبھی رُسوا نہیں کرتے
مرتے ہیں مگر شکوۂ دُنیا نہیں کرتے

پینے پہ جو آتے ہیں تو سوچا نہیں کرتے
اندازۂ کیف و کمِ صہبا نہیں کرتے

گرداب سے کشتی کو بچایا نہیں کرتے
بے حرمتیِ موجہ و دریا نہیں کرتے

حاصل ہے جنھیں دولتِ صد آبلہ پائی
وہ شکوۂ بے رنگیِ صحرا نہیں کرتے

اِک مرگِ مسلسل ہے مری جاں غمِ دُنیا
زندہ ہیں وہی جو غمِ دُنیا نہیں کرتے

صد شکر کہ دل میں ابھی اِک قطرۂ خوں ہے
ہم شکوۂ بے رنگیِ دُنیا نہیں کرتے

جو دل ہے تِری یاد کا اِک معبدِ رنگیں
اس دل کو ہم آلودۂ دُنیا نہیں کرتے

مقصودِ عبادت ہے فقط دید نہیں ہے
ہم پوجتے ہیں آپ کو دیکھا نہیں کرتے

کافی ہے تِرا نقشِ قدم چاہے جہاں ہو
ہم پیرویِ دیر و کلیسا نہیں کرتے

سجدہ بھی ہے منجملۂ اسبابِ نمائش
جو خود سے گذر جاتے ہیں سجدا نہیں کرتے

جوں ساغرِ لبریز چھلک جائے نہ محفل
اِس تشنگیِ شوق سے دیکھا نہیں کرتے

سو زندگیاں ہوں تو کریں تجھ پہ نچھاور
ہم عشق میں جینے کی تمنا نہیں کرتے

جن کو ہے تِری ذات سے یک گونہ تعلق
وہ تیرے تغافل کی بھی پروا نہیں کرتے

یہ لمحۂ حاضر تو ہے کونین کا حاصل
ہم حال کو نذرِ غمِ فردا نہیں کرتے

آدابِ خمستاں سے وہ محروم ہیں ساغرؔ
جو تلخیِ دوراں کو گوارا نہیں کرتے

○

دوستو! اور پلاؤ کہ کڑی رات کٹے   مے میں کچھ اور ملاؤ کہ کڑی رات کٹے
جام میں نور رہے، شبنم ہے شفق ہے نہ گداز   سرخ ہونٹوں سے پلاؤ کہ کڑی رات کٹے
آنسوؤں سے یہ کڑی رات نہیں کٹ سکتی   آج میخانہ لنڈھاؤ کہ کڑی رات کٹے
تشنگی اب مئے کہنہ سے کہیں مٹتی ہے   اس سے بھی تند پلاؤ کہ کڑی رات کٹے
میکدوں میں ہے اگر کال مے و مینا کا   ان کی آنکھوں کی پلاؤ کہ کڑی رات کٹے
نغمے بازار میں مہنگے ہیں تو کیا غم یارو   نوحے کو نغمہ بناؤ کہ کڑی رات کٹے
زیست اور موت اساطیر کہن ہیں یارو   نیا افسانہ سناؤ کہ کڑی رات کٹے
روشنی اور بھی دکھ درد بڑھا دیتی ہے   ان ستاروں کو بجھاؤ کہ کڑی رات کٹے
کوئی مشہود ہے اب اور نہ کوئی شاہد   اور اگر ہے تو دکھاؤ کہ کڑی رات کٹے
تمھیں آئین بغاوت ابھی معلوم نہیں   صبح کو لوٹ کے لاؤ کہ کڑی رات کٹے
اپنے پیکر سے میں گھبرا کے نکل آؤں گا   مجھے خود مجھ میں چھپاؤ کہ کڑی رات کٹے
یہ بھی ایمان ہی کا دوسرا رخ ہے لوگو!   کفر کو دین بناؤ کہ کڑی رات کٹے
یوں اندھیروں کی چٹانوں میں نہ آوارہ پھرو   میرے اندر چلی آؤ کہ کڑی رات کٹے
وقت کے دوش پہ یہ رات بہت بھاری ہے   ان کے آنچل کو سنگھاؤ کہ کڑی رات کٹے
سنگ دل بے وفا یہ ساکت و جامد چہرے   ان چٹانوں کو ہٹاؤ کہ کڑی رات کٹے
زندگی ہم نے بتائی ہے بڑی جوکھم میں   جشن پہ جشن مناؤ کہ کڑی رات کٹے
سارے عالم میں کڑی شب کے ہیں سائے طاری   سارے عالم کو جگاؤ کہ کڑی رات کٹے

یہ اندھیرا، یہ سمندر، یہ تلاطم آؤ
آؤ اور مجھ میں سماؤ کہ کڑی رات کٹے

◉

ہجومِ حسن میں قلب و جگر کی آزمائش ہے
نہیں جلوہ مرے ذوقِ نظر کی آزمائش ہے

نیا آئینہ خانہ ہے نئے جلوے، نئی حیرت
اور اس طوفان میں ذوقِ نظر کی آزمائش ہے

زمیں سے آسماں تک آتشِ گل سے چراغاں ہے
چمن میں شعلہ و برق و شرر کی آزمائش ہے

سنا ہے اک نئی تاریخ مستوں نے بنا ڈالی
خبر آئی ہے پھر اہلِ خبر کی آزمائش ہے

جنوں کی تاب آساں ہے نہ ہے سر پھوڑنا آساں
کبھی سر کی کبھی دیوار و در کی آزمائش ہے

لہو کا رنگ دیتا ہے کہ موتی کی سی بے رنگی
مرا آنسو نہیں، خونِ جگر کی آزمائش ہے

لہو روتی ہے یا بے رنگ آنسو بھی بہاتی ہے
مرا گریہ نہیں، یہ چشمِ تر کی آزمائش ہے

بچے رہتے ہیں یا طوفاں سے ہم آغوش ہوتے ہیں
کہ یہ طوفاں نہیں دیوار و در کی آزمائش ہے

اجابت امتحاں ہے تیرے ظرفِ دستگیری کا
دعا کیا ہے فقط بابِ اثر کی آزمائش ہے

وہاں بہلا کے لے آیا ہے اب ذوقِ نظر ہم کو
جہاں ہر گام پہ ذوقِ نظر کی آزمائش ہے

نہیں مرنے کا غم جس کو اگر غم ہے تو یہ غم ہے
کہ میری موت میرے نوحہ گر کی آزمائش ہے

فقط حق ہی نہیں معیار باطل کے پرکھنے کا
کہ ہر باطل بھی چشمِ حق نگر کی آزمائش ہے

اسی منزل میں گمراہی کے اندیشے مچلتے ہیں
عروجِ رہ نما کی، راہبر کی آزمائش ہے

قفس اک تنگ حلقہ اور چمن اک بیکراں عالم
عزمِ پرواز جذبِ بال و پر کی آزمائش ہے

تخیل کی ہے سرشاری کہ تلخی ہے حقائق کی
بہر عالم مرے فکر و نظر کی آزمائش ہے

مرے ذوقِ تجسس کا تلاطم رک نہیں سکتا
خلا و ماہ و انجم، بحر و بر کی آزمائش ہے

مرے ذوقِ رسا نے فکر کے سانچے بدل ڈالے
جہانِ خیر و شر میں خیر و شر کی آزمائش ہے

کہاں کے رہزن و رہبر یہ کب تک ساتھ دیتی ہے
سفر میرا مسلسل رہ گزر کی آزمائش ہے

نگاہِ لطف بیگانوں پہ پڑتی ہے کہ اپنوں پر
بھری محفل میں اب تیری نظر کی آزمائش ہے

نسیمِ صبح بھی، صرصر بھی، شعلے بھی ہیں شبنم بھی
بہارِ نو ترے گلہائے تر کی آزمائش ہے

یہ زیبِ تاج ہوتے ہیں کہ نذرِ خاک ہوتے ہیں
بھرے بازار میں لعل و گہر کی آزمائش ہے

وہی پھولوں کا دیوانہ وہی شوریدہ سر ساغر
چمن میں پھر اسی شوریدہ سر کی آزمائش ہے

زہرِ غم ہر نفسِ سرد میں پینا ہے مجھے
حذر اے موت ابھی اور بھی جینا ہے مجھے

تیرا اندازِ خرام ایک خزینہ ہے مجھے
تیرا جو نقشِ قدم ہے وہ دفینہ ہے مجھے

وہ تری آنکھ سے ٹپکے کہ مری آنکھوں سے
جو بھی آنسو ہے وہ ہیرے کا نگینا ہے مجھے

تیری آواز میں موّاج ہے دریائے شراب
تیرے لہجے کی کھنک قلقلِ مینا ہے مجھے

شیمپین کہتے ہیں جس کو مرے میخانے کے دوست
وہ ترے چمپئی سینے کا پسینا ہے مجھے

زہر ہو اس میں مے تند ہو یا خونِ جگر
مسکراتے ہوئے اس جام کو پینا ہے مجھے

کیا یہ ماحول ہے جس کی کوئی منطق ہی نہیں
جانے کب تک اسی ماحول میں جینا ہے مجھے

پار کرنے کی تمنا پہ نہ کر طنز ندیم
کہ یہ طوفانِ تمنا ہی سفینا ہے مجھے

جو بھی گرداب ہے بھولوں سے بھی کشتی ہے
جو بھی تنکا ہے سمندر میں سفینا ہے مجھے

بات اتنی ہے کہ وہ نافہم ہے ساغر
ورنہ ناصح سے عداوت ہے نہ کینا ہے مجھے

○

اپنا ہی لہو پیتا ہوں جب پیاس لگے ہے
اب خونِ جگر ہی مجھے کچھ راس لگے ہے

ہر بات میں کھنچتی ہوئی اشواس لگے ہے
پھولوں کی کلائی بھی مجھے پاس لگے ہے

وہ تال بہاروں سے کھِلنی جو کبھی تھا
کنولوں کی جگہ آج وہاں گھاس لگے ہے

دُنیا تو اِک ہنگامہ ہے جلوہ ہے تماشا
پھر کیوں یہ ہر اِک گام پہ پَون واس لگے ہے

کہنے کو ذرا سی ہے مرے مَن کی کہانی
کہتا ہوں جو اُن سے تو اُپنیاس لگے ہے

وہ چشمۂ صحرا ہے کہ کشمیر کا جھرنا
جب دیکھتا ہوں اس کی طرف پیاس لگے ہے

وہ دُور جو رہتا ہے تو رہتا ہے ہر اِک دُور
وہ پاس جو ہوتا ہے تو سب پاس لگے ہے

جب سایا بھی کھو جاتا ہے سیماؤں میں اسکا
وہ اور بھی کچھ اور بھی کچھ پاس لگے ہے

دُنیائیں ہیں اِک دوسرے کے بیچ میں حائل
یوں دیکھنے کو جو بھی ہے وہ پاس لگے ہے

اک پھانس بھی لگتی ہے تو جیسے کوئی خنجر
اب عشق میں یہ کیوں مجھے احساس لگے ہے

ہم لے کے پہنچ جاتے ہیں ہاتھوں میں میرے
جس دن کسی میلے میں کوئی راس لگے ہے

ہر گھر ہے اِک حمام ہر اِک شخص ہے ننگا
ننگوں سے بھلا کس کو کوئی آس لگے ہے

پالاگُن و پرنام کا یہ ڈھنگ نہیں پیارے
آہن کی یہ مُٹھی ہی مجھے راس لگے ہے

جس نے ترے دیدار کی دولت نہیں پائی
افلاس اُسی شخص کو افلاس لگے ہے

دُنیا سے محبت کا بھرم اُٹھ گیا شاید
وِشواس بھی اب من کو اوِشواس لگے ہے

جو کانپتے ہیں ہر نئی بو باس سے ساغرؔ
مشکل سے انھیں تو نئی بو باس لگے ہے

◉

۱؎ وِشواس ۲؎ وِشواس کی ضد۔ یہ لفظ بِشواس بھی ہے وِشواس بھی ہے وِسواس بھی ہے۔

کم آرزوئے لالہ رُخاں ہونے نہ پائے
ویران حریمِ دل و جاں ہونے نہ پائے

گر خلوتیِ گُل بدناں ہونے نہ پائے
ہستی پہ حقیقت کا گماں ہونے نہ پائے

ساغر میں نہیں دل میں ہے میخانۂ مستی
خالی یہ مرارطلِ گراں ہونے نہ پائے

مُرتد ہوں شبِ ماہ سے پھول اور ستارے
گر بیعتِ صد ماہ وشاں ہونے نہ پائے

بن جائے یہ فردوس جہاں بابِ جہنّم
گر ہمدمیِ گل بدناں ہونے نہ پائے

اِک پیاس سی چھا جائے زماں اور مکاں پر
گر رحمتِ پیرِ مغاں ہونے نہ پائے

گر ہو نہ تری چشمِ غزالیں کا سہارا
یہ جائزۂ کون و مکاں ہونے نہ پائے

پھر اِک ابدیّت ہو خزاں کی یہی گلشن
گر خلوتِ صد لالہ رُخاں ہونے نہ پائے

بوسہ جو نہ دیں تیرے قدم کو یہ شب و روز
ذرّوں پہ ستاروں کا گماں ہونے نہ پائے

یُوں لغزشِ مستانہ گرا اس کے قدم پر
ساقی کو بھی سجدے کا گماں ہونے نہ پائے

معصوم تمنّا سے مِرے خواب ہیں زندہ
اے کاش تمنّا یہ جواں ہونے نہ پائے

اے بادِ صبا خاکِ نشیمن میں چھپائے
جو پھول بھی نکلے نگراں ہونے نہ پائے

ہُشیار مِرے ظرفِ محبّت کی نزاکت
احساسِ وفا بارِ گراں ہونے نہ پائے

یہ جبر ہے اے عشق کہ آدابِ محبّت
اِک حرفِ تمنّا بھی بیاں ہونے نہ پائے

بدنام نہ ہو جائے کہیں ظرفِ محبّت
لے سازِ محبّت کی فغاں ہونے نہ پائے

وہ رقص کے عالَم میں جو پھولوں کو نہ چھولیں
پھولوں پہ چراغوں کا گماں ہونے نہ پائے

جو لفظ ہے افسانہ و افسوں کا خُلاصہ
افسوس وہی لفظ بیاں ہونے نہ پائے

یہ تلخیِ غم کس کو عطا ہوتی ہے ساغر
یہ تلخیِ غم بارِ گراں ہونے نہ پائے

○

ہفت افلاک زمیں بن جائیں　　　دیکھ لیں گر دھرتی کے ستارے
کتنے حسیں ہیں شاہدِ فرقت　　　صبح کو شبنم رات کو تارے
کہنے کو اپنا بھی خدا ہے　　　جیتے ہیں بندوں کے سہارے
میرے آنسو ان کا دامن　　　خوب گگن ہے خوب ستارے
حُسن و عشق میں فرق ہی کیا ہے　　　دونوں ہیں اِک پیاس کے مارے
محفل میں سب دیکھ رہے ہیں　　　میرے کنائے تیرے اشارے
عشق تو ہے خود اپنا بھروسہ　　　حُسن بھلا کیا دے گا سہارے
صدیاں بیتیں جگ بسرائے　　　کب تک اُمیدوں کے سہارے
عشق میں کِس کی جیت ہوئی ہے　　　ہم بھی ہارے تم بھی ہارے
شور ہے اور اِک شور مسلسل　　　کِس کو پکارے کون پکارے

کیفِ خودی ساقی ہے ساغر
ساقی کو اب کون پکارے

◉

ساغر اُن کا مسکرانا یاد ہے — مُسکرا کر جھینپ جانا یاد ہے
آپ کا دامن اُٹھانا یاد ہے — دِل کا اُٹھ کر بیٹھ جانا یاد ہے
کانپنا اور تھرتھرانا یاد ہے — سر سے پا تک ڈوب جانا یاد ہے
مستقل وہ مُسکرانا یاد ہے — رُوح کو وحشی بنانا یاد ہے
برق بننا اور بنانا یاد ہے — کُل اداؤں کا فسانا یاد ہے
بے ترے آنسو بہانا یاد ہے — دل ہی دل میں ڈوب جانا یاد ہے
اس مجسم برقِ حُسن و ناز کا — سر سے پا تک مُسکرانا یاد ہے
بیٹھے بیٹھے اِک ادائے مست سے — ان کا اکثر جھوم جانا یاد ہے
اِک ادائے سادہ و پر بادہ سے — پاس آکر بیٹھ جانا یاد ہے
عشق کی لَے میں باندازِ خیال — حُسن کا کچھ گنگنانا یاد ہے
اور پھر رسوائیِ نغمات سے — جھینپ جانا سر جھکانا یاد ہے
محو ہیں "پوجا" میں ہم یہ دیکھ کر — قشقے کو اُس کا مٹانا یاد ہے
اب کہاں وہ عشرتِ افتادگی — پاؤں پر خود کو گرانا یاد ہے
اب کہاں وہ میکدہ وہ مے کشی — ان کا پینا اور پلانا یاد ہے
اب فراموشی کا وہ عالم کہاں — ماسوا کو بھول جانا یاد ہے
اب کہاں وہ جام اور وہ جم کہاں — پی کے دُنیا کو پلانا یاد ہے
کائنات و ماورائے کائنات — ایک پَل میں آنا جانا یاد ہے
کیا کہیں کب تک کہیں کیونکر کہیں — عشق کا سارا فسانا یاد ہے

اے خمارِ زندگی یہ بھی بھلا
کیوں ہمیں اپنا زمانہ یاد ہے

○

جو نہیں بہار کا راز داں اسے کیا وقوفِ بہار ہے
جسے کہہ رہے ہیں شمیم سب یہ چمن کا گرد و غبار ہے

یہ بجا کہ دورِ بہار ہے یہ بجا کہ فصلِ بہار ہے
جو بکھر کے دوش پہ آ پڑے تو یہ ابرِ گیسوئے یار ہے

یہ خرام ان کا چمن چمن، یہ تبسم ان کا سمن سمن
یہ سکوت ان کا روش روش کہ بہار محوِ بہار ہے

وہ چمن میں آئی ہیں جھومتی، اسے توڑتی اسے چومتی
جسے پھول کہتے ہیں فصلِ گل اسی کارواں کا غبار ہے

مجھے یاد ہیں وہ خرابیاں وہ نظر نظر میں گلابیاں
وہ کسی کی زمزمہ خوابیاں مجھے اس گھڑی بھی خمار ہے

وہ ملاحتیں وہ صباحتیں وہ لطافتیں وہ نزاکتیں
وہ نظر میں جب سے سمائی ہیں مجھے آنکھ اُٹھانا بھی بار ہے

وہ جدھر مچل کے گزر گئی ہیں فضائیں غرقِ بہار ہیں
وہ جہاں جھجک کے ٹھہر گئی ہیں وہیں ہجومِ بہار ہے

تو ہے جانِ گل، تو جہانِ گل، تو مکینِ گل، تو مکانِ گل
ترے دم قدم سے ہے گلستاں ترے دم قدم سے بہار ہے

یہ بلند قامتِ فتنہ گر، یہ لٹیں جبیں پہ اِدھر اُدھر
کہ حسین سرو کی اوٹ سے یہ طلوعِ ماہِ بہار ہے

یہ فلک پہ برقِ شرر فشاں سرِ ارض اس کی یہ شوخیاں
کبھی نقلِ قامتِ یار ہے کبھی اصلِ قامتِ یار ہے

مری بے قراریِ عشق ہی کو شکیب کہتے ہیں دیدہ ور
مری بے سکونیِ شوق ہی کا لطیف نام قرار ہے

مری شاعری مری زندگی، مری زندگی مری شاعری
دل و جاں تو کیا ترے لطف پر مری شاعری بھی نثار ہے

◉

○

غرقابیِ تقدیر رہے جب پھر دل کو ہراساں کون کرے
کشتی کشتی کون پکارے، طوفاں طوفاں کون کرے

وحشت میں اِک وقفے کے اسرار نمایاں کون کرے
داماں ٹکڑے ٹکڑے کرکے داماں داماں کون کرے

مشکل مشکل سب کہتے ہیں جیسے ان کی مُشکل ہو
دیکھیں ان تن آسانوں میں مشکل آساں کون کرے

نازک دل ہیں نازک فطرت سہہ نہ سکیں گے نالوں کو
بس بھی کرلے جذبۂ ہیجاں ان کو پریشاں کون کرے

چارگرہ کپڑے کی خاطر، سِتر وحشت کیوں کھولیں
چاک ہُوا سو چاک ہُوا، اب ذکرِ گریباں کون کرے

پہلے زباں کہتی ہے اُن سے دل کی بپتا یا نظریں
دیکھیں ان کی محفل میں یہ کارِ نمایاں کون کرے

جان سی پڑ جائے گی ابھی ان مُردہ مُردہ پھولوں میں
صبح سویرے نکہتِ گُل پر ان کو خراماں کون کرے

آس نہ تھی تو یاس ہی سے کچھ رونق تھی کاشانے کی
راکھ ہوئی یہ چنگاری بھی دل کو فروزاں کون کرے

عصیاں میری فطرت ہے اور عصیاں ہی میراث مری
ذوقِ گنہ پر نادم ہوکر خود کو پشیماں کون کرے

رازِ باطل فاش کیا خاصانِ حق نے خوب کیا
حق بھی اب تک مبہم ہے اس راز کو عریاں کون کرے

لے گیا کوئی چھین کے وہ شے جس سے تن من گاتے تھے
تو ہی بتا اے تلخیِ غم ساغرؔ کو غزل خواں کون کرے

◉

کشتی کو بھنور میں گھِرنے دے، موجوں کے تھپیڑے سہنے دے
زندوں میں اگر جینا ہے تجھے طوفان کی ہلچل رہنے دے

دھارے کے موافق بہنا کیا توہینِ دست و بازو ہے
پروردۂ طوفاں کشتی کو دھارے کے مخالف بہنے دے

مچھلی کی طرح تڑپائے گا احساس تجھے پایابی کا
جینا ہے تو اپنے دریا میں امکانِ تلاطم رہنے دے

خاموش گذر ہر طوفاں سے، ہر منزل سے ہر ساحل سے
دیوانہ سمجھ کر دُنیا کو جو جی میں آئے کہنے دے

یہ ذوقِ تخاطب لاحاصل، یہ شوقِ تکلّم لایعنی
کہنے کو تو لاکھ افسانے ہیں کچھ ان کی نظر بھی کہنے دے

کچھ اور حسیں ہو جاتے ہیں اِس رُوپ میں وہ اے ذوقِ نظر
اُس پیازی پیازی مکھڑے پر اشکوں کے ستارے بہنے دے

اے جوشِ تمنّا ڈال بھی دے اِمروز کی گردن میں بانہیں
جو محوِ غمِ فردا ہیں اُنھیں محوِ غمِ فردا رہنے دے

وہ دیکھ اُفق کے ساقی نے خورشید کا ساغر چھلکایا
یہ رات کے ساغر ٹکڑے کر یہ بادۂ دوشیں بہنے دے

پھر رہِ عشق وہی زادِ سفر مانگے ہے
وقت پھر قلبِ تپاں دیدۂ تر مانگے ہے

سجدے مقبول نہیں بارگہِ ناز میں اب
آستاں حسن کا سجدے نہیں سر مانگے ہے

صرف آنسو نہیں اب حسن کی محفل میں قبول
حسن نذرانۂ طوفانِ شرر مانگے ہے

ہاتھ کو ہات سجھائی نہیں دیتا ہے یہاں
اور شبِ تار اندھیرے سے سحر مانگے ہے

اب اندھیرا شبِ فرقت کو بھی منظور نہیں
شبِ فرقت بھی اندھیرے سے سحر مانگے ہے

اب کہیں تیرا ٹھکانہ نہیں اے ننگِ جنوں
خانہ ویرانی مری دشت میں گھر مانگے ہے

کس نے پہنچا دیا اِس ہوش رُبا وادی میں
کہ جہاں وحشتِ دل زادِ سفر مانگے ہے

کوئی بیزاری سی بیزاری ہے اے بابِ قبول
جو دعا ہے وہ نیا بابِ اثر مانگے ہے

کب تک آخر انھی فرسودہ ستاروں کی ضیا
میری دھرتی نئے خورشید و قمر مانگے ہے

میری دُنیا کے تقاضوں ہی پہ موقوف نہیں
دین بھی ایک نیا فکر و نظر مانگے ہے

عشق کو زاویۂ دید بدلنا ہوگا
جلوۂ حسن نیا ذوقِ نظر مانگے ہے

قرض تو قرض ہے اور قرض چکانا ہوگا
ہر شبِ تار اندھیرے سے سحر مانگے ہے

سب کی آنکھوں سے بچا کر جو کبھی لوٹے تھے
وقت ہر چور سے وہ لعل و گہر مانگے ہے

دین و دُنیا ہو کہ ہو عشق و ہوس اے ساغر
ہر کوئی خونِ جگر، خونِ جگر مانگے ہے

کب آدمی کو ملے عافیت خدا جانے
ہمیں تو مار ہی ڈالا امیدِ فردا نے

تہی تہی ہیں گلستاں اُجاڑ ویرانے
نکل گئے یہ کہی اور سمت دیوانے

گذر چکا ہیں حدوں سے کھڑے ہیں فرزانے
کب آئے ہیں مری دیوانگی کو سمجھانے

کہاں ڈھلے یہ غمِ آدمی خدا جانے
کہ ایک جانِ حزیں اور ہزار پیمانے

عجیب چیز ہیں دیر و حرم کے پروانے
اُلجھ گئے تری پرچھائیوں میں دیوانے

سبو و جام تو کیا ڈوب جائیں میخانے
چھلک پڑیں جو مری تشنگی کے پیمانے

اب اپنے حال سے غفلت گناہ ہے ساقی
بہت فریب دیے ہیں امیدِ فردا نے

شکستِ دل کو شکستِ حیات کیوں سمجھیں
ہے میکدہ جو سلامت ہزار پیمانے

کبھی نگاہِ کرم بھی نہ کہہ سکی ان کو
تری نگاہِ خفی کہہ گئی جو افسانے

نگاہِ شوق کی یہ ہمت و مجال کہاں
نقاب اُٹھایا ہے تیرے حجابِ بیجا نے

فلک پہ کوکب و انجم زمیں پہ لالہ و گُل
ہیں تیرے ہاتھ سے چھلکے ہوئے یہ پیمانے

مری وفا بھی ہوس کا لطیف جوہر ہے
یہ رمزِ حسنِ محبت نواز کیا جانے

جلے نہیں ہیں یہ سوزِ وفا سے ہیں بیخود
فروغِ شمع نہ ہو جل اُٹھیں جو پروانے

انھیں کی خاک سے اُبھرے گا ایک کعبۂ نو
دبے ہوئے ہیں تری رُوح میں جو بتخانے

یہ میرا کام ہے میں زندگی کو پہچانوں
حیات ہوش میں کب ہے کہ مجھ کو پہچانے

نجوم مائلِ الطاف ہیں زمیں کی طرف
کب اِک ستارۂ نو ہنس پڑے خدا جانے

وہ حسن و عشق کے وجدان سے فروں تر ہیں
سبق جو ہم کو دیے ہیں نگارِ دُنیا نے

مری خموش نوائی کا سحر تو دیکھو
تڑپ رہے ہیں وفورِ بیاں سے افسانے

حیات ابھی ہے فقط اِک حیات کا پَرتو
ابھی حیات کو سمجھا ہی کیا ہے دُنیا نے

مِرا وجود ہے اِک داستاں سراسر
نفس نفس میں ہیں غلطاں ہزار افسانے

اُن سے پھر کچھ معاہدات ہوئے
پھر وہ مائل بہ التفات ہوئے

حاصلِ رمزِ کائنات ہوئے
جو نظر سے مکالمات ہوئے

چشمِ نم پہ جھکی جھکی نظریں
از سرِ نو معاملات ہوئے

دل کے جذبے سمٹ کے راز بنے
اور جو بکھرے تو کائنات ہوئے

تیرے رُخ کی ضیا سے صبح ہوئی
تیرے گیسو بکھر کے رات ہوئے

چند پرتو ترے تبسم کے
ماہ و خورشیدِ کائنات ہوئے

چند لمحے جو اُن کے ساتھ کٹے
وہ بھی نذرِ غمِ حیات ہوئے

دل کی بربادیوں کا رونا کیا
ایسے کتنے ہی حادثات ہوئے

پھر کہیں اہتمامِ طور کرو
ہوگئی عمر اُن سے بات ہوئے

ابھی تھے اور ابھی نہیں کچھ بھی
یہ بھی کوئی تعلقات ہوئے

چند پرتو بکھر کے حسن بنے
چند جلوے سمٹ کے ذات ہوئے

شب کو ہم بھی تھے ان کی محفل میں
کیا کہیں کیا تکلفات ہوئے

دورِ ساغر کو انقلاب نہیں
ورنہ کتنے تغیرات ہوئے

مکاں سے لامکاں اور ماورائے لامکاں تک ہے
نہ پوچھو میری جستِ شوق کی وسعت کہاں تک ہے

فضا پر موت چھا جائے جو ہم خاموش ہو جائیں
یہ ساری گرمیٔ محفل ہماری داستاں تک ہے

چمن کی سمت کروٹ بھی نہ لیں گی بجلیاں برسوں
یہ پیہم اضطرابِ برق میرے آشیاں تک ہے

تخیل ہی تخیل میں چمن کی سیر کرتا ہوں
قفس کا سلسلہ صیاد خاکِ آشیاں تک ہے

شگفتِ لالہ و گل سے طلوعِ ماہ و انجم تک
ہے اک حشرِ تبسم حسن کا پرتو جہاں تک ہے

سحر ہوتے ہی گل ہوں گے نہ رنگِ گل نہ گل خانہ
یہ ساری چاندنی گلشن میں برق و آشیاں تک ہے

دلِ گرم و جواں تک ہے فریبِ حسن کا قابو
نگاہِ شوق کا جادو ترے حسنِ جواں تک ہے

دلِ گرم و جواں بلبل، دلِ گرم و جواں نغمہ
یہ رنگ و بو کا ہنگامہ دلِ گرم و جواں تک ہے

یہ دیوانہ نہ ہو تو آج لٹ جائے سہاگ ان کا
امید و یاس پر جوبن دلِ گرم و جواں تک ہے

رخِ ہستی پہ تابانی سی تابانی میں مستی سی
دو عالم پر جوانی سی دلِ گرم و جواں تک ہے

فضائے سینۂ آدم ہی جولانگہ نہیں اس کی
دلِ گرم و جواں کی جست قلبِ قدسیاں تک ہے

رہِ دستِ جنوں ہے لیلیٰ مغرب کے دامن پر
نگاہِ شوق تیری محملِ ہندوستاں تک ہے

جو موسیٰ ہے تو بڑھ کر توڑ جادوئے فرنگی کو
کہ دامِ برہمن تو سرحدِ ہندوستاں تک ہے

نہ منزل کا تعین ہے نہ مقصد کا تعین ہے
حیاتِ کارواں آوازِ میرِ کارواں تک ہے

انھیں بنتے ہوئے پتوں سے گلشن پھوٹ نکلیں گے
بہاروں کا یہ ماتم صرف انجامِ خزاں تک ہے

دلِ گرم و جواں ساغر، دلِ گرم و جواں مینا
جنونِ میکشی ساغر دلِ گرم و جواں تک ہے

بادِ صبا ارادۂ سرو سمن کچھ اور ہے
اب کی بھری بہار میں رنگِ چمن کچھ اور ہے

نغمۂ عندلیب سے آگ سی ہے لگی ہوئی
برقِ بہار پر نہ جا، سوزِ چمن کچھ اور ہے

برقِ بہار عارضی، سوزِ چمن ہے دائمی
شمعِ بہار بجھ نہ مٹ، سوزِ چمن کچھ اور ہے

تیرے چمن میں صرف تو، میرا چمن جہانِ تو
تیرا چمن عدن سہی، میرا چمن کچھ اور ہے

کوثر و سلسبیل کے گیت بہت مدھر سہی
شام و سحر یہ نغمۂ گنگ و جمن کچھ اور ہے

تاج و نگیں کی آبرو، سرمۂ چشمِ آرزو
درِ عدن گہر سہی، خاکِ وطن کچھ اور ہے

تیرے خیال میں فقط، مہر و قمر سے ہے بلند
میری نظر میں عظمتِ خاکِ وطن کچھ اور ہے

اتری ہوئی ردائے مہر، غازۂ روئے ماہ و مہر
نورِ قمر کچھ اور ہے، خاکِ وطن کچھ اور ہے

تجھ پہ نہیں فرض برہمن! شام و سحر پرستشیں
میری نظر میں مصرفِ گنگ و جمن کچھ اور ہے

یہ ہے دیارِ حریت، وہ ہے مزارِ حریت
میرا وطن کچھ اور ہے، تیرا وطن کچھ اور ہے

راس سے کاشمیر تک تیری نظر کی دسترس
میرے خیال میں مگر حدِ وطن کچھ اور ہے

تیرے خیال میں فقط ضبط و جنوں کی داستاں
میری نظر میں قصۂ دار و رسن کچھ اور ہے

لب پہ ترے وطن وطن، من ہے غلامِ اہرمن
یہ نہیں جذبۂ وطن، عشقِ وطن کچھ اور ہے

تو ہے غلامِ کفر و دیں، دشمنِ دولتِ یقیں
دین ہے جن کا عاشقی ان کا چلن کچھ اور ہے

راس نہ آئیں گی تجھے مفت کی باغبانیاں
آنکھ اٹھا اشارۂ رنگِ چمن کچھ اور ہے

قیمتِ حریت فقط شرط و معاملت نہیں
تجھ سے ابھی تقاضۂ خاکِ وطن کچھ اور ہے

ان کے شہید کے لیے شرط کفن تو کچھ نہیں
ان کے شہید کا مگر رنگِ کفن کچھ اور ہے

"شاعرِ انقلاب" کا جوشِ سخن بجا مگر
ساغرِ نغمہ ریز کا کیفِ سخن کچھ اور ہے

○

یہ وفا کا صلہ دیا تم نے — دِل سے بالکل بھُلا دیا تم نے
مسکرا کر مِرے خیالوں میں — اور دل کو جلا دیا تم نے
جو تصوّر نے کچھ اُٹھایا تھا — وہ بھی پردہ گرا دیا تم نے
گنگنائے نہ ساز کو چھیڑا — اور نغمہ سُنا دیا تم نے
پھر ہو فرمائشِ غزل خوانی — مجھ کو شاعر بنا دیا تم نے
دِل میں رہنے کی آرزو تھی ہمیں — آنکھ سے کیوں گرا دیا تم نے
کیوں مِرے حال پہ ہے اب حیرت — آئینہ کیوں بنا دیا تم نے
کیوں ہے اب شکوۂ نظر بازی — دیکھنا کیوں سِکھا دیا تم نے
ہم تو گم کردہ راہ تھے لیکن — راستے پر لگا دیا تم نے
عشق جس کو چھُپائے پھرتا تھا — راز وہ بھی بتا دیا تم نے
سوچتا ہوں سمجھ نہیں سکتا — کہ مجھے کیا بنا دیا تم نے

اپنی محفل سے اپنے ساغر کو
کیا سمجھ کر اُٹھا دیا تم نے

◉

○

سکوتِ اسرار سے اُداسی حریمِ ناز و نیاز میں ہے
مری تمنّا بھی سِترِ مخفی، ترِی محبت بھی راز میں ہے

پیامِ معراجِ بے خودی ہے، نظامِ تکمیلِ زندگی ہے
چھُپا ہُوا اِک لطیف ایما جو نرگسِ نیم باز میں ہے

مری فسُردہ نوائیوں پر گمانِ بے چارگی نہ فرما
قیامتِ زندگی ہے مُطربِ وہ روحِ نغمہ جو ساز میں ہے

چلا چل اے دل چلا چل اے دل جہان بھر سے نظر بچا کر
سپُردگی میں کہاں وہ لذّت جو تشنگیِ احتراز میں ہے

حیات چولا بدل رہی ہے عروسِ فطرت سنور رہی ہے
حقیقتوں میں مجازِ تازہ، نئی حقیقت مجاز میں ہے

نہ آستاں ہو نہ رسمِ سجدہ جھکے جہاں میں نہ سر کسی کا
نیا جنوں سرکشی کا پیدا مری جبینِ نیاز میں ہے

اسی تقاضے سے آئینے میں ہزار جوہر تڑپ رہے ہیں
شکستگی کا جو اِک تقاضہ نگاہِ آئینہ ساز میں ہے

شبوں کی سیرابیاں بھی ثابت، سحر کی محرومیاں بھی ظاہر
حیاتِ ساغر متاعِ ساغر نہ راز میں تھی نہ راز میں ہے

◉

کہیں نفاق و جنگ میں نجاتِ کائنات ہے — اگر کہیں نجات ہے تو عشق میں نجات ہے

سوادِ شہرِ عشق میں نہیں ہے موت کا گذر — حیات ہی حیات ہے حیات ہی حیات ہے

سزا جزا کی قید سے بَری ہے پیار کی نظر — نجات ہی نجات ہے نجات ہی نجات ہے

تمام کائنات میں لٹا دے پیار کی نظر — کہ پیار کی نگاہ میں نجاتِ کائنات ہے

ہم اِک زمین پر اُگے ہم اِک زمین پر کِھلے — زمیں ہی میری ذات ہے زمیں ہی تیری ذات ہے

نہ جانے کتنوں کی ہے خاک اس زمین کی گود میں — جو ذرہ ہے تمدّنوں کی ایک کائنات ہے

غرور میں قدم اُٹھا، مگر ذرا یہ سوچ کر — تہہِ زمیں بسی ہوئی اِک اور کائنات ہے

خوشی خوشی سے ساتھ ساتھ زندگی گذار دے — نہ یاں مجھے ثبات ہے نہ یاں تجھے ثبات ہے

جگاؤ رہنماؤں کو، اُٹھاؤ رہنماؤں کو — بڑی گھنیری صبح ہے بڑی اندھیری رات ہے

تغیّرات کا جلوس آ چکا ہے شہر میں
خبر کرو انھیں، جنھیں غمِ تغیّرات ہے

دادِ صد انتظار دی ہم نے — رات لمبی گذار دی ہم نے
نہ گئیں بے قراریاں نہ گئیں — دل کو تسکیں ہزار دی ہم نے
بارہا ان کو بھی شبِ فرقت — زحمتِ انتظار دی ہم نے
انھیں آنا تھا اور نہ آئے وہ — رات یہ بھی گذار دی ہم نے
نفسِ واپسیں بھی ڈوب گیا — یہ صدی بھی گذار دی ہم نے
قیس و فرہاد کو بھی حسرت ہے — زندگی کیا گذار دی ہم نے
حسن کے بس کی بات کب تھی یہ — زلفِ گیتی سنوار دی ہم نے
جسے کہتے ہیں کائناتِ سرور — ان کی آنکھوں پہ وار دی ہم نے
زندگی کی سیہ پہاڑ سی رات — مہ رخوں میں گذار دی ہم نے
اپنے مٹنے کا غم نہیں لیکن — تیری دنیا سنوار دی ہم نے
داستانِ جنونِ شوق نہ پوچھ — اس چمن کو بہار دی ہم نے
اپنے خونِ جگر کے چھینٹوں سے — پتی پتی نکھار دی ہم نے
رہگزاروں کو اپنے چھالوں سے — زینتِ لالہ زار دی ہم نے
یاں کسے ذوقِ چاک دامانی — دادِ فصلِ بہار دی ہم نے
موسمِ گل میں ہم صفیروں کو — دعوتِ خار زار دی ہم نے
کاروانوں سے کٹ کے رہبر کو — اِک نئی رہ گزار دی ہم نے
ہم سے پہلے کہاں تھا یہ عالم — تیری دنیا سنوار دی ہم نے
خونِ ناحق بھی کام آ ہی گیا — خاکِ مقتل نکھار دی ہم نے
اپنے ہی گھر میں اجنبی ہو کر — شامِ غربت گذار دی ہم نے
آج تک عاشقی روایت تھی — اب حقیقت قرار دی ہم نے
زندگی کی نزاکتوں کی قسم — پتھروں میں گذار دی ہم نے

زندگی دورِ جام تھی ساغر
گردشوں میں گذار دی ہم نے

بن پڑی کچھ نہ زندگانی سے — لاکھ پیماں کیے جوانی سے
چشمِ ساقی کی مہربانی سے — کام لیتے ہیں مے کا پانی سے
ورقِ گل نے گر کے مستی میں — جانے کیا کہہ دیا جوانی سے
ان کی آنکھوں میں ہے شفق کا سماں — میری راتوں کی خوں فشانی سے
رنگ نغموں میں بھی تھا نالوں کا — عمر بھر ہم رہے فغانی سے
عشق اخذِ نیاز کرتا ہے — حسن کے ناز و سرگرانی سے
عشق نے کھو دیا ہے اپنا بھرم — بدگماں ہو کے زندگانی سے
داستانیں بنیں گی عہد بہ عہد — دلِ برباد کی کہانی سے
عشق نے سو گماں کیے پیدا — حُسن کے ذوقِ بدگمانی سے
سو توانائیاں ہوئیں پیدا — اِک محبّت کی ناتوانی سے
لاکھ ان کی نگاہ نرم سہی — کام ہے ہم کو سخت جانی سے
کیا بھلا شرحِ آرزو ہوتی — چند اشکوں کی ترجمانی سے
بارِ شبنم ہے اور خمارِ بہار — پھول بوجھل ہیں سرگرانی سے
اِک جہاں مجھ پہ مہرباں ہوا — اس نے دیکھا جو مہربانی سے
سر بسر میکدے برستے ہیں — آپ کی مدھ بھری جوانی سے
برق کیا ہے شرر کی جست ہے کیا — پوچھ جاتی ہوئی جوانی سے
بزم میں تیری ہم سے اہلِ زباں — کام لیتے ہیں بے زبانی سے
عمرِ رفتہ سلام کہہ دینا — تیرا ملنا ہو گر جوانی سے
اب بھی اک موجِ خوں اُبلتی ہے — خاکِ بازارِ قصہ خوانی سے
میرے فن پر نکھار آیا ہے — اِک حسیں کی قصیدہ خوانی سے
دل نے سو سو یقیں کیے پیدا — اپنے ہی ذوقِ بدگمانی سے

خواب کی سی بات ہے ساغر
ہم ملے تھے کبھی جوانی سے

ستارے جام بنتے ہیں فضا پیمانہ ہوتی ہے
ترے آتے ہی سُونی رہگذر مے خانہ ہوتی ہے

جہاں بھی جلوہ فرما طلعتِ جانانہ ہوتی ہے
نظارہ شمع بنتا ہے نظر پروانہ ہوتی ہے

ترے اسرار کے چرچے فقط رہتے ہیں پردوں میں
ہماری بات ہر محفل میں اِک افسانہ ہوتی ہے

کوئی اُس وقت دیکھے میرے دل کی خلد آرائی
یہ بستی لُٹ لُٹا کر جب کبھی ویرانہ ہوتی ہے

اُڑا کر لے گئی اوراقِ گل بادِ خزاں آخر
حقیقت دیکھتے ہی دیکھتے افسانہ ہوتی ہے

نہ چھالے ہم سفر ہیں اور نہ کانٹے راہ کے ساتھی
جنوں کی یہ بھی اِک منزل دلِ دیوانہ ہوتی ہے

کبھی اِس روپ میں بھی موسمِ گل مسکراتا ہے
کہ ہر تازہ کلی اِک سبزۂ بیگانہ ہوتی ہے

یہ زعمِ نارسائی تیری محفل میں فقط ہم ہوں
یہ ہوتی ہے تمنا اور بے تابانہ ہوتی ہے

نہ وہ شب کی مناجاتیں نہ چھپ چھپ کے ملاقاتیں
جوانی دیکھتے ہی دیکھتے افسانہ ہوتی ہے

اندھیرے لاکھ گہرے ہوں مگر ہر شب کے پردے میں
نئی اِک یادِ ماضی شمعِ خلوت خانہ ہوتی ہے

ہماری تشنگی سے دورِ ساغر ہے زمانے میں
ہماری خاک سے تعمیرِ صد مے خانہ ہوتی ہے

جہاں دیں ساتھ دیتا ہے نہ دنیا ساتھ دیتی ہے
وہاں رہبر ہماری جرأتِ رندانہ ہوتی ہے

فقط افلاس ہی میں آدمی جانچا نہیں جاتا
کبھی آسودگی بھی ظرف کا پیمانہ ہوتی ہے

کبھی وہ بھی سہارا لے پی لیتے ہیں مستی کا
کبھی اُن سے بھی ساغر لغزشِ مستانہ ہوتی ہے

جسے سُن کر انھیں آخر تبسم آ ہی جاتا ہے
وہی اِک بات ساغر حاصلِ افسانہ ہوتی ہے

○

روشں روش جلی ہوئی بہار اپنے ساتھ ہے
لُٹا ہوا تمام لالہ زار اپنے ساتھ ہے

بہار کے سفر میں ہم یونہی نہیں رواں دواں
جنازۂ گل کا میّتِ ہزار اپنے ساتھ ہے

یہ بلبلوں کی خاک ہے یہ کوئلوں کے بال و پر
نشیدِ باغ روحِ نغمہ زار اپنے ساتھ ہے

نہ احتیاجِ ساز ہے نہ احتیاجِ بانگ ہے
کہ نغمہ سنج لاشۂ ہزار اپنے ساتھ ہے

کفن ہے نغمگی کا یہ، یہ نغمگی کی لاش ہے
مزار در مزار نغمہ زار اپنے ساتھ ہے

شفق نہیں ہے گر نہ ہو دھنک نہیں ہے گر نہ ہو
کہ خونِ گرم سے رنگا غبار اپنے ساتھ ہے

روانہ خالی ہات کب ہوئے ہیں راہِ عشق میں
صلیب اپنے ساتھ طوق و دار اپنے ساتھ ہے

یہ زخمِ دل کے کارواں یہ آبلوں کے قافلے
اکیلے کب ہیں ایک کارزار اپنے ساتھ ہے

ہے آج نرخِ زندگی زیان و سود سے بری
کہ سرفروشیوں کا کاروبار اپنے ساتھ ہے

چلو میں اپنے قتل گاہ اے ندیم ہے تو ہو
کفن ہے اپنے دوش پر مزار اپنے ساتھ ہے

ہے خون شاہدِ سفر ہے خون ناقدِ سفر
قدم قدم پہ یہ وفا شعار اپنے ساتھ ہے

چلے چلو چلے چلو لہو لہو چلے چلو
کہ کربلا کی خاک کا غبار اپنے ساتھ ہے

◉

گیسو کو ترے رُخ سے بہم ہونے نہ دیں گے
ہم رات کو خورشید میں ضم ہونے نہ دیں گے

ہم حسن کو مائل بہ کرم ہونے نہ دیں گے
رسوائیٔ اربابِ ستم ہونے نہ دیں گے

طوفاں میں بھی بارشِ غم ہونے نہ دیں گے
آنکھوں کو تری یاد میں نم ہونے نہ دیں گے

سلطانیِ دینار و درم ہونے نہ دیں گے
ہاں ہاں تری پائل کی قسم ہونے نہ دیں گے

مہتاب بنائیں گے کبھی راہ کا خورشید
معدوم ترے نقشِ قدم ہونے نہ دیں گے

دل اشک ہے اور پیرہنِ سرخ ہے شعلہ
ہم شعلہ و شبنم کو بہم ہونے نہ دیں گے

یہ درد تو آرامِ دو عالم سے سوا ہے
اے دوست ترے درد کو کم ہونے نہ دیں گے

اُٹھ جائیں گے جوں بادِ صبا بزم سے تیری
تجھ کو بھی خبر تیری قسم ہونے نہ دیں گے

ٹکڑے ہے جو داماں تو ہے صد چاک گریباں
کم عشق کا یہ جاہ و حشم ہونے نہ دیں گے

جب تک دلِ پرخوں میں ہے اِک قطرۂ خوں بھی
کم مرتبۂ لوح و قلم ہونے نہ دیں گے

لکھ دیں گے لہو سے دلِ پرخوں کی حکایت
بے رنگیِ تاریخ اُمم ہونے نہ دیں گے

خوں ریز شفق لاکھ سہی شعلۂ آفاق
ہم خوں کی یہ تحریر رقم ہونے نہ دیں گے

صرصر کو سکھائیں گے لطافت کا قرینہ
پھولوں پہ ہواؤں کے ستم ہونے نہ دیں گے

جس روح کو آلام نے پالا ہے اُسے ہم
پروردۂ اربابِ کرم ہونے نہ دیں گے

جو زندہ و حساس بتوں کی ہے امانت
اس سجدے کو ہم نذرِ رسوم ہونے نہ دیں گے

جو گیسو و رخسار کی خاطر نہ اُٹھے تھے
وہ ہات دعاؤں میں علَم ہونے نہ دیں گے

لے کر تری آنکھوں سے محبت کا تقدس
افسردہ انگور کو ہم سم ہونے نہ دیں گے

اے کاتبِ تقدیر ہماری بھی رضا پوچھ
یوں نامۂ تقدیر رقم ہونے نہ دیں گے

خلاقِ دو عالم ہیں یہ جادو میں ڈھلے ہات
فنکار کے ہاتھوں کو قلم ہونے نہ دیں گے

جو دیر و حرم میں کبھی جنبش نہیں کرتا
وہ سر کسی دربار میں خم ہونے نہ دیں گے

لاکھوں کا سہارا ہے یہی جامِ سفالیں
ساغرؔ کو کبھی ساغرِ جم ہونے نہ دیں گے

جب کہیں جلسۂ غنچہ دہناں ہوتا ہے
وہیں اک محشرِ آشفتہ دلاں ہوتا ہے

جس جگہ جشنِ گل و گلبدناں ہوتا ہے
رقص میں میں ہی نہیں سارا جہاں ہوتا ہے

جلوہ ترغیبِ گنہ اور نگہ مجرمِ شوق
دیکھ کر آپ کو اب ضبط کہاں ہوتا ہے

حسن نے سارے حجابات تو خود پھونک دیے
ہم پہ گستاخ نگاہی کا گماں ہوتا ہے

جتنی گیسوئے حقائق کی گرہ کھلتی ہے
جذبۂ عشق جواں اور جواں ہوتا ہے

کفر کو کفر نہ کہہ کفر بھی ہے تحفۂ عشق
کفر کی گود میں ایمان جواں ہوتا ہے

مومنِ غم گزیدہ، میرے ہمراہ تو چل
پہلے ہی گھونٹ میں ہر پیر جواں ہوتا ہے

ایسا عالم بھی مغنی پہ گزرتا ہے کبھی
نغمۂ عیش بھی اک سیلِ فغاں ہوتا ہے

میرے احساس پہ یہ وقت بھی آتا ہے کبھی
کہ فقط ایک کھنڈر کون و مکاں ہوتا ہے

ایسے لمحے بھی کبھی عشق میں آجاتے ہیں
کہ تصوّر بھی ترا بارِ گراں ہوتا ہے

کبھی بڑھ جاتی ہے افسردگیِ دل اتنی
کہ اک ہلکا سا ترنم بھی گراں ہوتا ہے

کبھی ایسی بھی کرن پھوٹتی ہے صبح کے وقت
کہ یہ عالم مری نظروں میں دھواں ہوتا ہے

کبھی وہ لمحے بھی آجاتے ہیں روز و شب میں
کہ سما اور نہ مکاں اور نہ زماں ہوتا ہے

کسی کروٹ بھی اگل دیتی ہے حق کو دھرتی
ہم چھپاتے ہیں جسے خود وہ عیاں ہوتا ہے

خشک آنکھوں پہ نہ جا میری خموشی پہ نہ جا
عشق میں سچ بھی اک اندازِ فغاں ہوتا ہے

پُرسا دیتی ہے خزاں سیج سجاتی ہے صبا
جب سرِ شاخ کوئی پھول جواں ہوتا ہے

کون کون اس کا تماشائی ہے وقتِ رخصت
اس قدر ہوش مسافر کو کہاں ہوتا ہے

جب بھی میں سوچتا ہوں کون ہے دشمن تو مجھے
اپنی ہی ذات پہ دشمن کا گماں ہوتا ہے

ہائے تقدیر کہ اب اپنے ہی گھر میں مجھ کو
خود پہ اک لالۂ صحرا کا گماں ہوتا ہے

آج بھی حضرتِ ساغرؔ وہیں آتے ہیں نظر
جس جگہ مجمعِ سیمیں بدناں ہوتا ہے

کام آخر میرا کیفِ ناتمام آ ہی گیا
پھر کوئی ساغر بکف بادہ بجام آ ہی گیا

جال اپنے نور کا تانے رہے خورشید و ماہ
نور برساتا مرا ماہِ تمام آ ہی گیا

ہے جہاں عشق و ہوس کو اعترافِ بے کسی
تلخیِ ہستی کے قرباں وہ مقام آ ہی گیا

تشنگی نے میکدے میں کارِ قزاقی کیا
قوتِ بازو سے مجھ تک دورِ جام آ ہی گیا

روکتی ہی رہ گئیں معصوم دُور اندیشیاں
اُن کے لب پر میرا ذکرِ ناتمام آ ہی گیا

جیسے ساغر سے چھلک جائے مچلتی موجِ مے
کانپتے ہونٹوں پر اُن کے میرا نام آ ہی گیا

گیسو کو اُس کے چھیڑ دیا، مَیں نے کیا کیا
گستاخ ہے یہ بادِ صبا، مَیں نے کیا کیا

برہم ہے کُل نظامِ فنا، مَیں نے کیا کیا
کیوں زندگی پہ طنز کیا، مَیں نے کیا کیا

خَم کیوں سرِ نیاز کیا، مَیں نے کیا کیا
ہر سمت، ہیں خدا ہی خدا، میں نے کیا کیا

آنکھوں کو تابِ جلوہ کہاں اے فریبِ شوق
آنکھوں پہ اعتماد کیا، میں نے کیا کیا

بکھراؤ میں تو نظمِ دو عالَم کا راز تھا
اُس زلف کو سنوار دیا، میں نے کیا کیا

آئینہ ان کے سامنے کیوں میں نے رکھ دیا
وہ بھی ہیں اب قتیلِ ادا، میں نے کیا کیا

خونِ جگر کے رنگ سے شرمندہ ہے بہار
پھولوں کو کیوں نکھار دیا، میں نے کیا کیا

وارفتگیِ شوق میں بھی یہ گناہ ہے
قدموں کو ان کے چوم لیا، میں نے کیا کیا

میری خودی تو حُسن و محبت سے تھی بلند
ان پُر خودی کو وار دیا، میں نے کیا کیا

ساغرؔ بجائے بادۂ گُل رنگ جام میں
خونِ جگر انڈیل دیا، مَیں نے کیا کیا

حسن کو لاجواب ہونا تھا — عشق کو کامیاب ہونا تھا
تلخیٔ زیست کیا کیا تو نے — زندگی بھر خراب ہونا تھا
وہ گنہ بے حساب کر نہ سکے — جو گنہ بے حساب ہونا تھا
میری بربادیوں پہ حیرت کیوں — اور بھی کچھ خراب ہونا تھا
چشمِ تر بس نہیں ہے اِک آنسو — یہ بھی دریا سراب ہونا تھا
کیا حرم میں تباہ ہے واعظ — میکدے میں خراب ہونا تھا
اے نظامِ شگفتگیِ چمن — خاک کو بھی گلاب ہونا تھا
ذرّے انجم بنے ستارے خاک — یوں بھی اِک انقلاب ہونا تھا
ہے رگ و پے میں تشنگی جاری — خون کو بھی شراب ہونا تھا
نہ وہ تو ہے نہ میری گرمیِ خون — ہر حقیقت کو خواب ہونا تھا
آستاں بوسیوں سے کیا حاصل — بزم میں باریاب ہونا تھا
آپ کی کامرانیوں کے لیے — مجھے ناکامیاب ہونا تھا

زندگی اب بھی خام ہے ساغر
اور بھی انقلاب ہونا تھا

رہتی خلشِ ہجر گوارا کوئی دن اور
اے کاش ترا وصل نہ ہوتا کوئی دن اور

وہ وعدۂ دیدار وہ ہنگامۂ محشر
ایفا کے لیے چاہیے اچھا کوئی دن اور

مایوسیوں کا قول کہ مرنا ہی بھلا تھا
امید کا ارمان کہ جیتا کوئی دن اور

تھیں جانِ تمنا ترے کوچے کی ہوائیں
رکھا نہ رہا میرا جنازہ کوئی دن اور

کیوں لغزشِ ساقی نے گرایا مجھے ساغر
اے کاش میں ہاتھوں میں چھلکتا کوئی دن اور

○

کہاں جاتے ہیں اے ساغرؔ وہ اب دل سے جُدا ہو کر
مرے حیرت کدے میں رہ گئے ہیں آئینہ ہو کر

لبوں پر مسکراہٹ، انکھڑیوں میں شوق کی مستی
جوانی اور محبت کا مجسم مے کدہ ہو کر

جبیں پر سُرخ ٹیکا دوش پر بکھرے ہوئے گیسو
شرد کا چاند بن کر اور ساون کی گھٹا ہو کر

فراق اِک نام ہے اُلفت کی تعبیرِ خیالی کا
وہ جاتے ہیں مگر دل سے نہیں جاتے جدا ہو کر

مری پابندیِ اُلفت پہ یوں طعنے نہ دے مجھ کو
تمام آزادیاں حاصل ہوئی ہیں مُبتلا ہو کر

مری بربادیاں تعمیر کی متواج ہیں ساغرؔ!
لبوں تک اُن کے پہنچا ہوں میں خاکِ میکدہ ہو کر

◉

وہ بام و در پہ وقت کی رفتار دیکھنا
اُٹھ اُٹھ کے میرا صبح کے آثار دیکھنا

گذرا ہے اس پہ وقت کا وہ وار دیکھنا
اے صبح کی کرن، رُخِ بیمار دیکھنا

اِک قافلہ تھا بر سر پیکار دیکھنا
بیمار خواب میں ہے کہ بیدار دیکھنا

نغموں میں گھول رکھے ہیں اسرار دیکھنا
جب میں نہ ہوں تو پھر مرے اشعار دیکھنا

اقرارِ حق اور حق ہی سے انکار دیکھنا
میں مشتِ خاک اور مرے اسرار دیکھنا

کیا چھٹ گئے ہیں رات کے آثار دیکھنا
کیا کٹ گئی ہے آہنی دیوار دیکھنا

یہ بھی ہے راہِ عشق میں نازک سا اِک مقام
اقرار ہے نہ لذّتِ انکار دیکھنا

پہلے ہی ایک بار تھا میں دوشِ زیست پر
مظلوم ہو کے اور بھی ہوں بار دیکھنا

دودِ غبار میں سوار ژنگ ہنس رہے ہیں
تصویرِ نوجوانی ہیں اس نگر کی گلیاں

رکھنا قدم سنبھل کر اس شہرِ بے شہاں میں
لوگو مِری جوانی ہیں اس نگر کی گلیاں

آہستہ اے زمانے اے زندگی سنبھل کر
خاکسترِ جوانی ہیں اس نگر کی گلیاں

ماضی کی داستاں ہے مہمل سا اِک فسانہ
مفہوم اور معانی ہیں اس نگر کی گلیاں

ہر موڑ اِک کہانی دامن کشاں ہے ساغرؔ
بزمِ فسانہ خوانی ہیں اس نگر کی گلیاں

یہ محفل میں کس نے مدُھر گیت گایا
سنبھالو سنبھالو مجھے وجد آیا

مجھے دے کے دعوت انھیں بھی بلایا
الٰہی چمن پر گھٹاؤں کا سایا

محبت میں ہم پر یہ کیا وقت آیا
نظر بھی پرائی ہے دل بھی پرایا

سیہ خانۂ غم میں یہ کون آیا
زمیں مسکرائی فلک جگمگایا

بڑی بھول کی حُسن سے دل لگایا
دِوانے یہ ہے ایک سپنے کی مایا

محبت میں سُود و زیاں کی نہ پوچھو
بہت ہم نے کھویا بہت ہم نے پایا

نہ میں ہوں نہ وہ ہیں نہ دین اور دنیا
جنونِ محبت کہاں کھینچ لایا

ادائیں تری کوئی سمجھا نہ سمجھے
ہنسا کر رُلایا، رُلا کر ہنسایا

غزل میری سا آغر وہ نغمہ ہے جس کو
جوانی نے لکھا، محبت نے گایا

زہے فیضِ کیفِ تبسّمِ محبت
عداوت ہے مجھ کو پیامِ محبت

نگاہیں پیامی ادائیں پیامی
دِیے جا رہے ہیں پیامِ محبت

ہوئی کس کے رنگیں لبوں کو یہ جنبش
مہک دے رہا ہے مشامِ محبت

کلیمِ محبت ہیں نمناک آنکھیں
ہیں نازک سے آنسو کلامِ محبت

محبت ہمیشہ محبت رہے گی
نہ بدلا نہ بدلے نظامِ محبت

خدا کے لیے آؤ گھل مِل بھی جاؤ
عداوت نہیں اختتامِ محبت

وہ لغزیدہ لغزیدہ آنا کسی کا
بہکتا ہوا سا خرامِ محبت

کنکھیوں سے تجدیدِ پیمانِ اُلفت
وہ نیچی نظر سے سلامِ محبت

شرابی تبسم چھلکتی سی آنکھیں
مجسم ہیں ساغر وہ جامِ محبت

ہائے کیا ہو گیا نہیں معلوم
آ بنی دل پہ کیا نہیں معلوم

اس طرح اُٹھ رہے ہیں اُن کے قدم
جس طرح راستہ نہیں معلوم

آؤ اس ابتدا پہ مر جائیں
جس کی کچھ انتہا نہیں معلوم

ہل گئی حسن و عشق کی دُنیا
حادثہ کیا ہُوا نہیں معلوم

وہ بھی ہیں کھوئے کھوئے سے ساغرؔ
اثر ان پر بھی ہو گیا نہیں معلوم

مرحبا سوزِ سفر، ذوقِ سفر، عزمِ سفر
خود ہی رہگیرِ شبِ تار ہوں خود ہی رہبر

شبِ طوفاں کے گھٹاٹوپ اندھیرے کی قسم
یہ گھٹاٹوپ اندھیرا ہی ہے انوارِ سحر

میری مایوسیِ تقدیر پہ آنسو نہ بہا
کہ مری خاک ہی بن جائے گی اِک روز شرر

نہ ہوں شہپر تو نہیں جرأتِ نو ملتی ہے
ذوقِ پرواز نہیں، بندۂ زورِ شہپر

تابہ کے آہ یہ روندی ہوئی راہوں کا طواف
اِک نیا ذوقِ جہاد، ایک نیا عزمِ سفر

کم سے کم اتنی بلندی پہ تو ہو تیرا مقام
کہ ترے سائے میں ہوں خود ترے انجم و اختر

فطرتِ بحر نے صدیوں میں تراشا ہے جسے
گوشِ قدرت کا وہ آویزۂ نادر ہے گہر

جس میں محلول ہے زہرابِ تعلق کی مٹھاس
صاف اقرارِ محبت ہے وہ نفرت کی نظر

تلخ و نابینا حقائق سے گرانبار نہ ہو
یہی نابینا حقائق تجھے بخشیں گے نظر

ساغرِ مے سے چھلکتی ہے نشاطِ ابدی
میری توہین ہے اس وقت غمِ نیکی و شر

○

قصۂ دردِ دل ہے اور ان کا بیاں بیاں ہے اور
عشق کی داستاں ہے اور حسن کی داستاں ہے اور

دیر و حرم میں سر جھکے، سر کے لیے یہ ننگ ہے
جھکتا ہے اپنا سر جہاں وہ درِ آستاں ہے اور

دل سے چھپا چھپا کے یوں آپ کو پوجتے ہیں ہم
جیسے بجائے دل کوئی عشق میں رازداں ہے اور

قطعِ تعلقات بھی قیدِ تعلقات ہے
توڑ کے رشتۂ وفا مجھ سے وہ بدگماں ہے اور

لذتِ درد کے عوض دولتِ دو جہاں نہ لوں
دل کا سکون اور ہے دولتِ دو جہاں ہے اور

ساغرِ مست اُٹھ کے خود رات گئے اُنڈیل لے
تیرے سبو میں کچھ ابھی بادۂ ارغواں ہے اور

◉

ہوئی کم ظرفیِ غم ہجر میں گریاں ہو کر
ایک آنسو نے ڈبویا ہمیں طوفاں ہو کر

دل میں اِک حسرتِ تعمیر ہے سو رنگوں سے
اور آباد ہوا گھر میرا ویراں ہو کر

کھُل گیا چشمِ تماشا کا بھرم جلووں پر
کیا مِلا جلوہ گہہِ حُسن میں حیراں ہو کر

اک نیا دامِ وفا ڈال رہے ہیں شاید
تیرے گیسو مرے شانوں پہ پریشاں ہو کر

آہی جاتے ہیں الم خانۂ تاریک میں وہ
چاندنی بن کے کبھی صبحِ درخشاں ہو کر

میری آواز میں ان کی بھی صدا مضمر ہے
ان کی محفل سے جو آیا ہوں غزل خواں ہو کر

یہ بھی اِک شوخ کا فیضانِ نظر ہے ساغر
کہ جہاں دیکھ رہا ہے مجھے حیراں ہو کر

میں ان کا حاصل وہ میرا حاصل
اب زندگی ہے جینے کے قابل

گھبرا نہ اے دل گھبرا نہ اے دل
وہ آئی منزل، وہ آئی منزل

کشتی ہماری طوفاں بہ طوفاں
طوفاں بہ طوفاں ساحل بہ ساحل

آساں نہیں ہے میرا ڈبونا
میں خود ہی طوفاں میں خود ہی ساحل

ہے زندگانی طوفاں ہی طوفاں
موجیں نہ دریا، کشتی نہ ساحل

شاید یہی ہے آدم کی جنت
ہر گام مقتل، ہر موڑ قاتل

ساغرؔ گذر جا ہر مرحلے سے
آزاد ہو کر قیدِ مراحل!!

○

چلتی پھرتی کہانیوں کی قسم — تشنہ لب نوجوانیوں کی قسم
زندگی آج بھی کہانی ہے — بھولی بسری کہانیوں کی قسم
مسکراتے ہیں روز زخم کہیں — کچھ پرانی نشانیوں کی قسم
بادہ آلود ابھی ہیں کام و دہن — صبح کی سرگرانیوں کی قسم
پھر ضرورت ہوئی جوانی کی — کچھ ادھوری کہانیوں کی قسم
ان حدوں سے بہت بلند ہے عشق — آپ کی بدگمانیوں کی قسم
لاکھ موسیٰ ہیں میرے ہونٹوں میں — حسن کی لن ترانیوں کی قسم
ان کی آنکھوں میں بھی کھلی ہے شفق — عشق کی خوں فشانیوں کی قسم
غم کا بھی کوئی اعتبار نہیں — بے سبب کامرانیوں کی قسم

اب نہ پینا گناہ ہے ساغر
مستقل سرگرانیوں کی قسم

◉

○

شوقِ بیکار، جذبِ دلِ ناکام
مَیں ہوں خود اپنے عشق کا انجام

اس کو کیا بھیجیے کوئی پیغام
دل میں بھی لے سکیں نہ جس کا نام

جس پہ قرباں کُل جہانِ نیاز
ہاں ذرا مُسکرا کے پھر وہ سلام

عصمتِ حُسن اے معاذَ اللہ
بھُولنا چاہتا ہوں تیرا نام

زندہ رہنا ہے عاشقی کا کمال
خودکشی ہجر میں ہے جذبۂ خام

مر گیا بُت کدے میں ساغرؔ آج
وہ مریدِ تبسُّمِ اصنام

◉

رند ہوں کب دوسرے کا آسرا رکھتا ہوں مَیں
آنکھ میں ساغر نظر میں میکدا رکھتا ہوں مَیں

حسن دیوانہ ہے جس کا عشق ہے جس کا اسیر
وہ کرشمہ دامنِ دل میں چھپا رکھتا ہوں مَیں

سر دبعضِ ناخدا ہے خوفِ طوفاں سے تو ہو
ہم پُرِہ ہر موج میں سو ناخدا رکھتا ہوں مَیں

شورشِ طوفاں مرے پیغام کی ہے منتظر
سانس میں دریا نظر میں ناخدا رکھتا ہوں مَیں

وہ بہار آئی وہ تنکے آشیاں کے کانپ اُٹھے
شاخ پر پیمانۂ برق و بلا رکھتا ہوں مَیں

امتحاں ذوقِ اسیری کا مجھے منظور ہے
موسمِ گُل میں درِ زنداں کھلا رکھتا ہوں مَیں

وہ مسافر ہوں کہ رہنِ ہادیِ رہبر نہیں
ہر قدم پر اپنے دَم کا آسرا رکھتا ہوں مَیں

منزلِ انجم سے آگے ہے مرا بامِ عروج
لامکاں کے دوش پر بھی نقشِ پا رکھتا ہوں میں

معصیت بھی نامکمل اِتقا بھی ناثواب
مرحبا کیا اہرمن اور کیا خدا رکھتا ہوں میں

وہ عہد یاد ہے جب کامگار تھے ہم تم
وفا نصیب، محبت شعار تھے ہم تم

جو پہلی بار ملی اور دلوں کو جوڑ گئی
اسی نگاہ کی یادگار تھے ہم تم

جو مَیں تھا صبح منور تو تم شبِ زریں
جہانِ عشق کے لیل و نہار تھے ہم تم

دلوں کا ذکر نہیں دل تو خاک تھے جل کر
کئی جگہ تو نگاہوں پہ بار تھے ہم تم

جہاں میں روحِ بہاراں کو ناز تھا جس پر
نسیمِ گل کی قسم وہ بہار تھے ہم تم

میں سوچتا ہوں مگر لب پہ لا نہیں سکتا
کہ کس جنونِ وفا کا شکار تھے ہم تم

○

ساقی سے دُور دُور ہوں پھر بھی نشے میں ہوں
زخموں سے چُور چُور ہوں پھر بھی نشے میں ہوں

لغزیدہ مجھ میں ہے مئے دوشینہ کا خمار
کچھ ہوش میں ضرور ہوں پھر بھی نشے میں ہوں

جاتے ہی ان کے کھُل گئے یادوں کے میکدے
گو اُن سے لاکھ دُور ہوں پھر بھی نشے میں ہوں

گویا یہ ناصبوریِ پیہم بھی ہے شراب
کب سے میں ناصبور ہوں پھر بھی نشے میں ہوں

میں لڑکھڑا رہا ہوں سنبھالے کوئی مجھے
ایک پیکرِ قصور ہوں پھر بھی نشے میں ہوں

کس رنگ میں ہیں شاہد و مشہود کیا خبر
میں تو فقط ظہور ہوں پھر بھی نشے میں ہوں

آلامِ زندگی نہیں میرے نشے کا توڑ
میں ہوش میں ضرور ہوں پھر بھی نشے میں ہوں

پندارِ عشق، فخرِ خودی، نازِ آگہی
میں سربسر غرور ہوں پھر بھی نشے میں ہوں

منصب یہ کب ملا ہے کسی اہلِ ہوش کو
میں کُشتۂ شعور ہوں پھر بھی نشے میں ہوں

◉

○

یاد ہیں خوب یاد ہیں بھولی ہوئی کہانیاں
عشق کی جبہ سائیاں حسن کی لن ترانیاں

حسن اور اس گداز کا عشوہ اور اتنا دلربا
ایک ترے شباب پر لٹ گئیں سو جوانیاں

ذوقِ نظر وصال میں سرخوشِ کیف ہو تو کیوں
شامِ فراق کی ابھی یاد ہیں خونچکانیاں

حسرتِ قتل ہو گئی شوقِ نیاز میں فنا
دامنِ ناز پر ترے چھوڑ گئی نشانیاں

ساغرِ مستِ عشق کو درگہہِ حسن سے ملیں
فکر کی یہ بلندیاں، نظم کی یہ روانیاں

◉

○

پھر تو کہیے کہ وفا حُسن کا دستور نہیں
یعنی مشروط محبت ، ہمیں منظور نہیں

مجھ سے اُٹھتے نہیں تو آپ اُٹھا دیں پردے
عشق مجبور سہی ، حسن تو مجبور نہیں

تم کو آغازِ محبت میں جو منظور نہ تھی
ہاں وہی شرطِ وفا اب ہمیں منظور نہیں

تیرے صدقے یونہی اِک نیم نظر اور سہی
دل میں ناسور بہ اندازۂ ناسور نہیں

تیرا گھر دُور سہی ، دُور سہی ، دُور سہی
ہاں مگر مستِ تصوّر کے لیے دُور نہیں

کیف انگیز تصوّر بھی ہے اُن آنکھوں کا
میرے ساغر میں ترا بادۂ انگور نہیں

◉

○

سازِ پروانہ نہیں، شمعِ سرِ محفل نہیں
میرے سوزِ عاشقی کا اب کوئی حاصل نہیں

میرے آنسو ان کے دامن پہ ستارے بن گئے
کون کہتا ہے کہ یوں رونے سے کچھ حاصل نہیں

تم بلاؤ بھی تو کہنے حالِ دل آتا ہے کون؟
اب نیازِ عشق بزمِ ناز کے قابل نہیں

خونچکاں، غرقِ فنا، زار سا بیمار سا
آپ اس کو کیا بنا لائے یہ میرا دل نہیں

شمع کو خاموش اور پروانوں کو رخصت کرو
جس سے محفل تھی عبارت وہ سرِ محفل نہیں

ختم ہو جائے نہ گویائی کی قوت دیکھنا
یہ حدیثِ حسن ہے ساغرؔ حدیثِ دل نہیں

◉

○

لغزشِ شوق دیکھیے حسن کی بزمِ ناز میں
غیر کے پاؤں پر گیا بیخودیِ نیاز میں

حسرتِ دید چھوڑ دوں میں بھی کوئی کلیم ہوں
جان پہ کھیل جاؤں گا معرکۂ نیاز میں

ربط نے بوئے گل کے ساتھ کھینچ لی روحِ عندلیب
چونک پڑی کلی کلی دامنِ عطر ساز میں

اے میرے جذبِ بیخودی اب تری بات بن گئی
بے خبروں کی مانگ ہے دشتِ جنوں نواز میں

تیری نگاہِ مست نے دعوتِ جذبِ ہوش دی
جیسے تری نظر لگی جی نہ لگا نماز میں

مستِ سرورِ عشق ہے سرخوشِ کیفِ حسن ہے
عادتِ مے کشی کہاں ساغرِ پاکباز میں

◉

○

تری طرف جو محبت سے دیکھتا ہوں میں
نصیبِ ذوقِ نظر آزما رہا ہوں میں

نظر کرم کی فراوانیوں پہ پڑتی ہے
پھر اپنے دامنِ خالی کو دیکھتا ہوں میں

یہ آنسوؤں کی جھڑی یہ سکونِ محویت
ترے خیال کو جھولا جھلا رہا ہوں میں

تعلقاتِ محبت یہ تیری ذات سے ہیں
کسی نے نام لیا ہے، تڑپ گیا ہوں میں

تو میرے سامنے دامن اُٹھا اُٹھا کے نہ چل
خرامِ ناز کی ترکیب جانتا ہوں میں

مری رسائیِ قسمت پہ شک نہ کر ساغر
کہ ان کے نقشِ قدم روز چومتا ہوں میں

◉

○

بلبل کہاں، بہار کہاں، آشیاں کہاں
سامانِ نغمہ ختم ہوا، نغمہ خواں کہاں

ٹھکرا نہ یوں جبینِ محبت کو ارحم، کر
لے جائیں گے اُٹھا کے ترا آستاں کہاں

تسکین بن گئی ہیں مرے دل کی دھڑکنیں
دُہرائی جا رہی ہے مری داستاں کہاں

وہ بھی تھا ایک رُوپ محبت کے سوز کا
خانہ خراب دل سے اُٹھا تھا دُھواں کہاں

ساغرؔ یہ بمبئی کے صنم زارِ زندگی
تم اور بہ ایں جوانی و مستی یہاں کہاں

◉

نغمۂ حسن نہیں درد کی آواز نہیں
کیا قیامت ہے کوئی انجمنِ ناز نہیں

تیرے نغموں سے ہے رگ رگ میں ترنّم پیدا
عشرتِ رُوح ہے ظالم تری آواز نہیں

فیصلہ یہ ہے کہ جو چاہے اسے لے جائے
واقعہ یہ ہے کہ اب دل پہ ہمیں ناز نہیں

رقص میں برق ہے مدّت سے نہ پروانے میں
کیا تری شوقِ نظر صاعقہ پرداز نہیں

عشق تکمیلِ دو عالم ہے مگر نقص یہ ہے
اس کے انجام میں کیفیتِ آغاز نہیں

تیرے گیتوں پہ تصدّق ہے گلو کے داؤد
ایک ساغر ہی فقط کشتۂ آواز نہیں

جرعۂ جامِ مے ہوش رُبا لیتا ہوں
اور ہر گھونٹ پہ میں نامِ خدا لیتا ہوں

جب بلاتے ہیں طربناک ہوا کے جھونکے
میں تمھیں اپنے خیالوں میں جگا لیتا ہوں

جذبۂ وصل جو کرتا ہے پریشان مجھے
شمع کی لَو کو کلیجے سے لگا لیتا ہوں

جب کبھی تشنگیِ دید ستاتی ہے مجھے
تیری تصویر کو میخانہ بنا لیتا ہوں

جب تصوّر میں تم آتے ہو قیامت بن کر
اپنی آغوشِ محبّت میں چھپا لیتا ہوں

خواب میں روز وہ آتے ہیں تو میں بھی ساغرؔ
روز سوئی ہوئی قسمت کو جگا لیتا ہوں

ماتمِ ہستی کریں، یا ماتمِ پستی کریں
یا یہ سب کچھ بھول جائیں اور فقط مستی کریں

حسن کو اور عشق کو لے کر چلیں ہم تم کہیں
دونوں عالم سے الگ آباد اِک بستی کریں

ذرہ ذرہ گود پھیلائے محبت کے لیے
ہو سکے تو اس قدر جنسِ وفا سستی کریں

ہو ورودِ روحِ انساں بارگاہِ عرش میں
آسماں والے قیاسِ رفعتِ پستی کریں

آج کل کچھ اس قدر شورش پہ ہے ذوقِ نیاز
آستاں روکے تو ہم سجدے زبردستی کریں

○

اب رو رہا ہوں عصمتِ رازِ نہاں کو مَیں
پہلے ہی کیوں سمجھ نہ گیا رازداں کو مَیں

کِس طرح دوں پیامِ غمِ جاوداں کو مَیں
قابو میں ہو تو روک لوں عمرِ رواں کو مَیں

سجدے مری جبیں کے نہیں اس قدر حقیر
کچھ تو سمجھ رہا ہوں ترے آستاں کو مَیں

باقی اب امتحانِ وفا میں ہے اور کیا
لے ضبط کر گیا ترے دردِ نہاں کو مَیں

محفل خموش صبح کے آثار جلوہ گر
اب حکم ہو تو ختم کروں داستاں کو مَیں

ساغر سجودِ کیف ہیں اور پائے ساقیا
کعبہ بنا رہا ہوں درِ خمستاں کو مَیں

◉

○

یہ ظالم ہوائیں، یہ کافر گھٹائیں
چلی آئیں تنہا، انھیں بھی تو لائیں

ضروران سے مس ہو گیا کوئی جھونکا
مہکتی ہوئی آ رہی ہیں ہوائیں

نہیں کوئی بابِ قبول آسماں پر
بھٹک کر کدھر جا رہی ہیں دعائیں

ہماری عبادت تو ہے یاد ان کی
وہ مجبور ہو کر، ہمیں بھول جائیں

اسی آرزو میں بسر ہو رہی ہے
پھر اِک بار تم کو کہیں دیکھ پائیں

چلو ان کے اُوپر پھر اِک روز ساغر
مقدر کو اِک بار پھر آزمائیں

◉

○

لذتِ آغاز ہی کو جاوداں سمجھا تھا مَیں
اے محبت تیری تلخی کو کہاں سمجھا تھا مَیں

کُچھ بلند از جذبۂ سود و زیاں سمجھا تھا مَیں
عشق میں ہی پستیاں ہیں یہ کہاں سمجھا تھا مَیں

مَیں نے اب جانا تری موجِ کرم ہے زندگی
آج تک تو زندگی کو رائگاں سمجھا تھا مَیں

شعلۂ گُل اشکِ شبنم برق اِک رقصِ شرر
کن اندھیروں کو چراغِ آشیاں سمجھا تھا مَیں

غور سے دیکھا تو گمُ راہوں کا اِک سیلاب تھا
جس ہجومِ حق نگر کو کارواں سمجھا تھا مَیں

وہ بھی بے پروا سی آوارہ سی مستغنی سی ہے
جس نظر کو حاصلِ کون و مکاں سمجھا تھا مَیں

◉

کچھ دُور نہیں ہے وہ زمانہ
بجلی ہو گی نہ آشیانہ

پھر نغمہ ہو کوئی دلبرانہ
دل کے لیے موت ہے زمانہ

تخریب مری جنونِ تعمیر
تعمیر مری مدافعانہ

بنیادِ حیات رکھ رہا ہوں
تخریب تو ہے فقط بہانہ

پرواز کر اے اسیرِ گلشن
ہر شاخ ہے تیرا آشیانہ

بجلی جو گرے تو غم نہ کیجے
سو بار بنے گا آشیانہ

سوتا مجھے دیکھ کر مسلسل
چپکے سے گذر گیا زمانہ

جودت مری بت شکن ہے ساغرؔ
فطرت مری صرف آذرانہ

خود حسن جس کی شانِ وفا پر فدا نہ ہو
وہ عشق کیا جو حاصلِ ہر دوسرا نہ ہو

مٹنے دے اپنے جلوۂ رنگیں پر آج ہی
کیا جانے کیا ہو کل تری محفل میں کیا نہ ہو

ایک شعلۂ تابناک ہے ہر وقت روح میں
اے کاش آرزو کا کبھی خاتمہ نہ ہو

شرما رہا ہوں ان کی نگاہوں سے نزع میں
گھبرا رہا ہوں یہ بھی فریبِ وفا نہ ہو

ساغر ہے اپنی ذات سے ساقی بھی میکدہ
بادہ نہ ہو، بہار نہ ہو، میکدہ نہ ہو

○

اللہ رے یہ سلسلۂ مست کلامی
ہر لمحہ ہے پیغام، ہر اک سانس پیامی!

بیدار قیامت نہ ہو، فتنے نہ مچل جائیں
یہ حشر خرامی، ارے یہ حشر خرامی!

واں اُڑ بھی چکے نامہ و پیغام کے ٹکڑے
یاں شوق کہ اب لوٹ کے آتا ہے پیامی

اللہ رے مصروفیتِ نامہ و پیغام
آتا ہے پیامی کبھی جاتا ہے پیامی

ساغر اسی میخانے کا ہے رندِ بلانوش
جس میکدۂ شوق کا مے نوش تھا جامی

◉

صہبا کفِ ساغر میں اکسیر نظر آئی
شیشہ میں جوانی کی تصویر نظر آئی

آ غنچۂ افسردہ پہلو میں تجھے رکھ لوں
تجھ میں دلِ فانی کی تصویر نظر آئی

ویرانِ تمنا کی مایوس نگاہوں میں
برباد دو عالم کی تعبیر نظر آئی

طاری ہوئے وحشت کے آثار نشیمن پر
بل کھائی ہوئی ڈالی زنجیر نظر آئی

عالم ترے جلوؤں سے معمورِ اثر نکلا
دُنیا تری محفل میں دلگیر نظر آئی

○

نہ وہ نغمۂ سحری رہا، نہ وہ آہِ نیم شبی رہی
نہ مری نوا عجمی رہی، نہ مری نوائے عربی رہی

نہ وہ حسن میں رہی تازگی، نہ وہ عشق میں رہی تشنگی
نہ تجھے مذاقِ ستم رہا، نہ مری جفا طلبی رہی

نہ وہ کنجِ گل، نہ وہ دورِ مے نہ سرورِ مے، نہ وفورِ مے
نہ وہ تیرے لب رہے مے چکاں نہ وہ میری تشنہ لبی رہی

نہ وہ ساقیا کی شرارتیں، نہ وہ محتسب کی شکایتیں
نہ وہ مے کشی کا جنوں رہا نہ وہ داروئے عنبی رہی

نہ مزاجِ علم میں جرأتیں، نہ دماغِ جہل کو ہیں ضدیں
نہ وہ آنِ حق طلبی رہی، نہ وہ شانِ بولہبی رہی

نہ وہ دل رہا نہ وہ دل میں ظرفِ ورودِ نور و ضیا رہا
نہ وہ آئینہ، نہ وہ آئینہ میں نزاکتِ حلبی رہی

مگر آہ ساغرِ خستہ جاں، ابھی دل میں سوز کا ہے نشاں
کبھی گرم ہو گی حیات پھر جو یونہی یہ آگ دبی رہی

◉

سبو و جام پر کیا اور پیمانے پہ کیا گذری
ہمارے بعد ساقی تیرے مےخانے پہ کیا گذری

بگولو تم پہ روشن ہیں رموزِ خاکِ ویرانہ
کہ جب مجنوں نے دم توڑا تو ویرانے پہ کیا گذری

دِوانہ مر گیا طوق و سلاسل اب تو کچھ بولو
کہ زنداں سے رہائی پا کے دیوانے پہ کیا گذری

خدارا کوئی تو کھینچو اُجڑتی بزم کا نقشہ
بجھی جب شمع محفل میں تو پروانے پہ کیا گذری

تجھے تو ہوش ہے ساقی کہ جب میکش نے دم توڑا
تو بیتی جام پر کیا اور پیمانے پہ کیا گذری

نہیں ہے وہ تو اے شیخ و برہمن تم ہی بتلاؤ
حرم کے دل پہ کیا بیتی صنم خانے پہ کیا گذری

کہو کچھ میکشو راز آشنائے کیف و کم تم ہو
کہ ساغر کے نہ ہوتے اس کے میخانے پہ کیا گذری

○

اللہ اللہ یہ سحرِ تشنہ لبی
ہر نظر ہے فشردۂ غنچی

ایک دن لے لیا تھا نام ترا
بات یہ پھر دبائے سے نہ دبی

احترامِ حریمِ حُسن نہ پوچھ
سجدہ بھی ہے کمالِ بے ادبی

بن کہے کیوں نہ آپ رحم کریں
کیوں ہو رُسوا مری کرم طلبی

سہہ گئے سوزِ عشق کو ہم تو
حسن سے کب مگر یہ آگ دبی

بارگاہِ جنوں میں اے ساغرؔ
ہے ادب بھی کمالِ بے ادبی

◉

پئیں ساقیا کیا جوانی میں پانی
مئے ارغوانی، مئے ارغوانی

زہے فیضِ کیف نسیمِ جوانی
یہ راتیں گلابی، یہ صبحیں سہانی

عجب داستاں آفریں ہے جوانی
نگاہیں فسانہ ادائیں کہانی

محبت حقیقت، نہ نفرت حقیقت
نہ یہ جاودانی، نہ وہ جاودانی

نہ رہبر، نہ مشعل، نہ جادہ نہ منزل
چلی جا رہی ہے جوانی دِوانی

تڑپ جائے پیری، مچل جائے پیری
جو میں چھیڑ دوں اُٹھ کے سازِ جوانی

بغاوت جوانوں کا مذہب ہے ساغرؔ
غلامی ہے پیری' بغاوت جوانی

○

اُلٹے سیدھے شکووں پر وہ کافر حیراں کیا ہوگا
عشق ہی آنکھیں نیچی کر لے حُسن پشیماں کیا ہوگا

آنسو بن کر ٹپکا بھی تو کارِ نمایاں کیا ہوگا
اے غمِ پنہاں، اے غمِ پنہاں، اے غمِ پنہاں کیا ہوگا

غرق ہوئے تو ہو جائیں گے کار نمایاں کیا ہوگا
موج کے اُٹھنے گرنے سے نقصانِ طوفاں کیا ہوگا

طوفاں طوفاں بہتے پھرنا رسوائی ہے کشتی کی
بچ نکلے تو دُنیا کو اندازۂ طوفاں کیا ہوگا

کشتی نذرِ موجِ بلا ہے، موجِ بلا کا کیا کہنا
ساحل تک پہنچا بھی دیا تو ہم پر احساں کیا ہوگا

◉

خندہ زن بجلی پہ شاخِ آشیاں ہونے لگی
وہ بہار آئی مری دنیا جواں ہونے لگی

مرحبا اے جذبۂ خود اعتمادی مرحبا
وہ بلا طوفان کا دل کشتی رواں ہونے لگی

ابر کے پردے سے بجلی مسکرائی بھی نہ تھی
پتی پتی ٹہنی ٹہنی آشیاں ہونے لگی

الاماں اے تلخیِ احساسِ پیہم الاماں
طبعِ محزوں پر محبت بھی گراں ہونے لگی

سچ بتا اے نامرادی کون سی منزل ہے یہ
آرزو سی چیز بھی دل پر گراں ہونے لگی

○

نہ وہ میرا عہدِ جنوں رہا نہ وہ سُرخ پیرہنی رہی
نہ وہ تیرے دوشِ حسین پہ موجِ ردائے یاسمنی رہی

نہ وہ رنگ ہے نہ وہ چنگ ہے نہ وہ حرص و شوق کی جنگ ہے
نہ وہ رقصِ مغبچگاں رہا نہ وہ گرم انجمنی رہی

نہ وہ جشن ہائے مَے و سُبو نہ وہ شمع اور نہ وہ شمع رُو
نہ وہ نسترن نفسی رہی، نہ وہ شعلہ انجمنی رہی

کبھی راہ میں جو ملے بھی تُو تو کہاں مجھے سرِ گفتگو
نہ وہ میری جرأتِ لب رہی نہ وہ تیری کم سخنی رہی

نہ وہ زخم شور فشاں رہے نہ ستارے نوحہ کناں رہے
نہ وہ میرے مرثیہ خواں رہے نہ وہ میری بے کفنی رہی

◉

○

وہ میری جولانگاہ نہیں، وہ میرا فرشِ خواب نہیں
جس دریا میں طوفان نہیں، جن موجوں میں گرداب نہیں

افسردہ و جامد خاک میں بھی بےتاب ہے سوزِ مواجی
سطحِ دریا بے آب سہی روحِ دریا پایاب نہیں

آسان نہیں اِس دنیا میں سپنوں کے سہارے جی سکنا
سنگین حقیقت ہے دنیا یہ کوئی سنہری خواب نہیں

مجھ پر ہی نہیں خود میری نظر کیا شمس و قمر کیا شام و سحر
وہ کون سی شے ہے فطرت میں جو میرے لیے بےتاب نہیں

پوشیدہ ہے اس کے ذرّوں میں خوابیدہ بہاروں کی دُنیا
جو کھیت ابھی سرسبز نہیں، دھرتی جو ابھی شاداب نہیں

ہستی ہے بظاہر اے ساغرؔ آمیزۂ خواب و بیداری
اور پھر بھی جینا ہوش نہیں، اور پھر بھی ہستی خواب نہیں

◉

اِک گود کی ہے رونق، اِک شمع انجمن میں
دو پھول ہی بہت ہیں اے دل مرے چمن میں

اِک آفتاب سے ہے کُل کائنات روشن
اِک ماہ سے تجلّی تاروں کی انجمن میں

یہ تو شگفتہ کلیاں، کلیاں نہیں ہیں لوگو
افلاس کھِل رہا ہے ہر سُو مرے چمن میں

کم مائگی سے خم ہیں گندم کی سبز بالیں
یا آگ لگ رہی ہے کھیتوں کے تن بدن میں

سورج نہیں ہے پنہاں، چندا نہیں ہے حیراں
سوچو تو کہکشاں ہے مُٹھی سی اِک کرن میں

اِک شمع کے علاوہ تو دوسری جلائے
گنجائشیں کہاں ہیں چھوٹی سی انجمن میں

جب روشنی بڑھے گی، تاریکیاں بڑھیں گی
ہو جائے گا اندھیرا حسرت کی انجمن میں

جذبوں میں بہنے والے اِس سمت بھی نظر کر
طوفان اُٹھ رہا ہے ہر موجۂ جمن میں

O

مرے تصور میں ہنس رہے ہیں، مرے تخیل میں چل رہے ہیں
کبھی اِدھر سے نکل رہے ہیں، کبھی اُدھر سے نکل رہے ہیں

جھکی ہوئی نشہ سے ہیں آنکھیں تمام لغزش بنے ہیں لیکن
یہ کوششِ ناتمام دیکھو کہ ہر قدم پر سنبھل رہے ہیں

لچک لچک کر، ٹھہر ٹھہر کر، کبھی بگڑ کر، کبھی سنور کر
وہ میرے ہمراہ چل رہے ہیں مگر مصیبت سے چل رہے ہیں

غرض ہے میری روح و دل کو بیک ادا پائمال کر دیں
بہانہ یہ ہے کہ بازوؤں کا سہارا لے کر سنبھل رہے ہیں

زباں میں لکنت، نظر میں مستی، قدم قدم پہ گمانِ لغزش
مگر دکھانے کو ان کے ساغر طرح طرح سے سنبھل رہے ہیں

◉

○

سُنا ہے یہ جب سے کہ وہ آ رہے ہیں
دل و جاں دِوانے ہوئے جا رہے ہیں

معطّر، معطّر، خراماں خراماں
نسیم آ رہی ہے کہ وہ آ رہے ہیں

نگاہیں گلابی، ادائیں شرابی
بہکتے مچلتے سے چلے آ رہے ہیں

فلک بن گیا میرا دوشِ تخیّل
سہارا لیے وہ چلے آ رہے ہیں

نظر ان کے جلووں کے طوفاں میں گم ہے
ہجومِ نظر سے وہ گھبرا رہے ہیں

انھیں بڑھ کے کیا نذر دیں ہم الٰہی
متاعِ دل و جاں پہ شرما رہے ہیں

کبھی لعل و گوہر، کبھی لالہ و گل
ابھی ہنس رہے تھے ابھی گا رہے ہیں

کرم کی یہ مجبوریاں اللہ اللہ
نظر سے دِلاسے دِیے جا رہے ہیں

مری رُوح میں چھپ کے ہر وقت ساغرؔ
وہ اِک نغمۂ جاوِداں گا رہے ہیں

◉

○

رُوح و دل میں سمائے جاتے ہیں
وہ تو ہستی پہ چھائے جاتے ہیں

مجھ سے دامن چھڑائے جاتے ہیں
شوق کو آزمائے جاتے ہیں

ہوش رخصت ہوئے کبھی کے مگر
آنکھ سے وہ پلائے جاتے ہیں

جان و دل خاک ہو چکے کب کے
اور وہ مسکرائے جاتے ہیں

عشق محدود و حُسن لامحدود
ہم سے آگے وہ پائے جاتے ہیں

شک نہ کر میری خشک آنکھوں پر
یوں بھی آنسو بہائے جاتے ہیں

پیکرِ کفر بن کے وہ ساغر
دین و دُنیا پہ چھائے جاتے ہیں

◉

آنکھ تمھاری مست بھی ہے مستی کا پیمانہ بھی
ایک چھلکتے ساغر میں مے بھی ہے میخانہ بھی

شمع بھی سازِ محفل ہے زینت ہے پروانہ بھی
حُسن کی سشا میں دیکھ ذرا راز بھی ہے افسانہ بھی

بے خودیِ دل کیا کہنا سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں
ہستی سے مانوس بھی ہوں، ہستی سے بیگانہ بھی

حُسن نے تیرے دُنیا میں کیسی آگ لگا دی ہے
برق بھی شعلہ برپا ہے رقص میں ہے پروانہ بھی

وسعتِ وحشت تنگ ہوئی اُجڑا گھر دیوانوں کا
نجد کے اِک سودائی نے لوٹ لیا ویرانہ بھی

آج محبت رسوا ہے ہاتھوں سے ہُشیاروں کے
عشق کی پہلی دُنیا میں تھا کوئی دیوانہ بھی

دل کی دُنیا جلتی ہے روکو اپنی نظروں کو
کافر لوٹے لیتی ہیں آج تجلّی خانہ بھی

گردشِ مستِ نگاہوں کی آخر وجد انگیز ہوئی
چکر میں ساغر بھی ہے دور میں ہے پیمانہ بھی

○

وہ دردِ عشق دے کر ظرفِ ہستی آزماتے ہیں
ہم اس بارِ گراں کو زندگی کہہ کر اُٹھاتے ہیں

تلاطم ہی نہیں اے ہمتِ دل وجہِ غرقابی
کہ اکثر بے تلاطم بھی سفینے ڈوب جاتے ہیں

کبھی جب یاد آجاتی ہے ماضی کے اندھیروں کی
دلِ ویراں میں لاکھوں ماہ و انجم مسکراتے ہیں

شگفتِ گُل کنایہ ہے ترے لب ہائے نازک کا
اشارہ پا کے تیرا ماہ و انجم مسکراتے ہیں

دکھاوے کے تغافل سے کہیں چھپتا ہے محفل میں
وہ جذبہ جس کو مشکل سے وہ آنکھوں میں چھپاتے ہیں

اُبھرتے ہیں جمالِ زندگی بن کر مرے فن میں
زمانے کے وہ نشتر جو جگر میں ڈوب جاتے ہیں

کئی راتیں تری فرقت میں ایسی بھی گزرتی ہیں
نہیں ہوتا اِک آنسو اور دو عالم ڈوب جاتے ہیں

چمن اس کا بہار اس کی ہے شب بیداریاں اُس کی
جسے ساغرؔ نسیمِ زلف کے جھونکے جگاتے ہیں

تصور جب کبھی اس پیکرِ نوریں کا آتا ہے
ہزاروں پیرہن تاریکیوں میں سرسراتے ہیں

ہمارے ظرف سے مربوط وجدان و خرد ساغرؔ
ہماری لغزشِ پا پر دو عالم ڈگمگاتے ہیں

◉

کسی پہ کھل جائے رازِ دل کیوں کوئی طبیعت شناس کیوں ہو
اثر سے بھیگا ہوا پسینہ کسی کی پلکوں کے پاس کیوں ہو

خوشیوں میں ہراس کیوں ہو، چراغِ تصویرِ یاس کیوں ہو
جو ہو مجھے اعتبارِ وعدہ، تو شام اتنی اُداس کیوں ہو

بشارتیں کون دے گا مجھے طلوعِ سحر سے پہلے
کہ جو مرا رازدارِ شب ہو وہی ستارہ شناس کیوں ہو

زبانِ خاموش و چشمِ حیراں طلب کے ہیں دو یہی طریقے
جسے یقیں ہو تجلیوں کا وہ خستۂ التماس کیوں ہو

حسین چہرہ رُستا ہوا ہے کھلے ہوئے بال ہیں پریشاں
شگفتگی اس ادا پہ صدقہ ادھر تو آؤ اُداس کیوں ہو

بتاؤ تم ہی یہ کیا فسوں ہے، یہ فصل کیا ہے، یہ وصل کیوں ہے
مری نگاہوں سے دور رہ کر مرے دل و جاں کے پاس کیوں ہو

یہ صحنِ گلشن یہ نجم و اختر، یہ رقصِ ساقی یہ دورِ ساغر
یہاں بھی یاد آگئی کسی کی بتاؤ ساغر اداس کیوں ہو!

○

بڑے ساحر کا ہے یہ کارخانہ دیکھتے جاؤ
طلسمِ انقلاباتِ زمانہ دیکھتے جاؤ

سفینے ڈوبتے ہیں کس کے اور کس کے تیرتے ہیں
کدھر جاتا ہے سیلابِ زمانہ دیکھتے جاؤ

فقط اِک گھر کی بربادی نہیں ہے منظرِ طوفاں
کہ بربادی تو ہے خانہ بہ خانہ دیکھتے جاؤ

صنم خانے میں ہر ضرب براہیمی ہے دامن کش
کہاں جاتے ہو، صنعِ آذرانہ دیکھتے جاؤ

نسیمِ صبح بھی ہے سازِیں اور شعلۂ گل بھی
مگر کب آگ بنتا ہے ترانہ دیکھتے جاؤ

اسی کی خاک سے تازہ بہاریں مسکرائیں گی
کہ باقی ہے نشانِ آشیانہ دیکھتے جاؤ

فروغِ گل سے پھونکا آشیانے کو تو کیا غم ہے
جلائے گا گلوں کو آشیانہ دیکھتے جاؤ

◉

○

بدی کو بد کھوے گی نیکی، غموں کو سمجھو خوشی ملے گی
جہاں جہاں ہے گھنا اندھیرا وہیں وہیں روشنی ملے گی

خرد کو اپنی جنوں بنا کر جو زندگی کو خراج دے گا
یہاں اسی صاحبِ خرد کو جنوں کی پیغمبری ملے گی

پلائے جا تند و تیز ساقی نہ میں ہوں باقی نہ تو ہے باقی
نہ اجرِ کم ہمتی ملے گا نہ دادِ تشنہ لبی ملے گی

کسے گماں تھا کہ زعمِ خالق کے باوجود آدمِ حزیں کو
نہ عشرتِ خواجگی ملے گی، نہ لذتِ بندگی ملے گی

یہ ناامیدی، یہ بے یقینی، تعین و امید کی جھلک ہے
انھیں اندھیروں کو پار کر کے تعین کی روشنی ملے گی

ہزار ہو خاک قلبِ ساغر مگر اسی خاک میں ہے جوہر
تلاش جب اہلِ دل کریں گے شرر کی دنیا دبی ملے گی

◉

○

رُوح کی تسکین کا باعث کوئی منزل نہ تھی　　یعنی میری زندگی کا مَوت بھی حاصل نہ تھی
پردۂ پندار کا تو ذکر ہی کیا ہے میاں　　خود محبّت میرے تیرے درمیاں حائل نہ تھی
مسکراؤ مسکراؤ ہائے چپ کیوں ہو گئے　　تم غلط سمجھے یہ وجہِ اضطرابِ دل نہ تھی
حجلۂ فردوس، بامِ عرش، بزمِ لامکاں　　میری نظروں میں تری محفل تری محفل نہ تھی
اِک نئی دنیا کا نقشہ تھی لبِ ناکام پر　　تم نے ٹھکرایا جسے وہ آرزوئے دل نہ تھی
ہر قدم پر زندگی، ہر زندگی اِک مرگِ نو　　اے مرے خالق یہ دُنیا تو مرے قابل نہ تھی
اک حقیقت تھی مگر پنہاں حجاب اندر حجاب　　اس مجاز آباد میں اک چیز بھی باطل نہ تھی
سینۂ طوفانِ بحرِ بے کراں تھا اور میں　　ہائے وہ لمحے کہ فکرِ کشتی و ساحل نہ تھی

میری کشتی اور ساحل میں تھا ربطِ باہمی
اضطرابِ موج کی دیوار بھی حائل نہ تھی

◉

○

حیاتِ ناگہاں میری نہ مرگِ ناگہاں میری
مرتّب ہو گئی ہے خود بخود اِک داستاں میری

فقط ہے کارفرما اِک کشش طوفان و ساحل کی
نہ موجوں میں روانی ہے نہ کشتی ہے رواں میری

کلیم و طور کی تاریخ پھر زندہ نہ ہو جائے
یہ تیرا مستقل سہنا یہ جانِ ناتواں میری

دماغ آزاد، دل آزاد، روحِ ناتواں آزاد
جو ہمّت ہو تو کوئی چھین لے آزادیاں میری

تمھاری رُوح احساسِ وفا سے تھرتھرائے گی
ادھر آؤ مِرے کہنے سے سُن لو داستاں میری

زبانِ حسن اور ذکرِ محبت کیا مقدر ہے
وہ خود دُہرا رہے ہیں آج ساغرؔ داستاں میری

◉

کیا سُنائیں کہ ہم پہ کیا گذری
عشق میں ہر قدم پہ کیا گذری

موجۂ اشکِ غم پہ کیا گذری
جذبۂ یم بہ یم پہ کیا گذری

عارضِ لالہ گوں پہ کیا بیتی
گیسوئے خم بہ خم پہ کیا گذری

ساغرِ چشم کیوں ہوا پُر نم
حُسن کے جامِ جم پہ کیا گذری

ان کو دیکھو کہ اُن پہ کیا بیتی
یہ نہ پوچھو کہ ہم پہ کیا گذری

اے نسیمِ سحر بتا تو سہی
اُس سراپا اِرم پہ کیا گذری

چاند تھا پھول تھے ستارے تھے
کاروانِ الم پہ کیا گذری

ہم کہاں تھے جو دیں پتا اپنا
اُن سے پوچھو کہ اُن پہ کیا گذری

مرحبا ذوقِ آبلہ پائی
راہ کے پیچ و خم پہ کیا گذری

نو اسیرانِ دیر کیا جانیں
طائرانِ حرم پہ کیا گذری

تیرا دستِ طلب جھٹک تو دیا
تیرے ظرفِ کرم پہ کیا گذری

ہے یہی راہِ عافیت ساغر
ہم نہ سمجھیں کہ ہم پہ کیا گذری

○

کیا کبھی بارشِ نغمات نہیں ہو سکتی
ہائے کیا ان سے کبھی بات نہیں ہو سکتی

کیا مجھے جامِ مئے ناب نہیں مل سکتا
کیا کبھی اُن سے ملاقات نہیں ہو سکتی

گھر کے گوشوں میں جو ہوتی ہے مسلسل شب و روز
میرے پہلو میں وہ برسات نہیں ہو سکتی

کیا اندھیرے مری راتوں کے نہیں چھٹ سکتے
کیا مرے غم کی سحر رات نہیں ہو سکتی

ہم نے چپ رہنے کی محفل میں قسم کھائی ہے
لاکھ وہ چاہیں مگر بات نہیں ہو سکتی

اس کی یادوں سے چراغاں ہی چراغاں ہے حیات
میری دُنیا میں کبھی رات نہیں ہو سکتی

◉

○

نہ کشتی ہے نہ فکرِ ناخدا ہے
دلِ طوفاں طلب کا آسرا ہے

ہمیں تو خوئے تسلیم و رضا ہے
ترے ذوقِ کرم کو کیا ہوا ہے

الٰہی خیر ناموسِ وفا کی
انھیں بھی منکرِ ناموسِ وفا ہے

سبک سارانِ ساحل جانتے ہیں
دلِ ساحل میں کیا طوفاں بپا ہے

کہیں الفاظ کے ہوتے ہیں طوفاں
دعا بھی اِک فریبِ ناخدا ہے

نئے طوق و سلاسل ڈھل رہے ہیں
جنونِ شوق کی پھر ابتدا ہے

نہیں یہ نغمۂ شورِ سلاسل
بہارِ نو کے قدموں کی صدا ہے

فروغِ ماہ کیا اور کہکشاں کیا
یہ میرے ماہِ نو کی خاکِ پا ہے

زمانے کی غلامی ہم نفس کیوں
زمانہ آدمی کی خاکِ پا ہے

شکایت ہائے سوزِ تشنگی کیوں
ابھی ساغر درِ مے خانہ وا ہے

◉

ندیم دردِ محبت بڑا سہارا ہے
اِسی لیے غمِ دوراں ہمیں گوارا ہے

تری امیدِ غمِ عشق کا سہارا ہے
کہاں کی موت، ہمیں زندگی گوارا ہے

حیات ہے ترے لب ہائے سُرخ کی جُنبش
زمانہ چشمِ سیہ مست کا اشارا ہے

زمانہ کہتا ہے ہنگامۂ حیات جسے
مرے ہجومِ تمنا کا استعارا ہے

جو میرے دِل کو ہے آتشکدہ بنائے ہوئے
وہ سوز ان کی نظر سے بھی آشکارا ہے

اکیلا چھوڑ کے طوفان کو گذر جائے
یہ بے رُخی مری کشتی کو کب گوارا ہے

نہیں ہیں اے غمِ فرقت یہ دھڑکنیں دل کی
ادھر سے شوقِ ملاقات کا اشارہ ہے

وہ اپنے دستِ حنائی سے اُٹھ کے جام تو دے
کہاں کی تلخیٔ مَے زہر بھی گوارا ہے

خزاں کو کب تھا سلیقہ کہ پھونکتی دل وجاں
ہمیں تو موسمِ گُل میں گُلوں نے مارا ہے

وفائے دوست کی مستی نصیب ہے ساغرؔ
جفائے دہر فقط اس لیے گوارا ہے

ذکر تیرا خیال تیرا ہے
لب پہ ہر دم سوال تیرا ہے

دن ہے اور تیری یاد کی خوشبو
رات ہے اور خیال تیرا ہے

یہ ستارے، یہ پھول، یہ کلیاں
ہر طرف یہ جمال تیرا ہے

ہم پہ جو بیتتی ہے جانتے ہیں
کہ یہی حال چال تیرا ہے

میرے دن رات جس میں اُلجھے ہیں
یہ بھی دامِ خیال تیرا ہے

ہم کسی طرح صبح کر لیں گے
شبِ ہجراں سوال تیرا ہے

حسن کیا ہے ترا عروجِ نظر
عشق کیا ہے، کمال تیرا ہے

کہیں مرتے ہیں چاہنے والے
یہ بھی ساغرؔ خیال تیرا ہے

مآلِ غم سمجھ او غم کا حاصل دیکھنے والے
ترے پہلو میں بھی دِل ہے مرادل دیکھنے والے

ہر اک موج ایک ساحل ہے بقائے جاودانی کا
بھنور کی بے کسی میں موجِ ساحل دیکھنے والے

شراب اندر شراب و جلوہ در جلوہ معاذ اللہ
نظر لائیں کہاں سے تیری محفل دیکھنے والے

یہ وہ آئینہ ہے جو مظہرِ رازِ حقیقت ہے
سنبھل کر دیکھنا تصویرِ باطل دیکھنے والے

یہیں ہر موج میں ہے اِک نئے ساحل کا نظارہ
وہ کوئی اور ہوں گے سوئے ساحل دیکھنے والے

شکستِ آرزو کی ایک تصویرِ مجسّم ہوں
مجھے دیکھیں مرا ٹوٹا ہُوا دل دیکھنے والے

بعید از منتہا ہے میرے محسوسات کی دُنیا
کہیں دھوکا نہ کھائیں حدِ منزل دیکھنے والے

کبھی میری شکستِ آرزو کا بھی تماشہ کر
تماشائے شکستِ موجِ ساحل دیکھنے والے

۱۹۰

ہائے کیا بات ان سے کہہ نہ سکے
بن کہے بھی جو راز رہ نہ سکے

جرأتِ شوقِ ناتواں معلوم
اَن کہی کیا کہی بھی کہہ نہ سکے

لاکھ طوفانِ شوق تھے دل میں
واں جو پہنچے تو کچھ بھی کہہ نہ سکے

انھیں طوفان بھی نہ آیا راس
جو مخالف رُخوں میں بہہ نہ سکے

ہر نفس موت سے سوا تھا مگر
موت ہم زندگی کو کہہ نہ سکے

دیکھ کر میری بے ہشی کا جمال
ہوش میں وہ بھی اپنے رہ نہ سکے

ایک بات اُن سے ہم کو کہنی تھی
اور وہی بات اُن سے کہہ نہ سکے

ہائے یہ جبرِ زندگی ساغر
آج تک دِل کی بات کہہ نہ سکے

○

جاگ اندھیروں کے متوالے
نغمہ سرا ہیں کب سے اُجالے

تیری متاعِ نور نہیں کم
کیا یہ اندھیرے کیا یہ اُجالے

منزل منزل بڑھتا ہی جا
کب تک آخر پاؤں میں چھالے؟

آخر ترکش ہو گا خالی
تیر جو آئیں دل پر کھالے

ایسے بھی طوفان آئیں گے
اُبھریں گے پھر ڈوبنے والے

موجیں، ہیں طوفان کے بس میں
اور کشتی موجوں کے حوالے

یہ بھی زنداں، وہ بھی زنداں
کیا یہ مسجد، کیا یہ شوالے

یا رب ہے یہ کونسی منزل
رہزن، رہبر سب متوالے

ساقی بے خود ساغر بے خود
کس کو سنبھالے کون سنبھالے

◉

حیرت سے تک رہا ہے جہانِ وفا مجھے
تم نے بنا دیا ہے محبّت میں کیا مجھے

ہر منزلِ حیات سے گُم کر گیا مجھے
مُڑ مُڑ کے راہ میں وہ ترا دیکھنا مجھے

ہر ذرّہ کائنات کا ہے آئینا مجھے
ہر آئینہ ہے خندۂ دنداں نما مجھے

کیا انقلاب ہے غمِ دوراں ترے نثار
اب وہ بھی سب سے کہنے لگے بے وفا مجھے

طوفاں میں ناخداؤں کی کوئی کمی نہیں
ملتا ہے موج موج میں اِک ناخدا مجھے

مانگی نہ تھی دُعا تو بھرم کچھ خودی کا تھا
بدنام کر گیا مرا دستِ دُعا مجھے

میرے جنونِ شوق کی رفتار دیکھ کر
خود بحرِ بے کراں نے دیا راستہ مجھے

جب میں نے اُن کی آہنی دیوار توڑ دی
ناممکنات نے کہا مُشکل کشا مجھے

موجوں نے میرے ہاتھ میں پتوار دے دیے
طوفان نے بنا ہی دیا ناخُدا مجھے

حالانکہ ایک کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں ہم
پہچانتے نہیں مرے ارض و سما مجھے

آتے نہیں سمجھ میں خم و پیچ رہبری
مَیں رہنما کو دیکھتا ہوں رہنما مجھے

کچھ اس قدر ہے نغمۂ منزل کی سرخوشی
ہے خامشی بھی راہ کی بانگِ درا مجھے

شاخِ گلابِ سُرخ سے خاکِ گلاب تک
محسوس اِک نفس کا ہوا فاصلہ مجھے

جیسے کوئی چٹان کسی لاش کو تکے
اس طرح تک رہے ہیں یہ ارض و سما مجھے

ساقی ہے اور نہ مَے ہے نہ ساغر نہ ماہتاب
بس مَیں ہی مَیں ہوں کوئی نہیں دیکھتا مجھے

اُٹھا یہ کون ساغر و مینا لیے ہوئے
مستانہ لغزشوں کا سہارا لیے ہوئے

الزام کیوں ہے چشمِ تماشائے شوق پر
جلوے ہیں خود پیامِ تمنا لیے ہوئے

اب نازِ عاشقی کو ہے اس دن کا انتظار
وہ آئیں میرے در پہ تمنا لیے ہوئے

حدِ تعینات سے کوسوں نکل گئے
مَیں ان کا اور وہ میرا سہارا لیے ہوئے

ساغر حدودِ عشرت و غم سے گذر گیا
ساقی کی اِک نظر کا سہارا لیے ہوئے

تم جو چھیڑو مُسکرا کر، ساز ہے
ورنہ ساز اِک تارِ بے آواز ہے

آج کِن ہاتھوں میں دل کا ساز ہے
دُور تک آواز ہی آواز ہے

خواب اے عشقِ مغنّی تا کُجا
اُٹھ محبت گوش بر آواز ہے

قہقہے بھی ہیں خروشِ درد و غم
گیت بھی اِک دُکھ بھری آواز ہے

ٹوٹ کر ساغر بنا کرتا ہے دِل
ساز کا حاصِل شکستِ ساز ہے

○

وہ عالم آج دِل پر چھا رہا ہے
ہمیں جینے پہ رونا آ رہا ہے

یہ ناکامی محبت کی الٰہی
محبت سے بھی دل گھبرا رہا ہے

دلِ مایوس کا عالم نہ پوچھو
کنوَل اِک صبح دَم مُرجھا رہا ہے

جب اقرارِ وفا تم نے کیا تھا
مجھے وہ وقت کیوں یاد آ رہا ہے

نہ غم ہے اور نہ بارِ غم ہے کوئی
مگر دل ہے کہ بیٹھا جا رہا ہے

مسلسل وہ نیازِ حُسن ساغرؔ
محبت کو پسینہ آ رہا ہے

◉

خلوت میں چپ رہوں سرِ محفل کہا نہ جائے
ان کی خوشی یہ ہے کہ غمِ دل کہا نہ جائے

آئینہ بھی حسیں ہے حقیقت میں پھول بھی
کیا کیجیے جو تیرے مقابل کہا نہ جائے

محفل کو کر رہی ہے وہ کافر نظر خراب
صرف اس لیے کہ زینتِ محفل کہا نہ جائے

غارت گریِ حسن کرے شکریہ قبول
اب دِل مِرا وہ دل ہے جِسے دل کہا نہ جائے

ساغر لبوں پہ جان ہے پلکوں پہ اشکِ یاس
کیوں کارواں کو اب سرِ منزل کہا نہ جائے

دِل تری خلوت سرا ہے اس لیے ممتاز ہے
ورنہ ہر ذرّہ کے دِل میں اِک جہانِ راز ہے

منزلِ دل کی صدائیں حسن والے کیا سُنیں
میرا پیغامِ وفا اِک دُور کی آواز ہے

ہر قدم پر بجلیاں ہیں حُسن کی نظّارہ سوز
اِک مرے دل کے لیے اتنا ہجومِ ناز ہے

جانبِ دل کوئی آتا ہے بہ اندازِ لطیف
کہہ نہیں سکتا یہ تُو ہے یا تری آواز ہے

ختم ہوتی ہے جہاں سرحد خودی و ہوش کی
اس سے کچھ آگے نکل کر جلوہ گاہِ ناز ہے

اس کے آگے بزم میں ذکرِ وفا ہوتا نہیں
جانتے ہیں وہ کہ ساغر آشنائے راز ہے

○

اگر تو اپنی تجلّیوں کو حیا نشینِ حجاب کر دے
تو پھر مجھے وہ پسند جس کو تری نظر انتخاب کر دے

نظر کی جولانیاں نہ پوچھو' نظر حقیقت میں وہ نظر ہے
اُٹھے تو بجلی پناہ مانگے، جھکے تو دُنیا خراب کر دے

یہ چاہتا ہوں کہ وسعتِ غم سمٹ کے رہ جائے میرے دل میں
نہ جانے دُنیا کا حال کیا ہو اگر خُدا کامیاب کر دے

ہر ایک ذرّہ کو چھانتا ہوں کہ ہو محبّت اسی میں شاید
خُدا کرے کاوشِ حقیقت مجاز کو بے حجاب کر دے

تکلّفاتِ حیات کیسے نہ سوچ کچھ حُسنِ فتنہ ساماں
خرابیوں میں عجب مزہ ہے خراب کر دے خراب کر دے

یہ عذرِ ساقی یہ سست دستی' یہ ذوقِ میکش یہ ظرفِ مستی
اگر ہو کچھ اختیارِ ساغر تو خون کو بھی شراب کر دے

◉

نہ کرے گِلہ تو جفا سہے جو گِلہ کرے تو سزا ملے
جسے یوں سِتم کا ہو سامنا اسے خاک دادِ وفا ملے

یہ ہیں شہرِ عشق کے قاعدے یہ دیارِ حُسن کی رسم ہے
نہ تجھے جفا کا عوض ملے، نہ مجھے وفا کا صلہ ملے

تیرا ظلم چاہتے ہیں جو ہم نہیں لطف خیز ترا کرم
ہمیں کیوں رہے ہوسِ ستم جو ترے کرم میں مزہ ملے

نہ ملا کسی سے ترا پتہ، نہ حریمِ حسن کا راستہ
ہمیں راہِ عشق میں جا بجا کوئی ایک آبلہ پا ملے

یہ ہے بھید ساغرِ کم نظر کبھی ذات میں بھی تلاش کر
کہ خودی ہو عشق کی راہبر تو قدم قدم پہ خدا ملے

تو آئے گا شبِ غم کون اعتبار کرے
جسے یقین ہو تیرا وہ انتظار کرے

ہمیں تو آپ دکھا دیں ابھی جمال اپنا
جو کر سکے وہ قیامت کا انتظار کرے

مزاج عرش پہ ہے آج داد خواہی کا
وہ اور پرسشِ حالِ گنہگار کرے

میں آپ کی نگۂ سرگیں سے ڈرتا ہوں
کہیں یہ روزِ قیامت نہ شرمسار کرے

ہمیں تو کیفِ بہاراں نے کر دیا بیخود
جو ہوش میں ہے وہ اندازۂ بہار کرے

یہ راہ بھٹکے ہوؤں کی پناہ ہے ساغرؔ
زمانہ دینِ محبت کو اختیار کرے

طنابیں دو جہاں کی باندھ لی ہیں ہر رگِ دل سے
تجھے ضد ہے تو ہم بھی اب کہاں اُٹھتے ہیں محفل سے

نہ پوچھو اب دماغِ آرزو کِس آسماں پر ہے
اُڑا لایا ہوں اِک کیفِ تمنا ان کی محفل سے

مکاں پُرنور ہو اور لامکاں معمور ہو جائے
اُٹھا تو رُخ سے پردہ میں اُٹھاؤں خلوتِ دل سے

کہیں مستی میں نار و نور وابستہ نہ ہو جائیں
اُٹھانا اپنے دامن کو بچانا شمعِ محفل سے

اہانت ہو حقارت ہو مگر پھر بھی یہ حسرت ہے
بطورِ خاص وہ اِک دن اُٹھائے اپنی محفل سے

مرے ہونٹوں پہ جو نغمات بن بن کر چھلکتی ہے
یہ ساغر کھینچ کے آئی ہے ابھی میخانۂ دل سے

پہنچا ہوں جلوہ گہ تک کس وقتِ نظر سے
سو طُور پھوٹ نکلے ہر سنگِ رہگذر سے

شاید تری سمجھ میں رُودادِ غم نہ آئے
ڈرتا ہوں آرزو کی تشریحِ مختصر سے

مانا کہ فتنہ گر ہو، بجلی سے شوخ تر ہو
بچ کر نکل تو جاؤ ہنگامۂ نظر سے

بھُولے نہ مرتے مرتے آدابِ کوئے جاناں
جب سر نے ساتھ چھوڑا سجدے کیے نظر سے

خانہ خراب قسمت آخر مٹا کے مانی
اس کو بھی تھا گذرنا میری ہی رہگذر سے

ساغرؔ جب اس نے چاہی تشکیلِ حسنِ کافر
لی شام سے ملاحت رنگینیاں سحر سے

ہم کو تم پر تم کو ہم پر ناز ہونا چاہیئے
پھر وہی عہدِ وفا آغاز ہونا چاہیئے

حسن کو پھر نغمہ پرساز ہونا چاہیئے
پھر جہاں کو کشتۂ آواز ہونا چاہیئے

بیخودی میری نیازِ عشق سے بھی بے نیاز
اور ان کی ضد، اسیرِ ناز ہونا چاہیئے

پھر مجھے دینا ہے دُنیا کو پیامِ عاشقی
حسن کو بھی گوش بر آواز ہونا چاہیئے

پھر وہ آتے ہیں تبسم بر لب و ساغر بہ کف
پھر درِ میخانۂ دل باز ہونا چاہیئے

نالہ ہونٹوں پہ رہے پہلو میں دل ہو یا نہ ہو
نغمہ ساغر بے نیازِ ساز ہونا چاہیئے

○

دیوانہ بنا دے، کبھی فرزانہ بنا دے
ہنس ہنس کے مجھے عشق کا ہر راز بتا دے

ہوتا ہوں یونہی بارگہِ حُسن میں داخل
اِس بیخودیِ شوق میں اب کون صدا دے

دُزدیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی ہو
ایسا نہ ہو دِل مجھ کو گنہگار بنا دے

وہ چاہتے ہیں اپنی تجلی کا تماشا
کوئی مجھے آئینۂ دیوار بنا دے

ہے میکدہ دُور، اور فضا مستِ محبت
ساغر سے نہیں آج تو ہونٹوں سے پلا دے

اب قیدِ مراتب نہ رہی عشق میں باقی
وہ چاہے جہاں بزم میں ساغر کو بٹھا دے

◉

عشق بھی شاد کام ہے، حسن بھی کامیاب ہے
ہم ہی نہیں ہیں بے سکوں ان کو بھی اضطراب ہے

دولتِ بے شمار ہے، رحمتِ بے حساب ہے
پھر بھی نہ جانے کیا کمی باعثِ صد عذاب ہے

عظمتِ خاک سے نہیں دہر کو آگہی ہنوز
عظمتِ خاک کی قسم ذرّہ بھی آفتاب ہے

بادہ و جام و مطرب، عکس ہیں میرے کیف کا
میری حیات میکدہ، میرا عمل شراب ہے

آپ کی بارگاہِ ناز اور میری دسترس سے دُور
مَیں نہ سہی، مرا خیال بزم میں باریاب ہے

کب تری بزمِ ناز میں اب غمِ انتخاب ہے
عشق بھی باریاب ہے، حرص بھی کامیاب ہے

طنز ہیں عرش و فرش پر دہر کی ناتمامیاں
کارِ جہاں تمام کیا، کارِ جہاں خراب ہے

وحشتِ اقتدار کا نام پڑا ہے حُرّیت
حُرّیتِ بشر ہنوز صرف خیال و خواب ہے

جہد بغیر زندگی، عشق بغیر آدمی
بربطِ بے خروش ہے نغمۂ بے رباب ہے

ساز وہی صدا وہی، بندے وہی خُدا وہی
بُت وہی بُتکدہ وہی، یہ کوئی انقلاب ہے

آج بھی غم کی گود میں اونگھ رہی ہے زندگی
ہر طرف اِک جمود ہے، ہر طرف ایک خواب ہے

بند ہے بابِ میکدہ لاکھ ہو بند، محتسب
آدمی خود ہے میکدہ، زندگی خود شراب ہے

جس کی نوا سے جاگ اُٹھی رُوحِ زمانہ محتسب
ساغرِ بادہ کش وہی شاعرِ انقلاب ہے

محرومیوں سے اور بھی مختار ہم ہوئے
خود ہی کریم، خود ہی متاعِ کرم ہوئے

کیا جبر ہے کہ نامۂ اعمال اے ندیم
لکھا کسی نے ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اِک مستقل کریم کے ہوتے ہوئے بھی ہم
کیا ننگ ہے کہ بندۂ اہلِ کرم ہوئے

جو قطرے مَے کے ساغرِ مَے سے چھلک گئے
گرتے ہی فرشِ خاک پہ وہ جامِ جم ہوئے

آنکھوں میں ان کی آج جو جھانکا تو یہ کھُلا
وہ بھی ہماری طرح شہیدِ ستم ہوئے

ساغرؔ انھیں کی نسل میں اپنا بھی ہے شمار
جو اہلِ سیف عشق میں اہلِ قلم ہوئے

○

وہ میرا جانِ ہر محفل کہاں ہے
نگاہِ شوق کی منزل کہاں ہے

ستارو، تم نے دیکھا ہو تو لا دو
مری اُمّید کا حاصل کہاں ہے

مرا آنسو سہی اَنمول موتی
تمھارے ہار کے قابل کہاں ہے

تمھارا حُسن میرے دِل کی منزل
تمھارے حُسن کی منزل کہاں ہے

ہے میخانہ حقیقت ہی حقیقت
یہاں بحثِ حق و باطل کہاں ہے

◉

○

پاس ہوتا ہے دُور ہوتا ہے
وہ شبِ غم ضرور ہوتا ہے

دل میں ان کا ظہور ہوتا ہے
میرا سینہ بھی طور ہوتا ہے

کچھ حقیقت نہ ہو محبت کی
نشہ سا اِک ضرور ہوتا ہے

سجدہ کرتا ہوں اُن کو مستی میں
کتنا رنگیں قصور ہوتا ہے

جتنا اس کی طرف میں کھنچتا ہوں
اور وہ مجھ سے دُور ہوتا ہے

ہم بھی چاہیں جو غم سے تنگ آکر
تو کہاں دل سے دور ہوتا ہے

جب بھی آتا ہے بزم میں ساغر
نشے میں چور چور ہوتا ہے

◉

○

خودی ہے تورِ یقیں اور خودی ہی دودِ گماں
اسی چراغ سے تابندہ تر ہے میرا جہاں

نہ پوچھ مُطربِ رنگیں خودی کا سترِ نہاں
یہی ہے سوزِ محبت یہی ہے نغمۂ جاں

یہ جوت مجھ سے نکل کر نہ جگمگائے اگر
رہے یہ عالمِ امکاں فقط دُھواں ہی دُھواں

جو یہ شراب مرے خون میں نہ حل ہوتی
رگوں میں دوڑتا پھرتا نہ یوں جنونِ رواں

نظر اُلجھ ہی کے رہ جائے دامِ رنگیں میں
اگر یہ عمرِ بدہ جُو ہو نہ رُوح میں رقصاں

اگر یہ ساقیٔ مہ وش نہ دے نویدِ یقیں
کسے ہو مرگِ مسلسل پہ زندگی کا گُماں

خودی کا پرتوِ رنگیں ہے تیشۂ فرہاد
خودی کے سحر سے سنگِ گراں ہے جوئے رواں

جو یہ ندیم نواؤں سے دل نہ گرمائے
نہ ہو یہ عربدہ جُو گر، گرہ کشائے زماں
مِرے وجود سے دھڑکن تھی قلبِ یزداں میں
اسی کی ضرب سے ہے اہرمن کا دل لرزاں
جہاں خودی کے تلاطم کا نصب ہے پرچم
رُکا ہے ہٹ کے وہیں زندگی کا سیلِ رواں

خودی کے موجۂ طوفاں شکست پر مت جا
اسی کے طیش سے لَو دے رہا ہے شعلۂ جاں

حجاب اُٹھ گئے سارے زہے عروجِ خودی
نظر نظر ہے مشیت نفس نفس یزداں

یہ آسماں یہ کواکب یہ چاند یہ سورج
مرے خیال کی زنجیر کی ہیں کچھ کڑیاں

نہ قیمت اس کی ہے دُنیا نہ دین اس کا بدل
قیودِ نرخ سے آزاد ہے یہ جنسِ گراں

جو مَیں نے ظرف سے بڑھ کر اگر نہ پی ہوتی
الٰہی کون اٹھاتا ترا یہ بارِ گراں

دیا ہے میرے تخیل کو جس نے نورِ دوام
سُلگ اُٹھے اُسی بجلی سے خرمنِ دہقاں

وہ شمع سینۂ مزدور میں بھی روشن ہو
میں جس کے پَرتوِ انوار سے ہوں شعلہ چکاں

○

لوشۂ تاریک آفتاب زدہ
گلی گلی ہے مرے شہر کی شباب زدہ

ناب زدہ ہے نہ اب حجاب زدہ
غریب چشمِ نظارہ ہے انتخاب زدہ

اور کوئی زہر مجھ کو دے دیتی
عطائے خاص ہے اس کی کہ ہوں شراب زدہ

بادہ کشی سے یہ راز کھل ہی گیا
کہ خود حیات ہے محبوبۂ شراب زدہ

ل ہے مری تشنگی کا یہ عالم
کہ جیسے حجلۂ نو میں عروسِ خواب زدہ

ے شہر کی خوابیدگی کا حال ہے کیا
ہر ایک شے مرے ماحول کی ہے خواب زدہ

لی یہ مشقت بھلا اُٹھاتا کون
جو خود حیات نہ ہوتی نگارِ خواب زدہ

ں کی بے ہُشی بھی خواب ہوش بھی سپنا
یہ کائنات ہے کیا پیر زالِ خواب زدہ

ہدامِ مسلسل ہے سینۂ دریا
کہ موج موج ہے اِک منظرِ حباب زدہ

ن میکدہ محفوظ ورنہ اے ساقی
کوئی ثواب زدہ ہے کوئی عذاب زدہ

ا نہ مجھے دین ہی نہ دُنیا ہی
میں کل تھا خواب زدہ، آج بھی ہوں خواب زدہ

جال کہ اِس سے کوئی سوال کرے
کہ جو سوال ہے محفل میں، ہے جواب زدہ

ہ کونسی منزل پہ جا کے آنکھ کھلے
ابھی تلک تو مرا کارواں ہے خواب زدہ

تا ہے نہ خورشید ہے نہ ہیں کرنیں
ابھی سے پھول ہیں شاخوں پہ آفتاب زدہ

ہ کونسا سقراط اسے جگائے گا
کہ میری فکر ہے اب تک کنیزِ خواب زدہ

ا سے فرصت، نہ ہے زوال کا ہوش
ہر ایک گام پہ ہے زندگی شتاب زدہ

ں آئیں گے زاہد کے کیا رموزِ حیات
کہ یہ غریب تو ہے مستقل کتاب زدہ

ردشِ افلاک یہ حساب زدہ
منجم حال بتائے گا کیا مقدر کا

اِک حشر خود زدگی ہے تمھاری محفل میں — کوئی سوال زدہ ہے کوئی جواب زدہ
وہ تیرا حُسنِ جہاں سوز ہو کہ عشق مرا — عجیب ظلم ہے دونوں ہیں انقلاب زدہ
نہ میرے نالۂ جہاں سوز میں کمی آتی — ترے گلاب نہ ہوتے جو انقلاب زدہ
اِک اور عمرِ ہوس کو مری عطا ہوتی — نہ ہوتا حُسن ترا کاش انقلاب زدہ
کوئی ضمانتِ صادق نہیں مگر پھر بھی — تمام کارِ سیاست ہے "انتخاب" زدہ
الٰہی عشق کے یہ کون سے مراحل ہیں — نہ التفات زدہ ہُوں نہ اجتناب زدہ
سمندروں کی شناور نہ ہوتی یوں کشتی — ہوئی ہے شومئ قسمت سے سیلِ آب زدہ
خدا ہر اِک کو سکونِ میرِ کارواں کا سا دے — نہ اضطرار زدہ ہے نہ اضطراب زدہ
سُنا ہے جب سے مَیں پھولوں نہیں سماتا ہوں — کہ التفات کا مرکز ہے ہر عتاب زدہ
شناوری کا یہ منصب کہاں، کہاں کشتی — خُدا کا شکر کہ کشتی ہے سیلِ آب زدہ
نہ خیر سے کوئی پرسش نہ شر سے کوئی سوال — مگر ازل سے فقط میں ہوں احتساب زدہ
یہ فتحِ دیں ہے یا دخترِ رز کی ہے نصرت — ازل سے ساغر و ساقی رہے شراب زدہ

ہے دل میں آگ لیے انقلاب کی ساغر
وہ انقلاب کا دیوانہ ہے انقلاب زدہ

◉

○

کردار ہے شرطِ مئے نوشی، تو اپنے سر الزام نہ لے
گر تلخ نظر سے دے ساقی وہ بادہ نہ لے وہ جام نہ لے

یہ حدِ بہار و خزاں کیسی یہ قیدِ زمان و مکاں کیسی
جس وقت ترا جی چاہے پی، احسانِ صبح و شام نہ لے

جو پھول پڑے ہیں سبزے پر خود اپنے لہو میں پیوستہ
ہیں یہ تو خود ہی خون زدہ ان پھولوں پر آرام نہ لے

گلشن میں تہی دامن ہونا معراج ہے تیرے دامن کی
ہیں لالہ و گل تو لالہ و گل اِک کانٹے کا الزام نہ لے

فن سے بہتر انعام نہیں، فن سے بڑھ کر اکرام نہیں
سچا فنکار اگر ہے تو انعام نہ لے اکرام نہ لے

پھولوں سے پٹے رستے آئیں، نہریں چھلکیں، چشمے گائیں
منزل بھی جو آ جائے ساغر تو چلتا رہ آرام نہ لے

◉

گُل فشاں، گُل چکاں کیے جاؤ — دامنِ باغباں سیے جاؤ
شاید اِک نقشِ معتبر اُبھرے — خونِ دل کا زیاں کیے جاؤ
شکوۂ ظلمتِ زمانہ کیا — مدحتِ مہ وشاں کیے جاؤ
ذکرِ بے مہریِ جہاں کیسا — مدحِ رسمِ کہن کیے جاؤ
زخم ہائے جگر کے پَرتو سے — خاک کو گلستاں کیے جاؤ
ہر گماں کو لباسِ حق بخشو — ہر یقیں کو گماں کیے جاؤ
بدگماں ہے جو عشق سے ان کو — اور بھی بدگماں کیے جاؤ
ساری فطرت شراب خانہ ہے — جس قدر ہو سکے پیے جاؤ
وقتِ رخصت ہے حسن کا اصرار — ایک جام اور بھی پیے جاؤ
خونچکاں آبلوں سے راہوں کو — ہر قدم گُل فشاں کیے جاؤ
ظلم کا سامنا عبادت ہے — ظلم کا سامنا کیے جاؤ
ہر نفس مرگِ ناگہانی پر — زندگی کا یقیں کیے جاؤ
اس کا لہجہ ہے قلقلِ مینا — نطق کے جام سے پیے جاؤ
لطفِ ساقی بھی اتفاقی ہے — دادِ بادہ کشی دیے جاؤ

کشتِ افکار تشنہ ہے ساغرؔ
اپنا خونِ جگر دیے جاؤ

○

بیتاب شوق جذبۂ بے اختیار نے
تڑپا دیا انھیں بھی دلِ بے قرار نے

شکوہ جہاں کو ہے ستمِ بے شمار کا
لوٹا ہمیں ترے کرمِ بار بار نے

مرجھائے سے وہ پھول وہ خار و خسِ چمن!
ہنس کر لیا خزاں نے جو بخشا بہار نے

وہ جانِ رنگ و بو جو گلستاں میں آ گئی
سجدے کیے تڑپ کے نسیمِ بہار نے

پھر میری عرضِ شوق میں پیدا ہیں جرأتیں
جھک کر یہ کیا کہا نگہِ شرمسار نے

یہ گُل روش روش، یہ تبسم سمن سمن
ان کی مدد سے آگ لگا دی بہار نے

ابھروں گا پھر لباسِ خزاں میں بہ طرزِ نو
مجھ کو کچل دیا جو خرامِ بہار نے

بے اختیاریوں کا فسوں کچھ نہ پوچھیے
مختار کر دیا دلِ بے اختیار نے

پوچھو نہ بادہ نوشیِ ساغر کی داستاں
ڈھالی گلوں نے اور پلائی بہار نے

◉

سُنا مغنّی مجھے وہ نغمہ کہ جھوم جائے شباب تیرا
اگر ذرا بھی کیا تکلف تو چھین لوں گا رباب تیرا

غرور کر نغمہ ریزیوں پر مگر مغنّی یقین فرما
وہیں بنا ہے یہ سازِ دل بھی جہاں بنا ہے رباب تیرا

یہ صبح کلیوں میں ہیں نے سونگھی ترے تبسم کی بوئے نازک
عمیق چشموں سے مَیں نے دیکھا اُبل رہا ہے شباب تیرا

بلند ہر بند و بست سے تھی حدود میں تیری خوابگہ کی
وہ اِک نگاہِ خیال میری جو لُوٹ لائی حجاب تیرا

نہ میری آنکھیں سکوں تماشا نہ تیرے جلوے قرار فرما
ہیں ایک سی کشمکش میں دونوں نگاہ میری شباب تیرا

جنونِ ہنگامہ میری آہیں "فسادِ عریاں" تری نگاہیں
تباہیِ کائنات ٹھہری مری جوانی شباب تیرا

لبوں سے مَس کر کے تو نے ساقی کیا تھا لبریز جو ازل میں
نظر میں اب تک چھلک رہا ہے وہ ایک جامِ شراب تیرا

حساب کی فرصتیں کسے ہیں مگر یہ دُنیا کا فیصلہ ہے
وفا جو ہو بے حساب میری ستم جو ہو بے حساب تیرا

یہ تیری روشن نگاہیاں ہیں کہ رات بجلی بنی ہوئی ہے
لطیف پردوں میں ہونے والے چمک رہا ہے شباب تیرا

پہاڑ تمکین کے کھڑے ہیں حیا کے چشمے چھلک رہے ہیں
عجیب دلچسپ منظروں سے گزر رہا ہے شباب تیرا

کچھ اِس متانت سے جھُوم کر چل کہ لُوٹ جائے نظامِ گلشن
شگفتگی بن کے پھُوٹ نکلے کلی کلی سے شباب تیرا

یہ تیری ساغر سیاہ مستی یہ حُسن کیشی یہ مے پرستی
کہیں نہ دُنیا تباہ کر دے مذاقِ خانہ خراب تیرا

◉

○

جلوۂ ماہتاب نے لُوٹا
تیرے اندازِ خواب نے لُوٹا

رُوئے سیمیں نقاب نے لُوٹا
ملحدانہ کتاب نے لُوٹا

عشقِ خانہ خراب نے مارا
حسنِ رنگیں نقاب نے لُوٹا

بے حجابی کے سب شکار ہوئے
ہم کو تیرے حجاب نے لُوٹا

عافیت تیرے احتراز میں تھی
عدمِ اجتناب نے لُوٹا

زُہد اُن پر لُٹا دیا ساغرؔ
جو بچا وہ شراب نے لُوٹا

◉

میں بھی کیا محفلِ ساقی کا شناور نکلا
ڈوب کر ساغرِ مے میں لبِ کوثر نکلا

مرکزِ ناز سے تیرے نہ مرا سر نکلا
سجدہ جس در پہ کیا میں نے ترا در نکلا

محنتِ عشق و محبت کبھی ضائع نہ گئی
خونِ فرہاد محبت کا پیمبر نکلا

بجلیاں کوند گئیں رُوح میں لرزش آئی
کون آغوشِ محبت سے تڑپ کر

اس پہ مرتے ہیں کہ جب راہ میں پہچان گیا
اور بھی ہم سے وہ دامن کو بچا کر نکلا

دردِ دل میں ہوئی اِک ٹیس سی پیدا ساغر
مُسکراتا ہوا جب چاند فلک پر نکلا

○

ہائے وہ پچھلے پہر اُن کا غزل خواں ہونا
اِک تبسم سا وہ کلیوں میں نمایاں ہونا

اِن ستاروں نے تو دیکھا ہے ستاروں کی قسم
ہر طرف موجِ تبسم سے چراغاں ہونا

وہ ترا دیکھنا غمگین تبسم سے مجھے
مرگ اور زیست کا وہ دست و گریباں ہونا

گرمیِ خاکِ محبت کا پتہ دیتا ہے
ذرّے ذرّے کا تپِ شوق سے لرزاں ہونا

میری آشفتگیِ شوق کی روداد نہ پوچھ
تیرے گیسو کو تو آتا ہے پریشاں ہونا

عشق پر اپنے تغافل سے حجابات نہ ڈال
اس حقیقت کے مقدّر میں ہے عُریاں ہونا

تیرے گیتوں سے مرے عشق کی بُو آتی ہے
اے مغنی تجھے آتا ہے غزل خواں ہونا

قیدِ ہستی کی بھی تعریف بدل دوں تو سہی
کھیل سمجھے ہو میرا داخلِ زنداں ہونا

یاد ہیں ماضیِ رنگیں کی وہ شامیں ساغر
سامنے ان کو بٹھانا وہ غزل خواں ہونا

◉

○

کیوں تم کو لطف شام و سحر میں نہیں رہا — کیا میرا اعتبار نظر میں نہیں رہا
ساکت ہے کائنات تو جامد ہیں شش جہات — جیسے کہ دورِ شمس و قمر میں نہیں رہا
جس میں فروغِ لالہ و گُل دیکھتا تھا میں — وہ آئینہ حریمِ سحر میں نہیں رہا
آئینہ ہی نہیں ہے تحیّر سے چُور چُور — جوہر مزاجِ آئینہ گر میں نہیں رہا
ہر شے کو دیکھتا ہوں مگر دیکھتا نہیں — احساسِ دید چشم و نظر میں نہیں رہا
دِل اختیار میں ہے نہ قابو ہے رُوح پر — میرا وجود میرے اثر میں نہیں رہا
تھی گردشِ حیات بھی جس عزم سے خجل — وہ عزم میرے ذوقِ سفر میں نہیں رہا
جو چُومتا تھا اُڑ کے تخیّل کی چوٹیاں — وہ اشتیاق بازو و پَر میں نہیں رہا
جو میرے آشیاں کو بناتا تھا آشیاں — وہ اضطراب برق و شرر میں نہیں رہا
کشتی مِری اُمید کی اب کون لے چلے — طوفان کوئی دیدۂ تر میں نہیں رہا
جس نے تجھے تراش کے معبود کر دیا — وہ بُت تراش قلب و نظر میں نہیں رہا
جس میکدہ کا مست خرامی تھا ایک نام — وہ میکدہ بھی راہ گزر میں نہیں رہا
آتا تھا جس سے تیرے خرامِ حسیں میں لوچ — اب وہ ہجوم راہ گزر میں نہیں رہا
مَلتا ہوں ہاتھ آہ کہ جب لگ رہی تھی آگ — کیوں اُس گھڑی میں پھول کے گھر میں نہیں رہا
ہر دَم نواز شیں ہیں نہ پیہم ستائشیں — اب کوئی لطف عرضِ ہُنر میں نہیں رہا
عکّاس تھا جو تیرے جمال و جلال کا — وہ سوزِ حُسنِ شام و سحر میں نہیں رہا
مُبہم سا اِک فریب، اجابت تھا جس کا نام — وہ ربط بھی دُعا و اثر میں نہیں رہا
پَرتو سے جس کے آرزوئے دل جوان تھی — وہ التفات تیری نظر میں نہیں رہا

شاید یہ کائنات بکھرتی نہ کچھ دِنوں
کچھ اور کیوں میں تیری نظر میں نہیں رہا

◉

انتخابِ جمال نے مارا
جلوۂ خال نے مارا

قربتِ حسن کو ترستا ہوں
دُور کی دیکھ بھال نے مارا

پُرسشِ حال کا گلہ معلوم
کوششِ عرضِ حال نے مارا

رہ گزر میں کہاں کہاں بچیے
ہستیِ پائمال نے مارا

کیا ہو عزمِ گناہ اے ساغرؔ
روز کے انفعال نے مارا

زینتِ دستِ حسیں رونقِ محفل ہوتا
تم نے جس پھول کو توڑا وہ مرادِ دل ہوتا

کثرتِ کشمکشِ شوق نے روکا مجھ کو
ورنہ اب تک میں کبھی کا سرِ منزل ہوتا

نہ تم اُٹھ کر مری آغوش سے رُسوا ہوتے
نہ مرتّب یہ فسانہ سرِ محفل ہوتا

ناخدا کی روشِ فکر نے مارا ورنہ
غرق ہوتا میں جہاں پر وہیں ساحل ہوتا

کھُل گئے بزم پہ اسرارِ محبت ساغر
اور کیا محویتِ دید سے حاصل ہوتا

کیوں گرفتار مجھے اے مرے صیّاد کیا
اور بھی فطرتِ آزاد کو آزاد کیا

یہ تری بزم کا انداز یہ نظروں کا فریب
ہر غم اندوز یہ سمجھا کہ مجھے شاد کیا

اللہ اللہ رے تری بزم کی عاشق طلبی
ہر نفس پر میں یہ سمجھا کہ مجھے یاد کیا

دل کی بربادی کا غم کیوں ہو حقیقت یہ ہے
غم نے آباد کیا غم ہی نے برباد کیا

میں کہ تھا روحِ قفس، جانِ قفس، شانِ قفس
کس کمی پر مجھے صیاد نے آزاد کیا

غنچے نے، نکہت و شبنم نے، شمیم و گل نے
سارے گلشن نے تجھے وقتِ سحر یاد کیا

میری پروازِ بہاریں جو چمن میں دیکھی
باغباں چیخ اٹھا کیوں اسے آزاد کیا

نہ ملا تام کو ایجادِ محبت کا جواب
عمر بھر تجزیۂ عالمِ ایجاد کیا

قیدِ ہستی بھی ہے فطرت کی غلامی ساغرؔ
کاش یہ حکم سنوں جا تجھے آزاد کیا

○

جو یہ ہو تو شمع کے سوز میں عجب اِک حسین گداز ہو
مرا شعرِ غم ہو سرود میں ترے دستِ ناز میں ساز ہو

نہ زبانِ شکوہ کھلے کبھی نہ صدائے نالہ دراز ہو
یہ ہیں احتیاط کی کوششیں کہ وفا بہ صیغۂ راز ہو

تری ایک بندشِ زلف میں ہیں ہزار عقدۂ پرشکن
یہ گھٹا جو کھُل کے برس پڑے تو جہاں پہ بارشِ راز ہو

ہو تمھیں لطافتِ گُل کدہ نہ کرے طواف نسیم کیوں
تمھیں پھول سجدے نہ کیوں کریں کہ بہارِ خلوتِ ناز ہو

جو تو ہم سفر ہو مرا تو مَیں سحرِ بہشت بھی دیکھ لُوں
کسی سبزہ زار کی رات میں ترا حُسن صبح طراز ہو

تو فروغِ حسُن میں بھر کے آ شبِ تارِ ہجر میں پھیل جا
ترے بال اور حسین ہوں تری زُلف اور دراز ہو

مجھے شرع سے کوئی ضِد نہیں پھر اس اتّفاق کو کیا کروں
کہ جو وقت بادہ کشی کا ہو وہی عین وقتِ نماز ہو

مرے ہاتھ میں ہو اگر جہاں تو یہ حالتیں ہوں جہان کی
کہیں رنگ ہو کہیں چنگ ہو کہیں نغمہ ہو کہیں ساز ہو

جو سہے وفا کی صعوبتیں وہ کرے دِلوں پہ حکومتیں
یہ طلسمِ ربط نہ ہو تو کیوں دلِ غزنوی میں ایاز ہو

اِس ادا سے ساغرِ بادہ کش میں طوافِ صبحِ حرم کروں
مرے ساتھ محوِ خرامِ شب کوئی مستِ ارضِ حجاز ہو

◉

آئیں گے لوٹ کر اثرِ بے وفا کے ساتھ
ہم اب کے خود ہی جائیں گے اپنی دُعا کے ساتھ

کس درجہ سادہ لوح ہے تیرا گناہ گار
ہے اعترافِ جرم اُمیدِ عطا کے ساتھ

اے حشر میرے جوش کی دُنیا سنبھالنا
اُٹھتا ہوں آج جذبۂ بے انتہا کے ساتھ

کیا جانے عین یاس میں کیا یاد آ گیا
آنسو نکل پڑے خلشِ مُدّعا کے ساتھ

وہ میری منّتیں وہ تری شوخ برہمی
سو عشرتیں ہیں ایک نگاہِ خفا کے ساتھ

ساغرؔ سب اپنی راہ لیں اُمید و آرزو
اب کیوں یہ چھیڑ ہے دلِ بے مُدّعا کے ساتھ

تیری نگاہِ ناز ہے بزم میں نیشتر فروش
آئینے ہیں شکستہ دل اور ہے شمع سر فروش

ختم ہوئی متاعِ نور آئیں کلیم کیا ضرور
بند ہوئی دُکانِ طور کوئی نہیں شرر فروش

لطفِ خلش ہو ختم کیوں زخمِ جگر کو چھیڑ دوں
نشترِ غم خرید لوں ہے کوئی نیشتر فروش

مول لیا ہے دردِ دل ذوقِ نگاہ بیچ کر
جلوہ سرائے حُسن میں مَیں ہی تو ہوں نظر فروش

سب کو ہیں خدمتیں سپُرد بارگہِ بہار میں
موجِ صبا ہے گُل فروش ابرِ چمن گُہر فروش

نقدِ دُعا کے زعم میں جانے لگی فغاں کہاں
کہہ دو کہ بامِ عرش پر کوئی نہیں اثر فروش

تیرا شبابِ خود نما خالقِ صبح و شام ہے
زُلف تری شب آفریں تیری جبیں سحر فروش

ساغرِ کشتۂ جفا خلق میں نام کر گیا
معرکۂ وفا میں پھر کوئی ہوا نہ سر فروش

مجھے ذوقِ تماشا ہے حدودِ رنج و حرماں تک
مری سیرِ نظر محدود ہے خوابِ پریشاں تک

نہ پوچھو وسعتِ جذباتِ وحشت مختصر یہ ہے
ہزاروں کوس کا چکر ہے دامن سے گریباں تک

ہجومِ جلوہ سے پیدا کیے لاکھوں حشر رستے میں
نگاہیں کیا پہنچتیں اُن کی بزمِ فتنہ ساماں تک

کوئی ایسا بھی کانٹا ہے مری قبرِ شکستہ پر
سلامِ شوق لے جائے بہارِ گُل بداماں تک

ابھی ٹھہرو کہ ہے نظارۂ دامانِ تر باقی
ابھی تو چار آنسو آئے ہیں چاکِ گریباں تک

محبت کس کو لے آئی خراب آبادِ عبرت میں
لرز اُٹھے مری تربت کے ذرّاتِ پریشاں تک

فضائے نے سے نغمے پھوٹ نکلیں گے محبت کے
ربابِ دل کی آوازیں پہنچنے دو نیستاں تک

مری تنہائیوں کی خوف سامانی ارے توبہ
کہ پروانے نہیں آتے چراغِ شامِ ہجراں تک

چمن سے وہ تبسم ریز ادائیں ساتھ لائے ہیں
کھِلی کلیوں کا عالم ہے مرے گھر سے گلستاں تک

مرے مٹتے ہی مٹ جائیں گی شانیں حُسنِ برہم کی
تری زُلفوں کے چرچے ہیں مرے حالِ پریشاں تک

ہُشیار ہو اے فطرت برباد ہوں کب تک
آخر دلِ آوارہ مائل بہ جنوں کب تک

سیلابِ تبسّم سے درمانِ جراحت کر
ٹکڑے دلِ بسمل کے آلودۂ خوں کب تک

ہر سانس سے پیدا ہے اِک عالمِ نو دل میں
دُنیا مری حسرت کی یوں بُوقلموں کب تک

دَم وقت پہ نکلے گا عشرت ہو کہ فرقت ہو
جینا تو بجا لیکن مر مر کے جیوں کب تک

فریاد کو سب دِل کی تسکین تو کہتے ہیں
یہ کوئی نہیں کہتا فریاد کروں کب تک

ساغر مری مے نوشی مجبورِ تفکر ہے!
آخر نہ پیوں کب تک پھر یہ کہ پیوں کب تک!

نظر میں، روح میں، دل میں سمائے جاتے ہیں
ہر ایک عالمِ امکاں پہ چھائے جاتے ہیں

ہر اِک قدم کو وہ منزل بنائے جاتے ہیں
تعینات کی وسعت بڑھائے جاتے ہیں

نگاہِ مست ہے اور مسکرائے جاتے ہیں
دو آتشہ مجھے بھر کر پلائے جاتے ہیں

نشانِ بتکدۂ دل مٹائے جاتے ہیں
وہ اپنے کعبۂ دیریں کو ڈھائے جاتے ہیں

جو اٹھ سکے تھے نہ خود حسن کے اٹھائے سے
وہ پردہ ہائے دوئی اب اٹھائے جاتے ہیں

جو گر سکے تھے نہ خود عشق کے گرائے سے
وہ سب حجابِ محبت گرائے جاتے ہیں

چھپا چھپا کے جنھیں مصلحت نے رکھا تھا
وہ جلوے اب سرِ محفل دکھائے جاتے ہیں

سنبھل کر اے نگہِ شوق بزمِ دوست ہے یہ
یہاں خرابِ نظر آزمائے جاتے ہیں

نہ پوچھ کارگہِ عشق کا طلسم نہ پوچھ
قدم قدم پہ تماشے دِکھائے جاتے ہیں

پتہ نہیں کہیں ان کا اور ان کے دیوانے
تصوّرات کی محفل سجائے جاتے ہیں

کہاں کی لغزشِ پا اب یہ حال ہے ساقی
کہ سر سے تا بہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

یہ میکدہ ہے ترا مدرسہ نہیں واعظ
یہاں شراب سے انساں بنائے جاتے ہیں

اٹھا رہا ہوں میں گرمیِ شوق بن کے نقاب
وہ اپنے سر کو مسلسل جھکائے جاتے ہیں

جگر بھی شق ہے یہاں شدتِ تجلی سے
وہ دیکھتے ہیں مگر مسکرائے جاتے ہیں

حجابِ حسن پھر اس پر حجابِ شرم و شباب
جو پردے اٹھتے ہیں گویا گرائے جاتے ہیں

یہ قصرِ حسن ہے آتش کدہ محبت کا
بجائے شمع یہاں دِل جلائے جاتے ہیں

تمام عالمِ محسوس کانپ اٹھتا ہے
جب آنکھ سے کہیں آنسو بہائے جاتے ہیں

ہمارا حال تو دیکھا ہمارا ظرف بھی دیکھ
نگاہ اٹھتی نہیں غم اٹھائے جاتے ہیں

تلاش لازمۂ عاشقی نہیں ساغرؔ!
نہ ڈھونڈنے پہ بھی وہ ہم میں پائے جاتے ہیں

○

کیوں دلِ بیقرار کیوں اے دلِ بیقرار کیوں؟
عشق کی نامرادیاں ہونے لگی ہیں بار کیوں؟

سینہ ہو داغدار کیوں، آنکھ ہو اشک بار کیوں؟
غم کوئی تاجری نہیں، غم کا ہو اشتہار کیوں؟

شورِ چکاں ہو کیوں نسیم، پھول ہوں شعلہ بار کیوں؟
غمزدۂ بہار سے، چھیڑ کرے بہار کیوں؟

میرا چمن ہے بے نسیم، میرا گلاب بے شمیم
مجھ سے فسردہ بخت سے، روٹھ گئی بہار کیوں؟

نزہتِ ہر چمن تھا میں، روحِ گل و سمن تھا میں
چھوڑ کے مجھ کو چل دیا، قافلۂ بہار کیوں؟

خام ہے ذوقِ انتظار، زیست اگر ہوئی ہے بار
ان کا جب انتظار ہے، موت کا انتظار کیوں؟

صبر نہیں ہے زندگی، جبر نہیں ہے عاشقی
دل پہ نہیں ہے اختیار، اُن پہ ہو اختیار کیوں؟

اپنا ہی نغمہ گنگنا، اپنا ہی بت کدہ سجا
تیرے دماغ و دل پہ ہو دیر و حرم کا بار کیوں؟

ساغرِ مست اس کو بھی غرقِ سبو و جام کر
میری حریفِ دور ہے، گردشِ روزگار کیوں؟

◉

○

یہ کیا چیز شانوں پہ بکھری پڑی ہے
کہ وارفتگی ناز فرما رہی ہے
مبارک گلستاں کو بادِ بہاری
تخیل میں یاں خاک سی اُڑ رہی ہے
نہ گُل ہیں نہ کلیاں، نہ کلیاں نہ کانٹے
تہی دامنی سی تہی دامنی ہے
نہ موجیں نہ طوفاں، نہ ماجھی نہ ساحل
مگر من کی نیا بہی جا رہی ہے
چلا جا رہا ہے وفا کا مُسافر
جدھر بھی تمنا لیے جا رہی ہے
بشکلِ تبسّم یہ تیرے لبوں پر
تبسم نہیں میری افسردگی ہے
ہے ساجد سے مسجود، سجدوں سے کعبہ
مِری بندگی سے تِری داوری ہے
قیامت ہے ظالم کی کافر جوانی
اشارہ خدائی، نظر داوری ہے
مِری خاک پر، سازِ یک تار لے کر
امید اب بھی اِک گیت سا گا رہی ہے
مرے من کے بہروپ مت پوچھ ساغر
کبھی ہے کنہیا، کبھی بنسری ہے

◎

○

کیا التفات اور کیا بے نیازی
سب ان کا شوقِ دلِوانہ سازی

حسن اور مجھ کو یوں منہ لگائے
ساغر نوازی، ساغر نوازی

تیرے رُخِ انور کی جھلک سے
حیرت نے سیکھی آئینہ سازی

خود عشق منزل اپنے سفر کی
کیسا حقیقی ؟ کیسا مجازی

دل کو ہمارے نالوں کا چسکا
اور ان کو شوقِ نغمہ نوازی

انجام دِل کا اللہ حافظ
یاں آرزوئیں واں بے نیازی

یہ صحنِ مسجد، یہ دورِ ساغر
بہکے نمازی، ڈوبے نمازی

◉

ہجومِ خیالات ہے اور کیا ہے
وہی بارِ آفات ہے اور کیا ہے
وہی ہم ہیں اور آرزوئے تلاطم
وہی شورِ جذبات ہے اور کیا ہے
وہی انتظارِ مسلسل کا عالم
جنونِ ملاقات ہے اور کیا ہے
فغانِ شبی، نغمۂ صبح گاہی
فریبِ مناجات ہے اور کیا ہے
یہ دوزخ یہ جنت یہ امر و نواہی
فسونِ روایات ہے اور کیا ہے
نظر ڈال اضداد کی حکمتوں پر
ہر اِک نفی اثبات ہے اور کیا ہے
نہ پوچھو مرے ذوقِ عصیاں کا حاصل
جوانی کی اِک رات ہے اور کیا ہے
کہاں ہم، کہاں تم، کہاں یہ ستارے
یہ دل کی کرامات ہے اور کیا ہے
ترے مَن کی دُنیا، مرے تَن کی دُنیا
فریبِ طلسمات ہے اور کیا ہے
مری اشک ریزی پہ اتنی نہ کانپو
کہ یہ عیشِ جذبات ہے اور کیا ہے
ہے ساغر کو مٹنے کی خواہش ابھی تک
یہ سحرِ خرابات ہے اور کیا ہے

○

شکستِ باقیِ لوحِ سرِ مزار ہوں میں
نشانِ ہستیِ فانی کی یادگار ہوں میں

جواں جس سے بہاریں تھیں وہ بہار ہوں میں
کہ اپنے عہدِ جوانی کی یادگار ہوں میں

مری نگاہ سے تقسیمِ کیف ہوتی ہے
کسی کی آنکھ کا چڑھتا ہوا خمار ہوں میں

خزاں کا خوف نہ اندیشۂ فنا مجھ کو
نگاہِ حُسن سے برسی ہوئی بہار ہوں میں

جو عمر بھر رہے شاداب وہ چمن تم ہو
جو آئے اور گزر جائے وہ بہار ہوں میں

تصوّرات سے دوشیزگی نمایاں ہے
یہ کس عروسِ حقیقت کا انتظار ہوں میں

سوادِ عالمِ امکاں ہے جام میرے لیے
کہ مے ستانِ حقیقت کا بادہ خوار ہوں میں

قدم قدم پہ ہوں آزاد اور پھر مجبور
اسیرِ کشمکشِ خیز و اختیار ہوں میں

بہار مجھ سے، چمن مجھ سے، رنگ و بُو مجھ سے
جہانِ کیف میں اِک مرکزِ بہار ہوں میں

◉

○

وہ زندگی کے مزے اب کے گلستاں میں نہیں
کوئی بہار سے کہہ دے ہم آشیاں میں نہیں
کبھی وہ دن تھے کہ ہر سانس تھا سرودِ نشاط
اب ایک نغمے کی قوت ربابِ جاں میں نہیں
روا نہیں ہے ترا ہمت آزما ہونا
کہ تابِ صبر مری جانِ ناتواں میں نہیں
سکوتِ صبحِ اسیری ارے معاذ اللہ
کہ ایک پھول بھی بیدار گلستاں میں نہیں
پتہ ہی منزلِ مقصود کا نہیں ملتا
چھپی ہوئی تو کہیں گردِ کارواں میں نہیں
میں کیا بتاؤں وفا کا مآل کیا ہوگا؟
وہ تیرے علم میں ہے جو مرے گماں میں نہیں
یہ کہہ دو برق سے تکلیفِ آشیاں نہ کرے
بہار باغ میں ہے میرے آشیاں میں نہیں
جو سوچتا ہوں وہی تجھ سے کہہ نہیں سکتا
مرے خیال کی قوت مری زباں میں نہیں
ہے رنگ و بو کے حجابوں سے بے نیاز نظر
وہ پھول دیکھ رہا ہوں جو گلستاں میں نہیں
بدل گئی ہیں فغاں میں جرس کی آوازیں
کوئی خرابِ محبت تو کارواں میں نہیں
مذاقِ دہر ہے لب تشنۂ سکوں ساغر
مگر شرابِ سکوں ساغرِ جہاں میں نہیں!

◉

کسلِ ہستی سے حجابِ عالمِ ایجاد ہوں
جانے کب سے اس جہانِ خواب میں آباد ہوں

ہم صفیروں پر قیامت ہے مری گم گشتگی
اور میں آسودۂ طوفانِ ابر و باد ہوں

ہر نفس کے ساتھ ہیں ہستی کو میری سو گداز
گھلنے والی ایک شمعِ محفلِ ایجاد ہوں

دیکھیے کیا آفتیں لائے فریبِ انبساط
آج میں کچھ پھر ضرورت سے زیادہ شاد ہوں

داستانِ کیف ہیں ساغر مری بے کیفیاں
بزمِ ہستی میں نشاطِ دوش کی روداد ہوں

○

نغمے ہوا نے چھیڑے فطرت کی بانسری میں
پیدا ہوئیں زبانیں جنگل کی خامشی میں

اس وقت کی اُداسی ہے دیکھنے کے قابل
جب کوئی رو رہا ہو افسردہ چاندنی میں

کچھ تو لطیف ہوتیں گھڑیاں مصیبتوں کی
تم ایک دن تو ملتے دو دن کی زندگی میں

ہنگامۂ تبسّم ہے میری ہر خموشی
تم مُسکرا رہے ہو دل کی شگفتگی میں

خالی پڑے ہوئے ہیں پھولوں کے سب صحیفے
رازِ چمن نہاں ہے کلیوں کی خامُشی میں

کس درجہ عبرت افزا ساغر کی مے کشی ہے
لرزے پڑے ہوئے ہیں دُنیائے بیخودی میں

◉

○

اِک آنسو دل کی گہرائی سے اُبھرا چشمِ حیراں میں
سمندر ہو گئے پیدا خیالاتِ پریشاں میں

محبّت جھلملاتی ہے سوادِ حُسنِ جاناں میں
یہ کس نے بجلیاں بھر دیں مذاقِ چشمِ حیراں میں

تحیّر جب ہوا مجھ کو ضیائے ماہِ تاباں پر
تبسّم ان کا بول اُٹھا کہ میں ہوں ماہِ تاباں میں

شبابِ فتنہ زا آئینہ دارِ خال و خد نکلا
تری اُٹھتی جوانی میں ترے حُسنِ فراواں میں

مذاقِ درد کو جو بے نیازِ جستجو کر دے
کوئی ایسی خلش پیوست ہو جائے رگِ جاں میں

محبّت بن کے پھوٹا آنکھ کے رنگین پردوں سے
وہ اِک جذبہ جو موجیں لے رہا تھا ذوقِ پنہاں میں

مجھے پامال کر کے باغباں چاہے جہاں پھینکے
میں سبزہ بن کے پھر اُگ آؤں گا صحنِ گلستاں میں

جو میں کہہ دوں تو ہوں دار و رسن میں جنبشیں پیدا
تمھیں کہتے ہیں جو کچھ اصطلاحِ اہلِ ایماں میں

مرا بحرِ تصوّر اصل میں پایاب ہے ساغر
بہت دشوار ہے تمیزِ آنسو اور طوفاں میں

◉

محرمِ طبعِ صبا ہوں یوں نہ شرمائے خزاں
تیری بے رنگی بھی موجِ رنگ ہے میرے لیے

ہے مرے پیشِ نظر معمارِ عالم کا مزاج
شورِ ہستی میں رباب و چنگ ہے میرے لیے

نو اسیرِ گلستاں کا خیر مقدم دیکھیے
غنچہ غنچہ باغ کا دل تنگ ہے میرے لیے

اس اُفق سے اک حیات تازہ ہوئی ہے طلوع
اِک نویدِ امن طبلِ جنگ ہے میرے لیے

تجربوں نے اس قدر احساس نازک کر دیا
قطرۂ شبنم بھی ضربِ سنگ ہے میرے لیے

تھی سر بمہر جو مے میخانۂ کہن میں
اب وہ چھلک رہی ہے پیمانۂ انجمن میں

خاموشیِ فضا سے تیری سُنی ہیں باتیں
کاٹی ہیں میں نے راتیں تاروں کی انجمن میں

میری شگفتگی میں ویرانیاں نہاں ہیں
کھوئے ہوئے ہیں لاکھوں صحرا مرے چمن میں

سرگشتۂ حرم کی ہو بُتکدے میں دعوت
بھر دو اذانِ کعبہ ناقوسِ برہمن میں

کعبہ بھی بُتکدہ بھی خلوت بھی انجمن بھی
دِل اِک عجیب شے ہے پردہ سرائے تن میں

یں گلستاں دل کو نظر کو باغباں کر لیں
ہمارے بس میں ہو تو اپنی دُنیا جاوداں کر لیں

بتن وجہِ تسکیں ہے تجاوز وجہِ بربادی
قفس کو کیوں خیالوں میں حریفِ آشیاں کر لیں

د طوفانِ رنگ و بو کا ساماں لے کے آئی ہے
چمن والے ابھی سے انتظامِ گلستاں کر لیں

فیں مدِّ نظر ہو امتحاں معیارِ وحشت کا
وہ پہلے اپنے معیارِ نظر کا امتحاں کر لیں

ں ناواقف سہی منزل سے منزل مجھ سے واقف ہے
مجھے بھی قافلے والے شریکِ کارواں کر لیں

ن میں جانے کل کس برق وش کی حکمرانی ہو
ابھی سے عندلیب و گُل کو اپنا رازداں کر لیں

مارا حق ہے اے صیاد ہر غنچہ پہ ہر گل پر
جو ہم چاہیں تو ہر شاخِ چمن پر آشیاں کر لیں

ُ اپنے، غنچے اپنے، گلستاں اپنا بہار اپنی
گوارا کیوں چمن میں رہ کے ظلمِ باغباں کر لیں

ی خاکِ چمن سے ابرِ خونیں بن کے اٹھوں گا
وہ میرے خون سے رنگیں قبائے گلستاں کر لیں

اِک تجلی کر رقصاں ہے، یہ اِک شعلہ کہ عریاں ہے
جو مل جائے تو ہم روشن چراغِ آشیاں کر لیں

مارے سجدوں میں روحانیت ہے تیرے جلووں کی
جبیں جس ذرّے پر رکھ دیں مرتّب آستاں کر لیں

یا نوحہ لکھے گا کون مرگِ نوجوانی کا
مرا اِک شعرِ غم ہی یاد میرے نوحہ خواں کر لیں

نہ دے پھر کوئی غربت میں ثبوتِ آبلہ پائی
وہ ساغرؔ کاش کانٹوں کو بھی اپنا ہم زباں کر لیں

مجھ سا بے تاب کوئی طالبِ دیدار نہیں
تم ابھی میری تمنا سے خبردار نہیں

حُسن نے دستِ کرم کھینچ لیا خوب کیا
اب مُجھے بھی ہوسِ لذتِ آزار نہیں

کُل چمن جاگ اُٹھا نغمۂ بُلبل سے مگر
ہائے وہ غنچۂ خوابیدہ جو بیدار نہیں

نقشۂ دوریِ منزل میں اضافے کر دو
کہ مرے پاؤں کے چھالے ابھی گُلکار نہیں

مستی و بیخودی و جذب و سلوکِ ہستی
تیرے آزاد کسی غم میں گرفتار نہیں

جلوہ ہے جزوِ نظر اور نظر جزوِ جمال
اب مجھے تیری قسم حسرتِ دیدار نہیں

کس مپرسیِ متاعِ غمِ اُلفت توبہ
خود میں اپنے دلِ غمگیں کا خریدار نہیں

پھول ہیں جام بکف تارے ہیں پیمانہ بدست
اب تو ایمان کو بھی جرأتِ انکار نہیں

اللہ اللہ رے مانوسیِ اربابِ قفس!
اب تو دامانِ تخیل بھی گلزار نہیں

سر ہے اور پائے بتاں آج یہ کیا ہے ساغر
کیا ترے ساتھ تری فطرتِ خوددار نہیں

کشتگانِ نگہِ ناز کو رُسوا نہ کریں
دیکھنے والوں سے کہہ دو کہ تماشا نہ کریں

حشر والے مرے جذبات کا چرچا نہ کریں
حُسن کو منفعلِ وعدۂ فردا نہ کریں

حسن آمادۂ پُرسش ہے باندازۂ غم
کاش ہم آج بھی اظہارِ تمنّا نہ کریں

ہجر مہلک ہی سہی وصل کی راحت معلوم
کاش ہم یہ بھی محبت میں گوارا نہ کریں

آنکھ نے سیکھ لیا ہے عملِ جذبِ جمال
آپ اب طُور پہ آنے کا ارادہ نہ کریں

نیچی نظروں سے گزر جائیں گزرنے والے
دل کی ٹھہری ہوئی دُنیا تہ و بالا نہ کریں

قدرت حسن میں ہے جزر و سکونِ جذبات
آپ اُمّید سے ڈرتے ہیں تو پیدا نہ کریں

کیوں خموشی میں کٹے لمحۂ بربادیِ دل
اتنی فرصت میں مرتّب نئی دُنیا نہ کریں

عہدِ ساغرؔ میں یہ فرمان ہے تقدیسِ سُرور
لوگ بے حُرمتیِ ساغر و مینا نہ کریں

کرتا ہوں یوں وسیع فریبِ نظر کو مَیں
ذرّوں میں ڈھونڈتا ہوں تری رہگزر کو مَیں

رسوا کروں گا سوزشِ داغِ جگر کو مَیں
اُٹھتا ہوں لے کے حشر میں دامانِ تر کو میں

مقسومِ دل کروں خلشِ نیشتر کو مَیں
اب کے تری نظر سے لڑا دوں نظر کو مَیں

میرا مذاقِ عشق زمانے پہ کھُل گیا
مجبور تھا چھپا نہ سکا چشمِ تر کو میں

دل مستیٔ نگاہ سے اِک چیز ہو گیا
سرشار دیکھتا ہوں خرابِ نظر کو مَیں

خاموشیٔ جمود میں پھونکوں گا صُورِ حشر
تیری خبر سُنا کے دلِ بے خبر کو میں

یا آرزو نے غمِ محبت سنوار دی
یا دستِ آرزو سے گیا عمر بھر کو مَیں

کتنی گداز بخش ہے صبحِ تجلیات
پاتا ہوں ہر نفس میں نسیمِ سحر کو مَیں

گریہ نشاطِ چشم ہے اے بیخودی مگر
کس دھوپ میں سکھاؤں گا دامانِ تر کو مَیں

کس درجہ غم کی موت میں ہیجانِ یاس ہے
اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہوں رُخِ نوحہ گر کو میں

ساغرؔ یہ ہے شباب میں معیارِ مے کشی!
آنکھوں سے کھینچتا ہوں شرابِ نظر کو میں!

پتہ منزل کا اب کے ڈھونڈنا ہے آسماں ہوکر
میں پھر انگڑائی لیتا ہوں غبارِ کارواں ہوکر
ابھی سے تنگدل ہے کیوں زمانہ بدگماں ہوکر
مجھے تو پھیلنا ہے زندگی کی داستاں ہوکر
مجھے اُٹھنا ہے اِس آتش کدے سے سرگراں ہوکر
حوادث نے بُجھایا بھی تو پھیلوں گا دھواں ہوکر
غمِ امروز پر کیوں نذر کردوں حسرتِ فردا
بہاروں کا مٹادوں کیف مغمومِ خزاں ہوکر
مزہ ملتا تھا مجھ کو زندگی میں دردِ اُلفت کا
رہے تھے کچھ دنوں وہ شاملِ رگ ہائے جاں ہوکر
اسی شیرازۂ برہم سے پھر تعمیرِ نو ہوگی
یہی ذرّے کبھی سورج بنیں گے رائیگاں ہوکر
وہ معراجِ ترقی کیا جو رفعت سے میسّر ہو
اُبھرنا تو اسی کا ہے جو اُبھرے بےنشاں ہوکر
بسیرے کے لیے کیا نخلِ طوبیٰ مل نہیں سکتا
نظر کیوں رہ گئی محدودِ شاخِ آشیاں ہوکر
زمانے میں رہے کچھ یادگارِ رائےِ فطرتِ فانی
اگر مٹنا مقدّر ہے تو مِٹ جا آسماں ہوکر
مِری مٹّی میں قدوسی شرافت ہے مگر ساغرؔ
لڑوں کیوں آسماں سے خانہ زادِ آسماں ہوکر

○

اے زہے کیفِ شرابِ التفات
جھومتی ہے میرے دل کی کائنات

لے نہ ڈوبے آج طوفانِ کرم
کائنات و ماورائے کائنات

دور میں تیرے اثر سے مہر و ماہ
وجد میں تیری نظر سے کائنات

زمزمے تیرے تکلم پر نثار
رقص کرتی ہے ترے ہونٹوں پہ بات

چُھپکے چُھپکے یہ ترا مہر و کرم
راز رہ سکتی نہیں لیکن یہ بات

خاکِ دل سے پھر اُٹھیں چنگاریاں
پھر بھڑک اُٹھی مری شمعِ حیات

اِک سراپا ناز کو تھا ہم سے شوق
کہہ سکیں گے کس سے دُنیا میں یہ بات

پھر اسی رسمِ ستم کو زندہ کر
مَوت ہے تیری نگاہِ التفات

ہوشیار اے ساغرِ دیوانہ خو
پھر جنوں کے موڑ پر آئی حیات

◉

ہے کمالِ رقصِ صوفی بھی نشاطِ پادشاہی
بڑی مُدّتوں میں ٹوٹا یہ فریبِ خانقاہی

یہی میری آدمیت کی دلیلِ برتری ہے
کہ لگا نہیں جبیں پر کبھی داغِ بے گناہی

مجھے کیوں ہو فکرِ شاہد کہ معاملہ ہے روشن
میں تری کھُلی شہادت، تو مری کھُلی گواہی

ہے عجیب لااُبالی، مرا مسلکِ جنوں بھی
نہ اصولِ پاکبازی نہ شعارِ بے گناہی

مری زندگی میں ساغرؔ وہ بلا کا بانکپن ہے
نہ اطاعتِ اوامر نہ پرستشِ نواہی

○

دل حسن کے ہاتھوں سے دامن کو چھڑائے ہے
لیکن کوئی دامن کو کھینچے لیے جائے ہے

کیا شے ہے محبّت بھی کہسار کو ڈھائے ہے
ترتوں کو ڈبوئے ہے، ڈوبوں کو ترائے ہے

جب پریم کی ندّی میں طوفان سا آئے ہے
نیّا ہی نہیں ندّی ہچکولے سے کھائے ہے

مُطرب ارے او مُطرب کیوں جھوم کے گائے ہے
تو آگ بجھائے ہے یا آگ لگائے ہے

یہ تیرا تصوّر ہے یا میری تمنّائیں!
دِل میں کوئی رہ رہ کر دیپک سے جلائے ہے

جس سمت نہ دُنیا ہے اے دوست نہ عُقبیٰ ہے
اُس سمت مجھے کوئی کھینچے لیے جائے ہے

میخانے کی دُوری تو ہے ایک نفس سا مگر
ساقی مِرا کوسوں سے سو جام پلائے ہے

◉

○

دل کی آنکھیں کھلتی ہیں چشمِ ظاہر سوتی ہے
بے ہوشی کے پردے میں سیرِ عالم ہوتی ہے
کافر گیسو والوں کی رات بسر یوں ہوتی ہے
حسن حفاظت کرتا ہے اور جوانی سوتی ہے
مجھ میں تجھ میں فرق نہیں مجھ میں تجھ میں فرق ہے یہ
تو دُنیا پر ہنستا ہے، دُنیا مجھ پر روتی ہے
اس معمور خزانے سے ضبط ذرا ہشیار رہے
دل کی ہر گہرائی میں ایک اچھوتا موتی ہے
صبر و سکوں دو دریا ہیں بھرتے بھرتے بھرتے ہیں
تسکیں دل کی بارش ہے ہوتے ہوتے ہوتی ہے
جینے میں کیا راحت تھی مرنے میں تکلیف ہے کیا
جب دُنیا کیوں ہنستی تھی؟ اب دُنیا کیوں روتی ہے؟
دل کی تو تشخیص ہوئی چارہ گروں سے پوچھوں گا
دل جب دھک دھک کرتا ہے وہ حالت کیا ہوتی ہے
ساون آئے پھول کھلے، اِک افسردہ بول اُٹھا
جس میں دل کھل جاتے ہیں وہ برکھا کب ہوتی ہے
ذرّے اور تارے مل کر جادو روز جگاتے ہیں
فطرت کی بیداری میں ساری دُنیا سوتی ہے
رات کے آنسو اے ساغرؔ پھولوں میں بھر جاتے ہیں
صبحِ چمن اس پانی سے کلیوں کا منہ دھوتی ہے

◉

بادِ صبا یہ جھومتی آئی ہے کس دیار سے
جیسے نسیم پھٹ پڑے سینۂ لالہ زار سے

گاہ چمن میں جھومنا، گاہ چمن کو روندنا
کیف اُڑا کے لائی ہے موجِ خرامِ یار سے

منزلِ رنگ و نور سے مرحلۂ بہار سے
مثلِ نظر گزر بھی جا عالمِ اعتبار سے

فقر کو میرے بیر ہے جذبۂ انکسار سے
جنسِ جنوں بھی ہو تو میں بھیک نہ لوں بہار سے

موڑ کے مُنہ بہار سے، پھیر کے رُخ ہزار سے
کھیل رہی ہیں نکہتیں اُن کے گلے کے ہار سے

زلف میں یاسمن کے پھول، موسمِ گل کے وہ رسول
توڑے ہوئے بہار کے، چھینے ہوئے بہار سے

رُوح نہ تھی نسیم میں، جان نہ تھی بہار میں
کچھ بھی نہ تھا کنار میں، وہ جو اُٹھے کنار سے

جوشِ نمو کو گل بہ گل لالہ بہ لالہ دیکھ کر
رُوحِ جنوں اُبل پڑی خم کدۂ بہار سے

آج یہ ڈوبتے ہوئے نجمِ سحر نے کیا کہا
خون سا کچھ ٹپک پڑا دیدۂ انتظار سے

گردشِ روزگار خود میرے جنوں سے دب گئی
میرا جنوں نہ دب سکا گردشِ روزگار سے

ساغرِ خام کار پی بادۂ مشک بار پی
بادہ نہیں بہار پی میکدۂ بہار سے

○

نالاں جبینِ شوق سے کچھ آستاں بھی ہے
اور کچھ مرا رقیب ترا پاسباں بھی ہے

رنگین بھی ہے شرحِ وفا، خونچکاں بھی ہے
یہ میری داستان، تری داستاں بھی ہے

ساری فضائے باغ ہے گل پوش و ضو فروش
اس وقت برق بھی ہے مرا آشیاں بھی ہے

اللہ رے معنویتِ یک حرفِ آرزو!
خود داستان و حاشیۂ داستاں بھی ہے

کہہ دو کہ ہوشیار رہے محشرِ بہار
طوفانِ رنگ و بو میں مرا آشیاں بھی ہے

ہو کاش مستقل کہ یہ طوفانِ ابر و باد
جانِ بہار و زندگیِ آشیاں بھی ہے

اِک نالۂ وفا کی ہمہ گیریاں نہ پوچھ
بانگِ اذاں بھی ہے جرسِ کارواں بھی ہے

اللہ رے نگاہِ تخیل کی وسعتیں!
کنجِ قفس ہی میرے لیے آشیاں بھی ہے

آغوشِ خاک ہو کہ وہ ہو دوشِ جبرئیل
اِک کائنات ہے مری ہستی جہاں بھی ہے

نشہ میں چور چور ہے ساغر کو دیکھنا
کمبخت اس کے ساتھ ہی کچھ سرگراں بھی ہے

◉

راتوں کو تصور ہے ان کا اور چپکے چپکے رونا ہے
اے صبح کے تارے تو ہی بتا انجام مرا کیا ہونا ہے

ان نور برس آنکھوں والوں کا کیا ہنسنا ہے کیا رونا ہے
برسے ہوئے چھینٹے موتی ہیں بہتا ہوا خالص سونا ہے

دل کھویا تو وہ بھی کھونے دنیا کھوئی دین بھی کھویا
یہ گم شدگی ہے تو اک دن اے دوست تجھے بھی کھونا ہے

تمیز کمال و نقص اٹھا یہ تو روشن ہے دنیا پر
میں چندن ہوں تو کندن ہے میں مٹی ہوں تو سونا ہے

ہر آنسو سحر گوہر ہے، ہر موج تبسم اک آنسو
رونا بھی تمہارا ہنسنا ہے، ہنسنا بھی ہمارا رونا ہے

تو یہ نہ سمجھ للہ کہ ہے تسکین ترے دیوانوں کو!
وحشت میں ہمارا ہنس پڑنا دراصل ہمارا رونا ہے

ماتم ہے مری آواز شکست ساز دل صد پارہ کا
ساغرؔ میرا نغمہ گویا دیپک کے سروں میں رونا ہے

قفس آباد ہوتے ہیں چمن برباد ہوتا ہے
یہ سب کچھ بر بنائے خاطرِ صیاد ہوتا ہے

گل اس کے، غنچے اس کے، گلستاں اس کا، بہار اس کی
جو قانونِ گلستاں توڑ کر آزاد ہوتا ہے

بہا دو خونِ دل کچھ غم نہیں لیکن قلق یہ ہے
کہ میرا حاصلِ عمرِ وفا برباد ہوتا ہے

تجھے پروا نہیں جب اپنے آزردہ نصیبوں کی
ترا غم کیوں انیسِ خاطرِ ناشاد ہوتا ہے

یہ اک دیوارِ زنداں کیا اگر ہوں لاکھ دیواریں
مقید کب ہمارا جذبۂ آزاد ہوتا ہے

تصور جب کرم کرتا ہے اُن پُر کیف آنکھوں کا
ہمارے دل میں ساغر میکدہ آباد ہوتا ہے

○

جب چمن ریز نظر اِن کی گُل افشاں ہو جائے
کیوں نہ ہر بُت کوتاہیِ داماں ہو جائے

مشعلِ سوزشِ اس دل کی نموداری کیا
جو بجھتے کتے ہی چراغِ تہِ داماں ہو جائے

کیا یہ ممکن نہیں اے گردشِ بزمِ فطرت
عشق پردے میں رہے حُسن نمایاں ہو جائے

بار بار آئے تصوّر ترا تغییر کے ساتھ
کم سے کم ایک ہی تصویر کا ساماں ہو جائے

اُس پہ قربان ہے آسودگیِ ہر دو جہاں
جو تری یاد میں کچھ دیر پریشاں ہو جائے

یہی رہبر یہی منزل ہے یہی جادہ ہے
آدمی دل پہ کرے غور تو انساں ہو جائے

نہ سہی شمع مری خلوتِ غم میں نہ سہی
کوئی ڈوبا ہوا تارا ہی فروزاں ہو جائے

کثرتِ اشکِ مسلسل کی ہوس کون کرے
ایک قطرہ مجھے کافی ہے کہ طوفاں ہو جائے

آج گُل خانے میں تقسیمِ سکوں ہے ساغرؔ
دل کو لازم ہے کہ اس وقت پریشاں ہو جائے

◉

جس قدر دل دوز ساز آشکارِ نغمہ ہے
اُتنی ہی جاں سوز صوتِ پردہ دارِ نغمہ ہے

راز گوئے بیخودی ہر مے گسارِ نغمہ ہے
موجِ بادہ آج شاید ہمکنارِ نغمہ ہے

اِک خلشِ غم کی سبب ہے صد نوا و رنگ کا
ایک خارِ درد خلّاقِ بہارِ نغمہ ہے

ہر نظر کانوں میں گا جاتی ہے اِک رودادِ مست
تیری آنکھوں سے رواں اِک آبشارِ نغمہ ہے

ہے جو موسیقیِ فطرت کا رواں در کارواں
ہر سماعت اصل میں اِک رہگزارِ نغمہ ہے

چھیڑ دے مطرب وداعِ ہوش کی پروا نہ کر
میرے ہر تارِ نفس کو اعتبارِ نغمہ ہے

حسن کا فریں لبِ رنگیں میں چشمِ مست میں
ہے تبسم جس جگہ پروردگارِ نغمہ ہے

رنگ اُڑایا تھا ازل میں مطربانِ حسن نے
آج تک چھایا ہوا دل پر غبارِ نغمہ ہے

آج پھر ہیں وہ کسی کے ساتھ سرگرمِ سرود
پھر مرا نالہ فضا میں ہمکنارِ نغمہ ہے

تیرے ہر انداز سے پیدا ہے سامانِ غزل
تو مجسم ایک نظمِ خوشگوارِ نغمہ ہے

طائرِ سدرہ سے سیکھی ہے نوائے وحی خیز
میرا جو نغمہ ہے شاگردِ گارِ نغمہ ہے

بغیر قتل کسی کو نہ چھوڑنا باقی
رہے نہ آج کوئی دردآشنا باقی

سنائے گا ترے دامانِ ناز کو قاتل
جو میری خاک کا ذرّہ بھی رہ گیا باقی

خدا کے سامنے دینے ہیں دل کو کچھ اظہار
ابھی ہے ایک قیامت کا ماجرا باقی

میں خود ہی مٹ گیا رسمِ وفا مٹا نہ سکا
یہ کام مجھ سے محبّت میں رہ گیا باقی

وہ اپنا دامن اُلفت سمیٹ کر رکھ لیں
سرِ نیاز پہ ہے سایۂ خدا باقی

ملالِ دل نہیں مجھ کو یہی غنیمت ہے
کہ یادگار ترا درد رہ گیا باقی

الٰہی مَیں نہیں مایوس فرطِ حرماں سے
کہ دل کو ہے تری رحمت کا آسرا باقی

قفس سے ہوں نہ اسیرانِ ہم نوا آزاد
ابھی ہے میری اسیری کا فیصلا باقی

فنا کے گورِ غریباں میں کھیل ہیں ساغرؔ
ہر ایک قبر پہ لکھا ہوا ہے "یا باقی"!

ساون کی رُت آ پہنچی، کالے بادل چھائیں گے
کلیاں رنگ میں چھلکیں گی، پھولوں میں رس آئیں گے

سامنے اُن کے آتے ہی سب شکوے مٹ جائیں گے
کچھ میں بھی شرماؤں گا، کچھ وہ بھی شرمائیں گے

ہاں وہ ملنے آئیں گے، رحم بھی کچھ فرمائیں گے
حسن مگر چٹکی لے گا، پھر قاتل بن جائیں گے

سرد ہوائیں آتی ہیں، تیری یاد دلاتی ہیں
جس دن تو خود آئے گا وہ ساون کب آئیں گے

شامِ خزاں ہے پھولوں کو دیکھ کے نالے کیا کھینچوں
میرے لب سے نکلیں گے ابرِ چمن بن جائیں گے

نالے کھوئے دُھند لکے میں شام ہوئی رات آ پہنچی
پریم کے سُونے مندر میں آخر وہ کب آئیں گے

ہستی کی بدمستی کیا، ہستی خود اِک مستی ہے
موت اُسی دن آئے گی ہوش میں جس دن آئیں گے

میری آنکھیں کچھ بھی نہیں تیرے جلوے جلوے ہیں
تو جب سامنے آئے گا، پردے سے پڑ جائیں گے

تارے کتنے ہی چھٹکیں، جگنو کتنے ہی چمکیں
شمع کی زردی کہتی ہے، رات گئے وہ آئیں گے

تم اپنے دروازے سے کیوں للکارے دیتے ہو؟
ایسی بھی کیا جلدی ہے جاتے جاتے جائیں گے

حسن کی موجیں اے ساغرؔ اُٹھیں جوشِ تصور سے
آغوشِ نظارہ میں پھر کوثر لہرائیں گے

ہے جو یہ سوزِ یک نفس سازِ تمام ہے یہی
نغمۂ صبح ہے یہی نالۂ شام ہے یہی

موت جہانِ عشق میں ایک شدید کفر ہے
اے دلِ نا اُمید سُن جذبۂ خام ہے یہی

میرے لبِ خموش پر حُسن کو حیرتیں ہیں کیوں؟
کہہ دے کوئی کہ عشق کا طرزِ کلام ہے یہی

منکرِ حشر ایک دن حشر کو مان جائیں گے
حُسنِ صبیح کا اگر طرزِ خرام ہے یہی

ذکرِ رہائی پر مرے اہلِ قفس پکار اُٹھے
اس کو رہا نہ کیجیے حاصلِ دام ہے یہی

خونِ حیات نذر دے لُعبتِ نو بہار کو
بلبلِ نغمہ ریز کو گُل کا پیام ہے یہی

جام بدست رقص میں بیخود و مست رقص میں
ساغرِ مست زندہ باد گردشِ جام ہے یہی

○

فکرِ حاصل اِک جنونِ خام ہے
عاشقی بے حاصلی کا نام ہے

دل تو دل اب خاک تک دل کی نہیں
اے جنزاک اللہ کیا انجام ہے

آہ ملتا ہے یہ سرمایہ کسے
غم بڑی دولت بڑا انعام ہے

ساقیا اِک جام بھر کر اور دے
جانتا ہوں کیا مرا انجام ہے

اللہ اللہ عشق کی بے کاریاں
ہم ہیں اور آٹھوں پہر اِک کام ہے

ہے ترا سحرِ تبسم فتنہ ساز
اور مری دیوانگی بدنام ہے

اضطرابِ بندگی پر شک نہ کر
میری بیتابی کا سجدہ نام ہے

لمحۂ آغاز کی عشرت نہ پوچھ
عشق کہنے ہی کو غم انجام ہے

یا فقط دھوکا ہے دامانِ کرم
یا مرا ذوقِ طلب ہی خام ہے

مدّعی اور پختہ کاری کا فریب
مدّعا ساغر خیالِ خام ہے

◉

○

دے ہوش کا پیغام کہ دیوانہ بنا دے
جو چاہے تری نرگسِ مستانہ بنا دے

ہلکا سا تبسّم وہی ہلکا سا تبسّم
ہر ذرّۂ ہستی کو جو دیوانہ بنا دے

میخوارِ محبّت ہوں مجھے جام سے کیا کام
اپنے لبِ گلرنگ کا پیمانہ بنا دے

تشنہ ہے بلانوشِ ازل دیر سے ساقی
اُٹھ عالمِ موجود کو پیمانہ بنا دے

پھر باغ و بیاباں کی فضا ہے تری تشنہ
آ دوسری دُنیا کو بھی دیوانہ بنا دے

تاروں سے برستی کو ہے بادہ شبِ وعدہ
ایسے میں کوئی چاند کو پیمانہ بنا دے

پھر دیکھ طرب خیزیِ رنگینیِ محفل
بھر بھر کے نظر میں مجھے پیمانہ بنا دے

رکھتا ہوں نہاں فطرتِ دل میں وہ کرشمہ
جو تیرے طرب خانے کو غم خانہ بنا دے

پامالِ محبّت یہی معراجِ بقا ہے
ہستی کو غبارِ درِ جانانہ بنا دے

لا سایۂ طوبیٰ میں اُڑے آج تو ساقی
ہاں رحمتِ معصوم کو پیمانہ بنا دے

اعجاز نہ پوچھو اُس نگہِ مست کا ساغرؔ
چاہے تو فرشتوں کو بھی دیوانہ بنا دے

◉

کیف نہ مجھ تک آسکا بادہ چکاں نگاہ سے
جلووں نے جان توڑ دی دورِیِ جلوہ گاہ سے

دیر سے کچھ ہوئے شروع کچھ درِ خانقاہ سے
مل گئے سب یہ راستے عشق کی شاہراہ سے

عشق نے لیں ہزیمتیں، حسن نے کیں حکومتیں
عشوۂ بے دریغ سے، غمزۂ بے پناہ سے

حسن بھی تھا لطیف تر رنگ بھی غازۂ سحر
پھر بھی تجلیوں کا بار اُٹھ نہ سکا نگاہ سے

بعدِ فنا بڑھاؤں گا شامِ لحد کی مستیاں!
لوٹ کے لے چلا ہوں کچھ آپ کی جلوہ گاہ سے

خانہ خرابیوں میں اِک رنگ سا دوڑنے لگا
کس کی نگاہ لڑ گئی میرے دلِ تباہ سے

کرلی چمن میں منضبط ایک کتابِ معرفت
چن لیے میں نے کچھ حروف ہر ورقِ گیاہ سے

ان کے ستم جتائے کیوں بن کے طبیب آئے کیوں
درد کچھ اور بڑھ گیا پرسشِ دردخواہ سے

○

ہم کو تم سے تم کو ہم سے کام ہے
ماسوا اس کا غمِ جنونِ خام ہے

آؤ گردن میں وہ باہیں ڈال دو
پریم جھولا جن کا اصلی نام ہے

پھر اُٹھو پہلو سے دامن کھینچ کر
پھر مرا ذوقِ تجسس خام ہے

پھر نگاہِ مست سے دیکھو مجھے
پھر مجھے فکرِ شکستِ جام ہے

پھر پلاؤ دستِ رنگیں سے شراب
پھر مجھے اندیشۂ انجام ہے

پھر گرا دو میرے دل پر بجلیاں
بجلیاں جن کا تبسم نام ہے

پھر ہو پھولوں اور ستاروں پر خرام
پھر وہی ٹھنڈی ہوائے شام ہے

◉

جھلکتا ہے مرے ہر رنگ میں عنوانِ بربادی
وہ جامِ عیش ہوں میں جس کا ہر قطرہ ہے فریادی

فضائے عرشِ اعظم میں فرشتے محو ساکت ہیں
مرے پیکر میں جھولا جھولتی ہے رُوحِ آزادی

رضا و صبر کی منزل میں ہر ٹھوکر پہ عبرت ہے
ارے او راہرو ہشیار یہ جادہ ہے سجادی

جہاں طور و حرم جلووں کے آگے رقص کرتے ہیں
یہ بُت خانہ اسی محفل کا اِک پتھر ہے بنیادی

اگر گنجائشیں ہوتیں نہ میرے رازِ خلقت میں
کہاں انگڑائیاں لیتی تمھاری عالمِ ایجادی

○

ترا جلوہ جو اِک دن شعلۂ ہر بام ہو جائے
مری حیرت بڑی جلوہ گری بدنام ہو جائے

جو وہ اِک دن فضا افروزِ بزمِ جام ہو جائے
نگہ قاصد بنے اور ہر نفس پیغام ہو جائے

ستم سے بھی ترے دیوانگاں جو منہ موڑیں
کرم کی طرح گر تیرا ستم بھی عام ہو جائے

ہمارے ایک حرفِ آرزو کی وسعتیں تو یہ
سحر کو کہنے بیٹھیں کہتے کہتے شام ہو جائے

اسیری نام ہے آزادیِ خود اختیاری کا
بڑا آزاد ہے جو خود اسیرِ دام ہو جائے

ستارہ بن کے چمکے بیکسی کے آسمانوں پر
وہ اِک آنسو جو غربت میں چراغِ شام ہو جائے

تعالی اللہ کیا معجز نمائے میکدہ ہم ہیں
کہ جس شے پر نگاہیں ڈال دیں وہ جام ہو جائے

بڑی عزت ہے تیرے نام پر بدنام ہو جانا
وہ خوش قسمت ہے جو میری طرح بدنام ہو جائے

وہ میکش ہیں کہ گر ہم عزمِ مے نوشی کریں ساغر
فضائے میکدہ سمٹے، سمٹ کر جام ہو جائے

◉

پریشاں ہوں حجابِ جسم و جاں سے
یہی پردے نہ اُٹھے درمیاں سے

عبارت آستاں سجدوں سے میرے
مرے سجدے عبارت آستاں سے

زمانہ بھر نے ٹھکرایا ہے ہم کو
اُٹھا دو تم بھی اپنے آستاں سے

پتہ اب کیا ترے مستوں کا ساقی!
اُدھر پہنچے حدودِ لامکاں سے

قفس خود چل کے آئے آشیاں تک
کہ اُڑ سکتے نہیں ہم آشیاں سے

جبیں تو پھر جبینِ عشق ٹھہری
نظر اُٹھتی نہیں ہے آستاں سے

اب آوارہ ہے ذوقِ سجدہ ساغر
نہ اُٹھنا تھا کسی کے آستاں سے

پریشاں ہو کے سوزِ حسن خود دیوانہ ہو جائے
تماشا ہو جو ساری انجمن پروانہ ہو جائے
رواں رگ رگ میں اک کیفیتِ مستانہ ہو جائے
وہ جس دل پر نگاہیں ڈال دیں پیمانہ ہو جائے
مرتب جب ہماری خاک سے پیمانہ ہو جائے
تو بنتے ہی خرابِ لغزشِ مستانہ ہو جائے
کچھ اس ترکیب سے ترویج بادہ چاہتا ہوں میں
کہ مذہب خود شریکِ مشربِ رندانہ ہو جائے
خرابِ کن ہے سارا دورِ عالم جانتا ہوں میں
جسے دیوانہ کہہ دو تم ابھی دیوانہ ہو جائے
دلِ برباد قسمت کاروانِ غم کی خاطر کر
کہیں ایسا نہ ہو خالی مسافر خانہ ہو جائے
وہ لفظِ آرزو دل میں گھٹے تو کیا قیامت ہو
جو لب تک آتے آتے محشرِ افسانہ ہو جائے
پھر اتنی ملتفت ہوں یا نہ ہوں وحشت فروش آنکھیں
جسے دیوانہ ہونا ہو ابھی دیوانہ ہو جائے
ہمارے دل کی بربادی سے ہے تخلیقِ ویرانہ
جہاں مٹ جائیں ہم پیدا وہیں ویرانہ ہو جائے
تری کافر نظر کی مست سامانی ارے توبہ!
رہے خاموش اور ہنگامۂ میخانہ ہو جائے
اٹھے ان کی نظر تو آسماں پر میکدے جھومیں
جھکے تو انجمن میں بارشِ پیمانہ ہو جائے
فلک کی گردشیں خود مستِ رنگ و کیف ہیں ساغر
مقدر کیوں خلافِ ساغر و پیمانہ ہو جائے

اک تبصرۂ حیاتِ گزشتہ پہ کر گئی
جب خشک آنسوؤں پہ مری چشمِ تر گئی

چشمِ وفا میں آج کہاں رنگِ التفات
رنگینیِ نگاہِ محبت اتر گئی

تیری نگاہِ گرم میں وہ جوشِ نشر تھا
جمعیتِ ہجومِ تمنا بکھر گئی

ہر شورشِ حیات میں مضمر ہے لطفِ عشق
زخم اب ہوئے ہیں زخم کہ جب خاک بھر گئی

کیا چیز ہے نوازشِ موجِ خیال بھی
آج آنسوؤں سے دامنِ امید بھر گئی

دنیا پہ آسماں کی جوانی برس پڑی
جب بادلوں کے پاس تمہاری نظر گئی

دنیا تحیرات میں گم ہو گئی، مگر
تا جلوہ گاہِ دوست ہماری نظر گئی

میرے لیے تو حاملِ صد برقِ طور تھی
تیری وہ اک جھلک جو مرا کام کر گئی

ساغرؔ جنوں نوازیِ چشمِ مستِ یار
دیوانگی میں عمرِ محبت گزر گئی!

○

شعورِ نو کا سینہ، سوزِ نو سے مجمر آرا ہے
جو چنگاری ہے سورج ہے، جو شعلہ ہے ستارا ہے

حضورِ عشق اب دن رات جلووں کا تماشا ہے
کہ جو پنہاں ہی پنہاں تھا وہ اب پیدا ہی پیدا ہے

سبک کیوں جانتا ہے رہروانِ بے سر و پا کو
کہ ہر قطرہ یہاں صورت گرِ امواجِ دریا ہے

جنوں میدانِ دار و گیر میں ہنس ہنس کے کہتا ہے
ازل بھی اک تماشا تھا ابد بھی اِک تماشا ہے

مری جودت کا یہ مصرف ہے اے بازی گرِ فطرت
کہ اِک جانِ حزیں ہے اور تماشے پر تماشا ہے

حریمِ ناز سے کچھ بجلیاں پیغام لائی ہیں
کہ پھر منظورِ اُن کو امتحانِ عشقِ رسوا ہے

لباسِ کہنہ سوزِ حُسن نے سب خاک کر ڈالے
تمنّا کو بھی اِک پیراہنِ نو کی تمنّا ہے

چھڑے گا پھر کوئی نغمہ بسے گا پھر کوئی عالم
ربابِ کُن میں پھر احساسِ تجدیدِ تمنّا ہے

نیا بادہ، نیا ساغر، نیا ساقی، نئے میکش
فروغِ خشتِ خُم سے اِک عجب عالم برستا ہے

دلِ ساقی میں کیا سیلاب ہے، یہ تو وہی جانے
نظر سے انقلابِ کیف کا طوفان پیدا ہے

ہر اِک حق باطلِ خلّاق کی مخلوق ہے یعنی
نہ دوزخ ہے نہ جنّت ہے، نہ آدم ہے نہ حوّا ہے

کبھی اے سادہ دل تو نے نظر ڈالی بھی ہے دل پر
جو ہر انسان پر نازل ہوا یہ وہ صحیفا ہے

نیا اِک خاکۂ کون و مکاں تیار ہے ساغرؔ!
جبینِ دہر پر ہلکا سا پر تو میں نے دیکھا ہے

◉

گیت

آزادی کا شوالہ

جیون تج کر ہم نے سجایا آزادی کا شوالہ
اس کے کلس آکاش کو چومیں دھوے چرن ہمالہ
سورج دیپ دکھائے اس کو درپن کرنیں ڈالیں مالا
جیون تج کر ہم نے سجایا آزادی کا شوالہ

بودھوں نے اصنام بنائے توت زرع من اہرام
ایبک نے مینار اُٹھایا شاہ جہاں نے تاج
ہم نے ایسا تاج بنایا سورج جس کا ہالا
جیون تج کر ہم نے سجایا آزادی کا شوالہ

ہتکڑیوں کی خاک سے ہم نے سُندر کنگن ڈھالے
بیڑیوں کو پگھلا کر ہم نے چندن ہار گندھائے
زنجیروں کو ہم نے گلا کر حلقۂ گُل میں ڈھالا
جیون تج کر ہم نے سجایا آزادی کا شوالہ

خونِ جگر سے ہم نے کھلائے صحرا میں گلزار
مر مر کے لوگوں کے گلے میں ڈالے کُسُم کے ہار
اپنے لہو سے ہم نے بنایا مٹی کو گلِ لالہ
جیون تج کر ہم نے سجایا آزادی کا شوالہ

ندیوں سے سیلاب پُھوٹے سیلابوں سے نوُر
نور سے ماہ و انجم ڈھالے، انجم سے سو طور
صحرا صحرا، وادی وادی جاگ اُٹھا اُجیالا
جیون تج کر ہم نے سجایا آزادی کا شوالہ

دُکھ کی دھندلی سی پرچھائیں کومل پلکوں کا سایا
دیکھ نہ پایا کوئی جس کے سائے کی بھی چھایا
گلی گلی اب نِرت کرے ہے وہ سپنوں کی بالا
جیون تج کر ہم نے سجایا آزادی کا شوالہ

پات پات سنگیت بکھیریں ڈار ڈار مُسکائے
کومل کومل سانس کی خوشبو تن مَن سُمن کھِلائے
ایک بڑے ظلمی سے چھینی ہم نے وسنت بالا
جیون تج کر ہم نے سجایا آزادی کا شوالہ

گاؤں بدل کر اپنا بانا شہروں پر مُسکائیں
جوڑا سُرخ پہن جھونپڑے محلوں کو شرمائیں
چمن کھِلاتا چلا گیا ہے تلووں کا ہر چھالہ
جیون تج کر ہم نے سجایا آزادی کا شوالہ

سمے کے پیچیدہ دھارے کی موڑی ہم نے کلائی
کاٹ دیے طوفاں کے دھارے بحر کی توڑی چھاتی
مہک رہا ہے سارے جگ میں گیسوئے بنگالہ
جیون تج کر ہم نے سجایا آزادی کا شوالہ

یوں کہنے کو ہم ہی راناؔ، ہم ہی خاص، عوام
ہم ہی ساقی ہم ہی مدِرا ہم ہی چھلکتے جام
بات تو جب ہے ہر ذرے سے اُمنڈے اِک مدھوشالہ
جیون تج کر ہم نے سجایا آزادی کا شوالہ

ہم ہی مورتی ہم ہی بھگون ہم ہی بھگت میں ہم ہی تلسی
ہم ہی دیپک ہم ہی جوتی ہم ہی سمن کی باس
ہم نے زنجیروں سے گوندھی پھولوں کی اِک مالا
جیون تج کر ہم نے سجایا آزادی کا شوالہ

پیاس میں کس کا سیس نوا ہے بھوک میں کس نے کی ہے پوجا
پیاس مٹے تو ہے یہ مندر بھوک مٹے تو ہے یہ شوالہ
کوئی نظر یاں بھیک نہ مانگے کوئی آنکھ نہ ہو یاں کاسہ
چندرماں روٹی کا چمکے، دمک اُٹھے یہ شوالہ

بھارت ماں پرنام

بھارت ماں پرنام
اے بھارت ماں پرنام
بھور ہے تیری چاندی کی سونے کی تیری شام

ہیروں کی مالا پہنائیں اندھیاروں کو ستارے   قدم قدم امرت برسائیں گنگا مائی کے دھارے
سوم رس سے چھلکیں مہکیں سُرخ کنول کے جام
بھارت ماں پرنام
اے بھارت ماں پرنام

رنگ محل سبزہ زاروں کا اور پھولوں کا جزیرہ   کوسوں کوسوں مہک رہی ہے سیوتی نرگس لالہ
اَن چھوئے ہیرے اور موتی اور بن گائے ترانے   سوتے ہیں تیرے سینے میں لامحدود خزانے
تیری سپُتریاں ترویبی نرمدا گنگا جمنا   میٹھے پانی کا مخزن ہے تیرا مہان ہمالہ
انگ انگ میں تیرے جنت کیا کشمیر، آسام
بھارت ماں پرنام
اے بھارت ماں پرنام

پھول کھلے دھرتی پر تیری گوتم کرشنا رام   بدل دیے خوشبو نے جن کی جگ کے صبح و شام
مور کلاؤں کے رقصاں ہیں تیری گودی میں ہر آن   تیری ماٹی میں درشن ہے چرنوں میں الہام
تیرے ذرّے ذرّے میں بکھرا ہے اہنسا کا پیغام
تیری گودی سے اُبھرے تھے نانک گاندھی اور کبیر   تیری دھرتی سے اُٹھے تھے چشتی اور نظام
کثرت میں اے ماتا تو ہے وحدت کا پیغام
بھارت ماں پرنام
اے بھارت ماں پرنام

جھرنے تیرے گیت بکھیریں چشمے ساز بجائیں   چوٹی چوٹی گھونگر باجیں سرد ہوائیں گائیں
بحر ترے چرنوں پہ ناچے موجیں کریں سلام
ایٹم کے اِس عہد میں بھی ہے زندہ تیرا پیام
بھارت ماں پرنام
اے بھارت ماں پرنام

◉

بند ھوا مزدوروں کا گیت

ساتھی جرم ہوئی بیگار، ساتھی ختم ہوئی بیگار
بولو دیش کی جئے جئے کار، جئے جئے کار جئے جئے کار
بولو دیش کی جئے جئے کار، جئے جئے کار جئے جئے کار
ہم بھی آج سے ہیں آزاد، ہم بھی آج سے ہیں دلشاد
ساتھی جرم ہوئی بیگار، ساتھی ختم ہوئی بیگار
ہم بھی آج سے ہیں آزاد، ہم بھی آج سے ہیں دلشاد
بولو دیش کی جئے جئے کار، جئے جئے کار، جئے جئے کار
ساتھی جرم ہوئی بیگار، ساتھی ختم ہوئی بیگار
بولو دیش کی جئے جئے کار

جکڑے ہوئے تھا جس میں تن من اور اپنی تقدیر
کاٹ دیں نیائے کے آرے نے وہ صدیوں کی زنجیر
اپنا آنگن ہے اپنی دھرتی، اب اپنا سنسار
ناچو، گاؤ، دھوم مچاؤ، ہوگیا بیڑہ پار
ساتھی جرم ہوئی بیگار، ساتھی ختم ہوئی بیگار
ہم بھی آج سے ہیں آزاد ہم بھی آج سے ہیں دلشاد
بولو دیش کی جئے جئے کار، جئے جئے کار، جئے جئے کار

سب کچھ اپنا گروی رکھتے، گروی رکھتے دھرتی
قرض کے بدلے بیٹا کیسا، پوتا کرتا غلامی
ادا نہ ہوتا کبھی بھی ساتھی، اتنا لمبا اُدھار
نئے نیم نے کر دیا ساتھی، دور اپنا آزار
ساتھی جرم ہوئی بیگار، ساتھی ختم ہوئی بیگار
ہم بھی آج سے، ہیں آزاد، ہم بھی آج سے ہیں دلشاد
بولو دیش کی جے، جنے کار، جنے جنے کار، جئے جئے کار

بالک بھی آزاد ہیں اور آزاد ہیں بیتر بانی
آزادی کی روٹی ہے اب، آزادی کا پانی
قرض کا بوجھ اُتارے سر سے دھرتی دے سرکار
کب تک ساتھی کام نہ کرتی مظلوموں کی پکار
ساتھی جرم ہوئی بیگار، ساتھی ختم ہوئی بیگار
ہم بھی آج سے ہیں آزاد، ہم بھی آج سے ہیں دلشاد
ساتھی جرم ہوئی بیگار
ساتھی جرم ہوئی بیگار
ساتھی ختم ہوئی بیگار
ساتھی ختم ہوئی بیگار
بولو دیش کی جے جے کار
جے جے کار، جے جے کار

◉

میرے وطن کی دھرتی

کیسی انیلی کیسی سجیلی میرے چمن کی دھرتی
ٹک ٹک دیکھ رہا ہے سُورج حیراں ہے پرکرتی
کیسی انیلی کیسی سجیلی میرے وطن کی دھرتی
کوہ و دریا، بستی جنگل ، مہکے یہ گُل بوٹے   وِیر اور گوتم رام اور موہن گود سے اس کی پھوٹے
دھرتی اور آکاش پہ چھائے میرے وطن کی دھرتی
نجم سپہر گوتم کیا ہے، وِیر کے مالا کا اِک موتی   شمع ابنِ مریم کنڈل پور کے دیپ کی ہے اِک جوتی
کیسی کیسی جوت جگائے میرے وطن کی دھرتی
دیپ دیپ جوتی مُسکائی شاخ شاخ مدبان کی کلیاں   چمن چمن خوشبو لہرائی رکت کمل میں ہوا چراغاں
جیون کو فردوس بنائے میرے وطن کی دھرتی
ایک نیا سنسار بسایا وِیر کے دردِ دل نے نیارا   چڑیاں انساں شیر درندے مل کر ہو گئے ایک ہی کُنبا
جگ کو آتم گیان سکھائے میرے وطن کی دھرتی

◉

ناگ

آؤ میں تن میں بسالوں اے بانبی کے باسی
تن ہے خالی من ہے سُونا، روح سکوں کی پیاسی
آؤ میں تن من میں بسالوں اے بانبی کے باسی

نازک نازک سے یہ پودے، ہَری ہَری یہ گھاس
ننھے ننھے یہ گُل بوٹے، بھینی بھینی باس
صبح کی گودی میں جاگے ہوئے نیندوں کے ماتے
سینہ تانے پھن پھیلائے کچھ کچھ کنڈلی مارے
اور جو یونہی ہاتھوں پہ اُٹھالوں!؟
اور جو یونہی ہاتھوں پہ اٹھالوں اے بانبی کے باسی
آؤ میں تن من میں بسالوں اے بانبی کے باسی

سبزے کے دامن پر لیوں کنڈلی مارے بیٹھے
جیسے کاجل آنکھ سے بہہ کر رُخساروں کو گھیرے
سورج کی کرنوں میں ایسے چمک رہا ہے مکھڑا
جھل مل جھل مل جیسے جھومر کرے کسی دُلہن کا
اِس جھومر کو کیوں نہ چُرالوں!؟
اِس جھومر کو کیوں نہ چُرالوں اے بانبی کے باسی
آؤ میں تن من میں بسالوں اے بانبی کے باسی

مستی کا لہراتا پیکر، سر سے پا تک کالے
موت کی وادی کے رکھوالے اے قہروں کے پالے
ابرِ سیہ اُترا ہے زمیں پر تازہ شبنم پینے
حبشی کوئی لُوٹ رہا ہے یا موتی کے خزینے

مَیں بھی اِک موتی کو اُٹھالوں !؟
مَیں بھی اِک موتی کو اُٹھالوں اے بانبی کے باسی
آؤ میں تن مَن میں بسالوں اے بانبی کے باسی

میری آنکھیں اِک ابدیت دیکھ رہی ہیں تُم میں
زہرِ غم، تریاقِ محبت دیکھ رہی ہیں تم میں
حُسن کا لامحدود جلالت دیکھ رہی ہیں تم میں
اور اپنے مقصود کی صورت دیکھ رہی ہیں تم میں

ٹھہرو اِک تصویر بنالوں !؟
ٹھہرو اِک تصویر بنالوں اے بانبی کے باسی
آؤ میں تن مَن میں بسالوں اے بانبی کے باسی

اپنی ہی مستی کی دُھن میں جھوم رہے ہو ایسے
جیسے کوئی دکتی کنواری مَدِرا پی کر جھومے
اندھیاری دَرپن ہے تمھارا، نور تمھارا ہالا
رات کی دیوی کیا جنگل میں بھول گئی ہے مالا

اپنے گلے میں تم کو ڈالوں !؟
اپنے گلے میں تم کو ڈالوں اے بانبی کے باسی
آؤ مَیں تن مَن میں بسالوں اے بانبی کے باسی

کُسم کی ٹہنی پر بھونروں نے یا ڈالا ہے ڈیرا
بن پتوں کی شاخ پہ ہے یا کوئل رین بسیرا
بجلی سے معمور گھٹائیں اُمنڈ رہی ہوں جیسے
یا ساون کی کالی راتیں سمٹ گئی ہوں جیسے

آؤ تم کو بین بنالوں !؟
آؤ تم کو بین بنالوں اے بانبی کے باسی
آؤ میں تن مَن میں بسالوں اے بانبی کے باسی

یا کوئی مغرور جوانی جھوم رہی ہو پی کر
یا طوفانوں میں لہرائے جیسے کالا ساگر
پاپ کی میٹھی اندھیاری ہو، یا مستی کا سویرا
موت کی روشن تاریکی ہو یا جیون کا اندھیرا

اُمیدوں کا دیپ جلالوں !؟
اُمیدوں کا دیپ جلالوں اے بانبی کے باسی
آؤ میں تن من میں بسالوں اے بانبی کے باسی

نیلم کی تختی کی طرح ہاں زریں گھاس میں دمکو
سوزِ غضب بن بن کر تڑپو بجلی بن کر چمکو
بین کے مدھ ماتے نغموں پر بیخود ہو کر جھومو
گاہ میری وینا پر لوٹو، گاہ زمیں کو چومو

کیوں نہ تمھیں دیوانہ بنالوں !؟
کیوں نہ تمھیں دیوانہ بنالوں اے بانبی کے باسی
آؤ میں تن من میں بسالوں اے بانبی کے باسی

موت کی گردن کی اے ہیکل، اے شنکر کے جوشن
بربادی کے زہری کنگن، اے کالی کے جھانجن
مَیں نے مانا زہر ہے تم میں، بس کی تم ہو مینا
لیکن میں نے سیکھا ہے زہرابِ مقدر پینا

ساقی کیا تم کو بھی بنالوں !؟
ساقی کیا تم کو بھی بنالوں اے بانبی کے باسی
آؤ مَیں تن من میں بسالوں اے بانبی کے باسی

اے بانبی کے بسنے والے تم کیا ہو زہریلے
لاکھوں ناگ ہیں انسانوں میں گورے، کالے، پیلے

ملّا، نیتا، پیر اور پنڈت، راجے، پانڈے، لالے
بستے ہیں دُنیا میں تم سے بڑھ کر ڈسنے والے

تم سے کیا میں مَن کو ڈسا لوں!؟
تم سے کیا میں مَن کو ڈسا لوں اے بانبی کے باسی
آؤ میں تن مَن میں بسا لوں اے بانبی کے باسی

بس ہے تمھارا بوند برابر، ان کا زہر سمندر
ڈنک تمھارا دو پرانوں تک، ان کا ڈسنا گھر گھر
سحر تمھارا تن پر بولے ان کا جادو مَن پر

مَن سے ان کا زہر ہٹا لوں!؟
مَن سے ان کا زہر ہٹا لوں اے بانبی کے باسی
آؤ میں تن من میں بسا لوں اے بانبی کے باسی

آدم کی خلقی وحشت کا رنگ رچا ہے مجھ میں
انساں کی زہری فطرت کا زہر بھرا ہے مجھ میں
نفرت اور محبّت کا ہر جام پیا ہے مَیں نے
بِس کو اَمرت، اَمرت کو زہر اب کیا ہے میں نے

تم کو بھی اِک بوند چکھا لوں!؟
تم کو بھی اِک بوند چکھا لوں اے بانبی کے باسی
آؤ میں ہونٹوں سے لگا لوں اے بانبی کے باسی

رکھ دو ڈنک مرے ہونٹوں پر جان و دل میں کاٹو
زہر کو مصری بنتے دیکھو، اور دل میں شرماؤ
ٹھہرو کیوں کھوتے ہو اپنے میٹھے بس کا مخزن
دُکھ کے بِس سے اَمر بنا ہے میرا تن مَن جیون

تم کو بھی جاوید بنا لوں!؟
تم کو بھی جاوید بنا لوں اے بانبی کے باسی

آؤ میں تن مَن میں بسالوں اے بانی کے باسی
آؤ میں سینے سے لگالوں اے بانی کے باسی

انسانی ناگوں کے بیاں ہوں کیا کیا زہرا فسانے
تیرا ڈسنا چھُپ چھُپ کر ہے ان کا کھلے خزانے
ڈستے ہیں اور پھر کہتے ہیں موت نہ آنے پائے
تیرا بس تو رکھتا ہے ہر زخمی دل پر پھائے

دارو ئے آلام چرالوں ! ؟
دارو ئے آلام چرالوں اے بانی کے باسی
آؤ میں تن مَن میں بسالوں اے بانی کے باسی

کڑوی تند نگاہوں سے سَو گھونٹ لیے ہیں میں نے
ہستی کی تلخی کے لاکھوں جام پیے ہیں میں نے
تم میرے انسانی بِس سے پانی مت ہو جانا
گیتوں کے چھینٹوں سے جگالوں ! ؟
گیتوں کے چھینٹوں سے جگالوں اے بانی کے باسی

◉

دے مجھے پیار ہی پیار

(۱)

دے مجھے پیار ہی پیار
ساقیا آج مجھے بادۂ گلنار نہ دے
دے مجھے پیار ہی پیار
خشک سالی ہے بہت پیار کی برکھا کر دے   آج ساغر میں مرے پیار کا امرت بھر دے
ساقیا برسوں کے اس زہر کو مار
دے مجھے پیار ہی پیار
ساقیا آج مجھے بادۂ گلنار نہ دے
پیار کنولوں کی مہک پیار ہے چمپا کی سوگند   پیار ہے نکہتِ گل، پیار ہے خوشبو کی کمند
زندگی پیار کی خوشبو کی شکار
دے مجھے پیار ہی پیار
ایک ہی پیڑ کی شوبھا ہیں وہ ہوں پھول کہ پھل   ایک ہی بہتی ہوئی ندی کا ہیں نرمل جل
کیسے سمجھاؤں یہ اسرار
دے مجھے پیار ہی پیار
ایک خوں ایک ہی رنگ ایک جمالِ تہذیب   ایک گیت، ایک ستار ایک غنا کی ترکیب
کیوں ہے یہ بیچ میں دیوار
دے مجھے پیار ہی پیار

پیار رِستے ہوئے زخموں کے لیے مرہم ہے　　پیار امرت ہے، خود آگاہ ہے، جامِ جم ہے
پیار بھگوان ہے پیار
پیار کے بیج بکھیروں گا زمانے بھر میں　　نئے گلزار اگاؤں گا زمانے بھر میں
مہک اٹھے گی مَن میں بہار
دے مجھے پیار ہی پیار
ساقیا آج مجھے بادۂ گلنار نہ دے
دے مجھے پیار ہی پیار
مسجد و دیر و کلیسا میں بکھیروں گا میں پیار　　اپنی بہکی ہوئی دنیا میں بکھیروں گا میں پیار
اپنے جنگل کو کروں گا گُل زار
دے مجھے پیار ہی پیار
پیار کی اوس کا ہر قطرہ ہے غنچے کا جواب　　پیار کی بادِ صبا آگ کو کرتی ہے گلاب
کیا بھلا پیار کے آگے تلوار
دے مجھے پیار ہی پیار
برسوں سے آگ جو بھڑکی ہے بجھانی ہے مجھے　　آج انگاروں پہ اک بزم سجانی ہے مجھے
دے مجھے مہکے ہوئے ہار
دے مجھے پیار ہی پیار
دے مجھے پیار ہی پیار
دے مجھے پیار ہی پیار

آئی پُورنیما آئی

آئی آئی پورنیما آئی رے
مرے انگنا میں چاندنی چھائی رے
آئی آئی پورنیما آئی رے

ستارے جگمگا اُٹھے، اندھیرے مسکرا اُٹھے
بہار جھومنے لگی سویرے کھلکھلا اُٹھے
نئے جیون نے لی انگڑائی رے
آئی آئی پورنیما آئی رے
مرے انگنا میں چاندنی چھائی رے

رات تاروں کا درپن لائی رے
مرے انگنا میں چاندنی چھائی رے
آئی آئی پورنیما آئی رے

ترے قدم کی چاپ سے بجھے چراغ جل اُٹھے
تری حسین تان سے چمن میں غنچے ہنس پڑے
مرے من کی کلی مسکائی رے
مرے انگنا میں چاندنی چھائی رے
آئی آئی پورنیما آئی رے

آرزو کے ساز پر جب تلک ہو گائے جا
ہنس رہی ہے چاندنی تو بھی مسکرائے جا
مجھے آنے لگی انگڑائی رے
مرے انگنا میں چاندنی چھائی رے
آئی آئی پورنیما آئی رے

◉

باغی سنسار

اِس باغی سنسار میں پریتم کون کسی کا ہوئے!؟

چندرماں سے جوت برس کر پربت پر آنسو ئے
پربت سے سو جھرنے پھوٹیں پربت بیٹھا روئے
جاؤ سُدھارُتم بھی سدھارو روکے تم کو کوئے
اِس باغی سنسار میں پریتم کون کسی کا ہوئے!؟

جھرنے بڑھ کر دریا بنیں، دریا ساگر ہوئے
ساگر بادل بن کر اُمڈے اور کرنی پر روئے
جاؤ سدھارو تم بھی سدھارو روکے تم کو کوئے
اس باغی سنسار میں پریتم کون کسی کا ہوئے!؟

پات جھڑیں ٹہنی سے، ٹہنی ننگی ہو کر روئے
ٹہنی خود پیپل کو چھوڑے اِک دن ایسا ہوئے
جاؤ سدھارو تم بھی سدھارو روکے تم کو کوئے
اِس باغی سنسار میں پریتم کون کسی کا ہوئے!؟

باس کلی کا سینہ چیرے اور دُنیا پر چھائے
پھول سے رنگت باغی ہو کر تتلی بن اُڑ جائے
جاؤ سدھارو، تم بھی سدھارو روکے تم کو کوئے
اِس باغی سنسار میں پریتم کون کِسی کا ہوئے !؟

تن اِک دن جوبن کو چھوڑے آتم تن دے تیاگ
مُرلی اِک دن راگ کو پھونکے اور مُرلی کو راگ
جاؤ سدھارو، تم بھی سُدھارو روکے تم کو کوئے
اس باغی سنسار میں پریتم کون کسی کا ہوئے!؟

جاؤ سدھارو تم بھی سدھارو روکے تم کو کوئے
اس نگری کی ریت یہی ہے جو پائے سو کھوئے
جاؤ سدھارو تم بھی سدھارو روکے تم کو کوئے
اس باغی سنسار میں پیارے کون کسی کا ہوئے!؟

◉

لے رُوح۔

ہولی

پیابن کیسے کھیلوں میں ہوری　　سکھی ری مت کر جورا جوری　　پیابن کیسے کھیلوں میں ہوری
پیا نہیں تو کیسی ہوری
کیسی خوشی اور کیسی مستی
پچکاری مت مار دِوانی
میں تو آپ بِرہا کی ماری　　پیا بن کیسے کھیلوں میں ہوری

لال رنگ بھی لال نہیں ہے
دھانی بھی نہیں دھانی
سکھی ری دُور ہی رکھو پچکاری
میں تو آپ بِرہا کی ماری
پیا بِن کیسے کھیلوں میں ہوری

جیون کو مہکا دو پھولو!

جیون کو مہکا دو پھولو تمھیں نہیں مُرجھانا
خوشبو چھپایا، رنگ کہانی اور بہار فسانہ مُرجھائے پھولوں میں چھُپا ہے کلیوں کا مسکانا
مُرجھانا کہتے ہیں جس کو کھِلنے کا ہے بہانا
تم نے نہیں یہ جانا
جیون کو مہکا دو پھولو تمھیں نہیں مُرجھانا

تم سے پہلے اِس بگیا میں کتنی بہاریں آئیں کلیاں چٹکیں پھول کھِلائے جھومی ناچی گائیں
خوشبوؤں میں بسا ہوا ہے اس دھرتی کا بانا
کھِلنا اور مُرجھانا
جیون کو مہکا دو پھولو تمھیں نہیں مُرجھانا

مُرجھانے سے ڈرنا کیسا پھول نہیں مُرجھاتے ایک بار جو کھِل پڑتے ہیں پھر نہیں وہ کمھلاتے
پھولوں کا مُرجھانا تو ہے کلیوں کا مسکانا
کھِلنا امر ترانہ
جیون کو مہکا دو پھولو تمھیں نہیں مرجھانا

دُکھوں کا طُوفان

دُکھوں کا ایک طوفان ہے دُنیا
دُکھوں کا اِک طوفان
نیر بھری بے گنتی آنکھیں ـــــ جیسے بھیک کے پیالے
جیسے برکھا نالے
دھنسے ہوئے پیٹوں کی نگری ـــ دُنیا کا ایمان
دُکھوں کا اِک طوفان

بلک رہی بھوکوں کی دنیا ـــــ پیاسا ایک زمانہ
سُکھ ہے دُکھ کا بہانہ
کوئی روگی کوئی درو ہی ـــــ اور کوئی بے جان
دُکھوں کا اِک طوفان

دُکھ جیون ہے، دُکھ مرتیو ہے، دُکھ ہے خود شمشان
دُکھ سے کیسے اَمان
ہے یہی شکتی، ہے یہی مکتی ـــــ اور یہی نروان
دُکھوں کا اِک طوفان

دُکھ ہی سُکھ کے مکھ پر ہے جیون کی یہ جوت
نیر بھرے نینوں سے پھوٹیں سُکھ کے لاکھوں سوت
دُکھوں کا اِک طوفان

بچّوں کا گیت

ہم ہیں اپنے باغ کے پودے ہرے بھرے اور کومل کومل
جس دھرتی سے ہم اُپجے ہیں اس دھرتی پر واری جائیں — بھگوان اس کے کام آئیں
دھرتی ماتا ہم سے خوش ہو، ماتا کی آشا ہو سپھل
ہم ہیں اپنے باغ کے پودے ہرے بھرے اور کومل کومل

اپنے پتّوں کی ہریالی دھوپ کی جوالہ کو سہہ لے
اپنی چھایا آئیں مسافر اور آکر سُکھ کے گُن گائیں — بھگوان سب کے کام آئیں
ہم ہیں اپنے باغ کے پودے ہرے بھرے اور کومل کومل

ہم سے سوگندھ کی ندی پھوٹے دُور تلک یہ ندّی جائے
پیاسوں کی یہ پیاس بجھائے ساحل ساحل پھول کھلائے — دنیا پر خوشبو برسائیں
ہم ہیں اپنے باغ کے پودے ہرے بھرے اور کومل کومل

جس دَھرتی سے ہم اُپجے ہیں اس دھرتی پر واری جائیں — بھگوان اس کے کام آئیں
ہم ہیں اپنے باغ کے پودے ہرے بھرے اور کومل کومل

◉

وطن کے سنتری ہیں ہم

وطن کے سنتری ہیں ہم وطن کے پاسباں ہیں ہم
چمن کے پھول ہی نہیں، چمن کے باغباں ہیں ہم
وطن کے سنتری ہیں ہم وطن کے پاسباں ہیں ہم

محبت اپنا دھرم ہے
ملاپ اپنا کرم ہے
سبھاؤ اپنا شانتی
ہے سب سے اپنی دوستی

ہر ایک دیس مانتا ہے امن کا نشاں ہیں ہم
وطن کے سنتری ہیں ہم، وطن کے پاسباں ہیں ہم

نہ قید ہے پرانت کی
نہ شہر کی نہ گاؤں کی
نہ رنگ کی نہ نسل کی
نہ دین کی نہ دھرم کی

تمام ایک دل ہیں ہم، تمام ایک جاں ہیں، ہم
وطن کے سنتری ہیں ہم وطن کے پاسباں ہیں ہم
چمن کے پھول ہی نہیں چمن کے باغباں ہیں ہم
قدم قدم پہ دیش کو
بنائیں گے، سجائیں گے
سمے جو آپڑا کبھی
تو جاں پہ کھیل جائیں گے

ہتھیلیوں پہ سر لیے وہ شیر دل جواں ہیں، ہم
چمن کے پھول ہی نہیں، چمن کے باغباں ہیں ہم
وطن کے سنتری ہیں ہم
وطن سے دل میں روشنی
وطن ہماری زندگی
وطن کی زندگی ہیں، ہم

وطن کے سنتری ہیں ہم وطن کے پاسباں ہیں ہم
چمن کے پھول ہی نہیں چمن کے باغباں ہیں ہم
وطن کے سنتری ہیں ہم وطن کے پاسباں ہیں ہم

◉

سب سے دیش مہان

دیش کے آگے سیس نوائیں سب سے دیش مہان
سب سے دیش مہان
دیش ہے سورج ہم کرنیں   دیش سمن ہے ہم خوشبو
دیش گگن ہے ہم تارے
تارے سب کو راہ دکھائیں   خوشبو ڈار ڈار مہکائے   کرنیں پات پات مسکائیں
ہم دھرتی کی جان
سب سے دیش مہان
دیش کے آگے سیس نوائیں سب سے دیش مہان
سب سے دیش مہان
دیش دیپ ہے ہم جوتی   دیش سیپ ہے ہم موتی
دیش ہے جھرنا، ہم پانی
پانی سب کی پیاس بجھائے   موتی خاک کو چاند بنائے   جوت اندھیروں سے ٹکرائے
چرن چھوئیں طوفان
سب سے دیش مہان

دیش ہے درپن، ہم جلوا — دیش ہے مرلی، ہم نغما
دیش ہے یمنا، ہم نیا
نیا سب کو پار لگائے — نغمہ سب کو مست بنائے — جلوہ سب کو پریم سکھائے
پریم میں ہے نِروان
سب سے دیش مہان
دین، دھرم، تہذیب، کلائیں سب اس کی سنتان
سب ہے اس کی شان
سب سے دیش مہان
دیش کے آگے سیس نوائیں، سب سے دیش مہان
سب سے دیش مہان

مِٹ جائیں گے خود مگر سجا دیں گے اسے
بجھ جائیں گے آپ جگمگا دیں گے اسے
ہم کچھ نہ سہی مگر لہو سے اپنے
سرچشمۂ زندگی بنا دیں گے اسے

◉

پریم جھرنا

میرے من سے پریم جو پھوٹا تم مجھ سے کیوں روٹھے!؟

چندرما آکاش سے پھوٹا دھرتی سے گل بوٹے
تاک جھانک کی دُھن میں سُورج چمکا تارے ٹوٹے
رات مِلن کے کارن دن سے سانجھ کی نگری پھوٹے
پریم کی اِک چنگاری پیارے رنگ رنگ سے پھوٹے
تم مجھ سے کیوں روٹھے!؟
میرے مَن سے پریم جو پھوٹا تم مجھ سے کیوں روٹھے!؟

پربت کی چھاتی سے ندّی، پھوٹی شور مچاتی
موجوں کا رنگ جماتی میٹھے نغمے گاتی
میٹھے میٹھے نغمے گاتی، موتی خوب لُٹاتی
جس نے دیکھے اس نے پائے، جس نے پائے لوٹے
تم مجھ سے کیوں روٹھے!؟
میرے مَن سے پریم جو پھوٹا، تم مجھ سے کیوں روٹھے!؟

سیپی کی گودی میں موتی گھٹ گھٹ کر رہ جائے
چمک دمک سے اس کی موتی کانپے اور تھرّائے
برکھا کی اِک بوند کا بوسہ موتی کو گرمائے
موتی سیپی کے پٹ کھولے اور گھبرا کر پھوٹے
تم مجھ سے کیوں روٹھے!؟
میرے مَن سے پریم جو پھوٹا تم مجھ سے کیوں روٹھے!؟

ٹہنی میں سو کلیاں پھوٹیں، کلیوں میں سو رنگ
رنگوں سے اِک خوشبو برسی اور خوشبو سے امنگ
کِھل کِھل بھونروں نے چھیڑا اِتوراج کا چنگ
شبنم کے سو پیالے اِک چشمے کی دھن میں لوٹے
تم مجھ سے کیوں رُوٹھے!؟
میرے مَن سے پریم جو پھوٹا تم مجھ سے کیوں روٹھے!؟

دھنک

کِرنوں کے چھینٹوں سے بدری بنی رنگ کی کیاری
بدری کی چلمن سے جھانکی رنگوں کی متواری

جوبن پر ہے رنگ راج کی رنگیں راجکماری
چُندری اپنی اُڑا رہی ہے برکھا رُت کی کیاری

اِندر دیوتا چھوڑ رہے ہیں رہ رہ کر پچکاری
یا کر کے اشنان لکشمی سُکھا رہی ہے ساری

◉

اِک تارا

دِھیرے دِھیرے چھیڑ مغنّی، دھیرے دھیرے چھیڑ

جن سے نہ دھرتی پر آ ٹوٹے جھل مِل کرتا تارا
اوشا کے ماتھے کی بِندیا سُورج کا گہوارا
بڑا الکل پر سپنا دیکھے جو بن رس متوارا
مدن بان کی کلیوں میں ہے خوشبو کی اِک دھارا
دیکھ ترے راگوں کی دھمک سے کھیل نہ بگڑے سارا
دھیرے دھیرے چھیڑ مغنّی دھیرے دھیرے چھیڑ

میں جوگن دُکھیاری ٹھہری، من جیون کا مارا
من جیون کا مارا ہے تو سارا جگ دُکھیارا
نیّا میری ٹوٹی پھوٹی کوسوں دُور کنارا
آشا کا اِک تارا ہے اِک تارے کی کیا سارا
دیکھ ترے راگوں کی دھمک سے کھیل نہ بگڑے سارا
دھیرے دھیرے چھیڑ مغنّی دھیرے دھیرے چھیڑ

◉

بجھا ہوا دیپک

جیون کی کٹیا میں ہوں میں بجھا ہوا سا دیپک
آشا کے مندر میں ہوں میں بجھا ہوا سا دیپک
بجھا ہوا سا دیپک ہوں میں بجھا ہوا سا دیپک

بکھرائے ڈیوٹ پہ دھرا ہوں یوں کٹیا میں ہائے
جیسے کوئل سیس نوا کر امبوا پر سو جائے
جیسے شاما گاتے گاتے کہرے میں کھو جائے
راگ چتا میں جیسے دیپک آپ بھسم ہو جائے
برہ میں جیسے آنکھ کسی کنواری کی پتھرا جائے
بجھا ہوا سا دیپک ہوں میں بجھا ہوا سا دیپک
جیسے گھٹا میں ہو ہلکی سی اک بجلی بے جان
جیسے کسی سادھو کا مردہ اور تھکا ایمان
آشاؤں کا مدفن ارمانوں کا قبرستان
رات کی اندھیاری میں ہوں میں مرتیو کی مسکان
جیسے ایک بیوہ کی چتا ہو اور ویران شمشان
بجھا ہوا سا دیپک ہوں میں بجھا ہوا سا دیپک

اس ارماں میں کوئی میرے آنچل کو چھو جائے
ہلکی سی مُسکان سے اپنی چندرما کو شرمائے
جیون کی تاریک کُٹی میں تارے سے چمکائے
چلتا ہوں میں کب سے اپنی گودی کو پھیلائے
قسمت کی تاریکی ہر دَم کاجل سا برسائے
بجھا ہوا سا دیپک ہوں میں بجھا ہوا سا دیپک
بھٹکتا ہوں سنسار میں کب سے میں کرموں کا مارا
جَل جَل کر کوئلہ سا ہوا ہے میرا جیون سارا
جوتی کے آکاش پہ ہوں میں دُھندلا سا تارا
میری جلتی چھاتی بابا، اگنی کا گہوارا
لب پہ نرگ ہے ہاتھوں میں ہے شعلہ کا اِک تارا
بجھا ہوا سا دیپک ہوں میں بجھا ہوا سا دیپک
کاش کسی چندری کا آنچل مجھ پر سایہ ڈالے
میرے جیون کی چھایا ہوں بال وہ گھونگھر یالے
اور مدُھر پھونکوں سے بجھائیں اٹھ کر سونے والے
میرے اندھیرے سے پیدا ہوں چندرما کے ہالے
تاریکی اور نور کے داتا سُن لے میرے نالے
بجھا ہوا سا دیپک ہوں میں بجھا ہوا سا دیپک
چمکے ہیں اور ڈوبے ہیں یہ سورج چاند ستارے
جینے اور مرنے کے چکر میں ہیں سب بیچارے
سانجھ سکارے سو جاتے ہیں یہ غفلت کے مارے
میرے اَمر آکاش پہ ہر دَم دہکے ہیں انگارے
وہ انگارے جن کی چمک کا تم حاصل ہو پیارے
بجھا ہوا سا دیپک ہوں میں بجھا ہوا سا دیپک

آتم، ہر دے، جیون، مرتیو، ست یگ کلجگ، مایا
ہر رستہ پر میں نے اپنے نور کا جال بچھایا
چاروں اور چمک کر اپنی کرنوں کو دوڑایا
جتنا ڈھونڈا اتنا کھویا، کھو کر خاک نہ پایا
بیت گئے جگ پر جیون میں مجھ تک کوئی نہ آیا
بجھا ہوا سا دیپک ہوں میں بجھا ہوا سا دیپک

آخر بالکل بجھ جانے کی، ہوئی جب تیاری
آکر میرے کان میں بولی اک شب یوں اندھیاری
ساجن مجھ کو من میں بسالو، میں بھی ہوں دکھیاری
جگ میں جس کو کوئی نہ پوچھے وہ قسمت کی ماری
اپنے دل میں مجھے بٹھا لو اے جوتی کے رسیا
بجھے ہوئے سے دیپک تم، میں تھکی ہوئی اندھیاری

اندھیاری کی باتیں سن کر بولا اٹھ جاگ
یہی تری منزل ہے دیپک یہی ہے تیرا بھاگ
بھڑک اٹھی سینہ میں برہ کی دبی ہوئی سی آگ
آشا کے مندر میں گونجا اک طوفانی راگ
آنکھوں میں جلتے آنسو تھے ہونٹوں پر تھیں آہیں
ڈال دیں اندھیاری کے گلے میں رو کر میں نے باہیں

◉

مالا

ٹوٹ گئی وہ مالا سجنی، ٹوٹ گئی وہ مالا

پھول، ستارے، آنسو جس کے دانے تھے وہ مالا
جس کے دانے دانے میں پیمانے تھے وہ مالا
جس کے پیمانوں میں سو میخانے تھے وہ مالا
ٹوٹ گئی وہ مالا سجنی، ٹوٹ گئی وہ مالا!

بکھر گئے وہ موتی جس سے نادم تھے وہ تیارے
حسن و محبت، جیون، پریت و ڈولیں مارے مارے
ٹوٹتے ہی اِک پریم کی ڈوری رشتے ٹوٹے سارے
ٹوٹ گئی وہ مالا سجنی، ٹوٹ گئی وہ مالا!

◉

بھکاری کی صدا

بات نہ پوچھے بابا کوئی دَر دَر دی آواز

کیوں بجتا ہے اب بھی پاپی یہ جیون کا ساز
طوفاں سر پر، رات اندھیری، ہر دم اِک منجدھار
پیالہ میرا ننیا ہے اور قسمت کھیون ہار
بات نہ پوچھے بابا کوئی دَر دَر دی آواز

یہ گڑھ تاروں کے ہمسائے، یہ اونچے استھان
یاں مانگے پر بھی ملتا ہے کب بھکشو کو دان
جس کو دیکھوں داتا ہے اور سب داتا ہیں چور
راؤ، رانا، ملّا، نیتا، سب راجا! ہیں چور
بات نہ پوچھے کوئی بابا دَر دَر دی آواز

چاند، ستارے لعنت بھیجیں سورج دے دھتکار
بیٹھے بیٹھے دھیان میں مجھ کو دھکے دے سنسار
مایا بن جیون ہے جگ میں جیون کا اپمان[1]
مایا ہی جنجال ہے بابا مایا ہی نروان[2]
بات نہ پوچھے بابا کوئی دَر دَر دی آواز

بھیک بھکاری دان اور داتا سب کو پرے جان
پریم بھکاری کب رکھتے ہیں بھکشا پر ایمان
آس یہ ہے وہ چھم چھم کرتی کوٹھوں دوڑی آئے
اُوپر سے ایک آنسو ٹپکے اور پیالہ بھر جائے

---

[1] بے عزتی۔ [2] نجات۔

نئے سُورج کی کرن

وہ نیا سویرا مسکایا، پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن
پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن

مدت میں سلگ کر خاک ہوا منحوس اندھیرے کا دامن
وہ نور کے دریا بہنے لگے صحرا صحرا گلشن گلشن
وہ دھوپ چڑھی کوٹھوں کوٹھوں دوالے دوالے آنگن آنگن
کرنوں کی سنہری ندی سے بہتا ہے دھرتی پر کندن
بھر جائیں گے نور کے پھولوں سے مجبوروں کے خالی دامن
پھوٹی وہ نئے سُورج کی کرن پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن
وہ نیا سویرا مسکایا، پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن
معمور مُرادوں سے ہوں گے مجبوروں کے خالی دامن

گاؤوں کو سُنائیں گے مژدہ اِک شہرِ حسیں بن جانے کا
شہروں کو سلیقہ بخشیں گے فردوسِ بریں بن جانے کا
اب خانہ بدوشوں کو دیں گے سندیش مکیں بن جانے کا
ذرّوں کو راز بتا دیں گے خورشیدِ مبیں بن جانے کا
کرنوں کے تازہ پھولوں سے بھر دیں گے زمانے کا دامن
خورشید کی تازہ کرنوں سے کر دیں گے سینہ خانے روشن
پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن
وہ نیا سویرا مسکایا پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن

ہم مستِ وطن کیا جانیں ہوتا ہے کیا رونا دھونا
منزل ہے اپنے قدموں میں اب کیا پانا اور کیا کھونا
اب خاکِ قدم مجبوروں کی برسائے گی دُنیا پر سونا
اب ریشم کی قسمت ہو گی مزدور کا پیراہن ہونا
کرنوں کا لچکا چمکے گا چُندری دامن دامن
پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن، پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن
وہ نیا سویرا مسکایا، پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن

اب تازہ بہاروں کی خوشبو، منہ بادِ خزاں کا موڑے گی
پھولوں سے لدی ٹہنی بڑھ کر آندھی کے ہاتھ مروڑے گی
کھیتوں کی زمیں اونچی ہو کر فردوس سے رشتہ جوڑے گی
اب ہل کی اَنی سرمستی میں آکاش کے تارے توڑے گی
گیہوں کی سنہری بالوں کو جھک کر چومے گا نیل گگن
پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن، پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن
وہ نیا سویرا مسکایا، پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن
پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن

قومی گیت

دعویٰ ہے ہر آن ہمارا
سارا ہندوستان ہمارا

جنگل اور گلزار ہمارے　　دریا اور کہسار ہمارے
کوچے اور بازار ہمارے　　پھول ہمارے خار ہمارے
ہر گھر ہر میدان ہمارا
سارا ہندوستان ہمارا

گو نہیں ہم میں فوجی قوت　　پھر بھی بہت ہے دل میں ہمت
اور ہمارے ساتھ ہے قدرت　　اب کوئی طاقت کوئی حکومت
روک تو دے طوفان ہمارا
سارا ہندوستان ہمارا

ہم سے بھارت کی رونق ہے   آزادی دِن رات سبق ہے
اپنی دھنک ہے اپنی شفق ہے   ہر ذرّے پر اپنا حق ہے
کھیت اپنے دہقان ہمارا
سارا ہندوستان ہمارا

مندر، مسجد اور میخانہ   بادہ، ساغر اور پیمانہ
جنگل، بستی اور ویرانہ   ہر محفل اور ہر کاشانہ
ہر در، ہر ایوان ہمارا
سارا ہندوستان ہمارا

گو ہے پامال اپنی ہستی   ہر سو ہے بستی ہی بستی
تن آسانی عیش پرستی   دن بھر فاقہ شب بھر مستی
یہ ہے مگر ایمان ہمارا
سارا ہندوستان ہمارا

ہند کا مالک ہر ہندی ہو   صرف یہاں اِک قوم بسی ہو
بار نہ پائے خواہ کوئی ہو   چاہے وہ خود اپنی ہی خودی ہو
دیکھ ذرا ارمان ہمارا
سارا ہندوستان ہمارا

اعلانِ آزادی

ہم آج سے ہیں آزاد — آزاد — آباد
لے اپنا قفس صیّاد — صیّاد — برباد

ہے مقتل سبزہ زار
ہر پتّہ ہے خوں بار
ہر قطرہ ہے گلنار
ہر ذرّہ ہے کیاد — کیاد — شدّاد
ہم آج سے ہیں آزاد — آزاد — آباد

انگارہ ہے ہر گُل
وہ گُل ہو یا بُلبُل
ہے باغی جزو و کُل
وہ سرو ہو یا شمشاد — شمشاد — گلزار
ہم آج سے ہیں آزاد — آزاد — آباد

گلزار میں ہے اِک جنگ
بجنے کو ہے خونیں چنگ
پھوٹے گا گلوں سے رنگ
ہولی ہے میرے صیاد ــــ صیاد ــــ برباد
ہم آج سے ہیں آزاد ــــ آزاد ــــ آباد

ہے خون میں گلشن چوُر
ہر گل کا ہے دامن چوُر
زخموں سے ہے تن من چوُر
یہ تاریخی بیداد ــــ بیداد ــــ صیاد
لے اپنا قفس صیاد ــــ صیاد ــــ برباد

او رنگ چمن کو چھوڑ
اُٹھ تاجِ سمن کو چھوڑ
ہٹ گنگ و جمن کو چھوڑ
اب خود ہیں ہم شہزاد ــــ شہزاد ــــ مہزاد
ہم آج سے ہیں آزاد ــــ آزاد ــــ آباد

پندارِ نفس کو بھوُل
کاشانۂ خس کو بھوُل
اب دام و قفس کو بھوُل
اب سرو بھی ہے آزاد ــــ آزاد ــــ آباد
لے اپنا قفس صیاد ــــ صیاد ــــ برباد

ہاتھوں پہ ہے سر اور جان
آنکھوں میں ہیں سو طوفان
انسان ہیں ہم انسان
اب ہوش میں آ صیاد ــــ صیاد ــــ برباد
ہم آج سے ہیں آزاد ــــ آزاد ــــ آباد

زنجیر کے ٹکڑے تھام
شمشیر کے ٹکڑے تھام
لے تیر کے ٹکڑے تھام
یوں ہوتے ہیں آزاد ــــ آزاد ــــ صیاد
لے اپنا قفس صیاد ــــ صیاد ــــ برباد

اے ساقیِ لالہ فام
اُٹھ اور اُچھال اِک جام
ہے جام ہی میں انجام
میخانہ رہے آباد ــــ آباد ــــ آزاد!
ہم آج سے ہیں آزاد ــــ آزاد ــــ آباد

آزادی کی ہے دھوم
مستوں میں مِل کر جھوم
آکاش کے رتھ کو چوم
ہو اِک رقصِ آزاد ــــ آزاد ــــ دلشاد
ہم آج سے ہیں آزاد ــــ آزاد ــــ آباد

◉

ترانۂ شباب

اے جوانو، نوجوانو! توڑ دو بندِ زارِ غلامی
خوش جمالو، نونہالو! پھینک دو سر سے بارِ غلامی
اے حسینؑ و علیؑ کے سپوتو! اے محمدؐ کے شہ زور بیٹو
نسل سے بادشاہوں کی تم ہو
پھر بھی ہو یادگارِ غلامی
اے جوانو، نوجوانو

اجنبیوں کی اولاد تھے تم عہدِ ماضی کی روداد تھے تم
یاد ہے پہلے آزاد تھے تم
اب ہو اِک یادگارِ غلامی
اے جوانو، نوجوانو

یہ تمہاری چھلکتی جوانی اور یہ لعنتِ جاودانی
یہ سراسیمگی، سرگرانی
یہ دل داغدارِ غلامی
اے جوانو، نوجوانو

اِس غلام آسماں کو اُلٹ دو ارضِ ہندوستاں کو اُلٹ دو
ہو سکے تو جہاں کو اُلٹ دو
کیوں ہے باقی دیارِ غلامی
اے جوانو، نوجوانو

ختم ہو دورِ بربادیوں کا وقت ہے عالمِ ایجادیوں کا
کر دو اعلان آزادیوں کا
ہو چکا اشتہارِ غلامی
اے جوانو نوجوانو

اپنی عزت کی بنسی بجاؤ اپنی عظمت کی بھیری بجاؤ
آتش افشاں نفیری بجاؤ
پھونک دو نغمہ زارِ غلامی
اے جوانو نوجوانو

یہ وطن ساری قوموں کا ملجا یہ وطن مسکنِ اہلِ وفا کا
یہ وطن ساری دنیا کا کعبہ
اور یوں شرمسارِ غلامی
اے جوانو نوجوانو
آن ظاہر ہو اہلِ وفا کی شان ظاہر ہو دستِ خدائی
ہے جہاں قبر اہلِ وفا کی
اب وہاں ہو مزارِ غلامی
اے جوانو نوجوانو

نغمے نغمے سے بیراگ برسے ہر طرف آتشیں راگ برسے
ہر طرف سے نئی آگ برسے
جل اٹھے کاروبارِ غلامی
اے جوانو نوجوانو

◉

موجوں کے ساز پر ملّاح کا گیت

آئینۂ آب پر، موجۂ شاداب پر، چادرِ سیماب پر
سایۂ مہتاب پر، منظرِ شب تاب پر، جیسے مئے ناب پر
ہے مری کشتی رواں
اور ہوں میں نغمہ بار

اور ہوں میں نغمہ بار پردۂ ہر ساز سے
وجد میں ہے جوئبار مستیٔ آواز سے
جذبۂ بیہوش میں، راہِ سکوں کوش میں، سیلِ نوا پوش میں
کیف میں اور جوش میں موج کی آغوش میں، گزر نوش میں
ہے مری کشتی رواں
اور ہوں میں نغمہ بار

اور ہوں میں نغمہ بار جذبۂ بیباک سے
رخصت غم ہے مرے سینۂ غمناک سے
نیند میں ہے جوئبار، کیف میں ہے لالہ زار سبزت سر کوہسار
امنڈ رہی ہے بہار، سونے کو ہے آبشار مجھ کو نہیں ہے قرار
ہے مری کشتی رواں
اور ہوں میں نغمہ بار

اور ہوں مَیں نغمہ بار عشرتِ بیدار سے
بھیگی ہوئی ہے صدا بارشِ انوار سے
بادہ میں جیسے سبو، جیسے چمن میں نمو، جیسے خلا میں علو
جیسے فضاؤں میں مُو، جیسے ہواؤں میں بو، جیسے رگوں میں لہو
ہے مری کشتی رواں
اور ہوں میں نغمہ بار

اور ہوں میں نغمہ بار کیفیتِ جوش سے
حشرِ ترنم بپا ہے لبِ خموش سے
ایسے ہی سارا جہاں سوئے عدم ہے رواں، بحرِ فنا میں دواں
حاملِ صد داستاں، نغمہ زن و نوحہ خواں جھیل میں جیسے یہاں
ہے مری کشتی رواں
اور ہوں میں نغمہ بار

اور ہوں میں نغمہ بار کثرتِ جذبات سے
صبح سے بھی بے نیاز کے سکوں رات سے

◉

بسو ہر وقت تم دِل میں ہمارے

کہیں چاند اور کہیں تم ہو ستارے نرالے ہیں تمھارے روپ سارے
ہماری زندگی کے ہو سہارے بسو ہر وقت تم دِل میں ہمارے
بسو ہر وقت تم دِل میں ہمارے
نہ جاؤ رُوٹھ کر جمنا کنارے نہ سُورج میں کرو چھُپ کر اشارے
یہیں پُوجا تمھاری ہو گی پیارے شوالہ ہے یہی قابل تمھارے
بسو ہر وقت تم دِل میں ہمارے
یہ سُندر چھب یہ تیور پیارے پیارے ہماری جان ہیں درشن تمھارے
نہ ڈھونڈو پریت کو تم دوارے دوارے اسی میں پریم کے بہتے ہیں دھارے
بسو ہر وقت تم دِل میں ہمارے

عروس کا وداعی گیت

(نفیس و صدیقہ کے نام)

السّلام اے وطن، اے زمینِ وطن، آسمانِ وطن، اے جہانِ وطن
تیری گودی میں پل کر ہوئے جواں
خوش بیاں
شادماں
کامراں
گُل چکاں
تیرے پھولوں سے مہکا مرا گلستاں
تیری گلیوں سے گزرا مرا کارواں
نغمہ خواں نغمہ خواں
السّلام اے وطن، اے زمینِ وطن، آسمانِ وطن، اے جہانِ وطن
تیری تسکین گاہوں سے مجھ کو ملی
زندگی
بیخودی
تازگی
خوش دلی
تیرے معصوم محلوں میں برسوں رہی
تیرے رنگین باغوں میں اکثر پھری

السلام اے وطن، اے زمینِ وطن، آسمانِ وطن، اے جہانِ وطن
میری آزادیوں کے زمانے گئے
زمزمے
ولولے
چہچہے
مَیں تو ہوتی ہوں رخصت تری بزم سے
یاالٰہی یوں ہی تو ہمیشہ رہے
خندہ رو خندہ زن
السلام اے وطن، اے زمینِ وطن، آسمانِ وطن، اے جہانِ وطن

درپن ٹوٹ چکا

صبح سویرے درپن ٹوٹا   درپن ٹوٹا اور جگ چھوٹا
سانجھ نے مارا رات نے لوٹا   سب کچھ کھوٹا سب کچھ جھوٹا
سالیجا میرا ٹوٹا درپن
ٹوٹے میں دُنیا لہرائے

ٹوٹ چکا اے ساجن درپن ٹوٹ چکا

کون اب دیکھے کون دکھائے   ٹوٹے کو اب کون اُٹھائے
کِس کی صُورت اس میں آئے   کِس کی مُورت اس کو بھائے
ساجن میرے مَن کا درپن
ٹوٹ کے بھی جوہر دِکھلائے

ٹوٹ چکا اے ساجن درپن ٹوٹ چکا

کِس کو دِکھاؤں مَن کے ٹکڑے   نیر میں ہیں ڈوبے ہوئے سارے
دُکھیا جیون کے یہ سہارے   ٹوٹے موتی، بکھرے تارے
تم جو دیکھو میرے ساجن
ٹوٹا درپن پھر جڑ جائے

ٹوٹ چکا اے ساجن درپن ٹوٹ چکا

دِکھلا کر اَلھڑ پن توڑا   ہاتھ میں لے کر درپن توڑا
آتم توڑی، تَن مَن توڑا   میرا جوبن جیون توڑا
توڑا، اور جو میرے ساجن
توڑا، کچھ ٹوٹا دے جائے

ٹوٹ چکا اے ساجن دَرپن ٹوٹ چکا

ٹوٹے دَرپن گھر میں آؤ   دَرپن کے یہ ٹوک اُٹھاؤ
ہنس ہنس کر بجلی سی گراؤ   اور ٹکڑوں میں آگ لگاؤ
بات تو جب ہے اے مَن موہن
دَرپن راکھ ابھی ہو جائے

ٹوٹ چکا اے ساجن درپن ٹوٹ چکا

پریم بھی دھوکا پَریت بھی دھوکا   راگ بھی دھوکا گیت بھی دھوکا
ہار بھی دھوکا جیت بھی دھوکا   دُنیا کی ہر ریت بھی دھوکا
جھوٹا پھاگن، جھوٹا ساون
ٹوٹ میں سب جھوٹا کہلائے

ٹوٹ چکا اے ساجن دَرپن ٹوٹ چکا

مَن دَرپن بن ٹوٹے ساغر   تھا اندھا اور چیکٹ پتھر
غم نے مارا مَن پر کنکر   بہہ نکلے جوہر کے ساگر
ساگر ہے اور ٹوٹا دَرپن
بوند نہ گرنے پائے
ٹوٹ چکا اے ساجن درپن ٹوٹ چکا

◉

پنگھٹ کی رانی

آئی وہ پنگھٹ کی دیوی، وہ پنگھٹ کی رانی
دنیا ہے متوالی جس کی اور فطرت دیوانی
ماتھے پر سیندوری ٹیکا رنگین و نورانی
سورج ہے آکاش میں جس کی ضو سے پانی پانی
چھم چھم اس کے بچھوے بولیں جیسے گائے پانی
آئی وہ پنگھٹ کی دیوی وہ پنگھٹ کی رانی

کانوں میں بیلے کے جھمکے آنکھیں مے کے کٹورے
گورے رخ پر تل ہیں یا ہیں پھاگن کے دو بھونرے
کومل کومل اس کی کلائی جیسے کمل کے ڈنٹھل
نورِ سحر مستی میں اٹھائے جس کا بھیگا آنچل
فطرت کے میخانے کی وہ چلتی پھرتی بوتل
آئی وہ پنگھٹ کی دیوی وہ پنگھٹ کی رانی

رگ رگ جس کی ہے اِک باجہ اور نس نس زنجیر
کرشن مراری کی بنسی ہے یا ارجن کا تیر
سر سے پا تک شوخی کی وہ اِک رنگین تصویر
پنگھٹ بیکل جس کی خاطر چنچل جمنا نیر
جس کا رستہ تک تک دیکھے سورج سار گہیر
آئی وہ پنگھٹ کی دیوی وہ پنگھٹ کی رانی

سر پر اِک پیتل کی گاگر زہرہ کو شرمائے
شوقِ پابوسی میں جس سے پانی چھلکا جائے
پریم کا ساگر بوندیں بن کر جھوما امڈا آئے
سر سے برسے اور سینے کے دَرپن کو چمکائے
اس دَرپن کو جس سے جوانی جھانکے اور شرمائے
آئی وہ پنگھٹ کی دیوی وہ پنگھٹ کی رانی

◉

کھیتوں سے سنسار

کھیتوں سے سنسار، کھیتوں سے جیون کی بہار
کھیتوں سے سنسار، کھیتوں سے جیون کی بہار
سونے کی ہے سنہری چادر، یہ کھیتوں کا رُوپ کھیتوں کے مکھ کی پرچھائیں شہروں کا یہ روپ
کھیتوں سے دربار
کھیتوں سے سنسار، کھیتوں سے جیون کی بہار
کھیتوں سے جیون کی بہار، کھیتوں سے سنسار

پودوں کے سینوں میں خزانے، خاک میں ہیرے موتی
سانولے کھیتوں کے اندھیارے سارے جگ کی جوتی
چمک رہا سنسار
کھیتوں سے جیون کی بہار، کھیتوں سے سنسار

ڈال ڈال میں لعل و گوہر پات پات ہے سونا
گیہوں کی بالیں سکھلادیں خاک کو کُندن ہونا
ہیروں کے یہ ہار
کھیتوں سے سنسار، کھیتوں سے جیون کی بہار
کھیتوں سے جیون کی بہار، کھیتوں سے سنسار
کھیتوں سے سنسار
کھیتوں سے جیون کی بہار

سکھی پھر بسنت آئی

سکھی پھر بسنت آئی   یادوں کے پھول لائی
رُت پھر بسنت آئی
انگ انگ بھونرے سے گونجے
روم روم کویل سی گائی
سکھی پھر بسنت آئی   یادوں کے پھول لائی   سکھی پھر بسنت آئی

سکھی پھر بسنت آئی   یادوں کے پھول لائی   سکھی پھر بسنت آئی
رہ رہ کر ندیا کے جل میں
ہنستی ہے کس کی پرچھائیں
سکھی پھر بسنت آئی   یادوں کے پھول لائی   رُت پھر بسنت آئی

سکھی پھر بسنت آئی   یادوں کے پھول لائی   سکھی پھر بسنت آئی
نیر بھرے نین کے کنول میں
پھر لالی نے جوت جگائی
سکھی پھر بسنت آئی   یادوں کے پھول لائی   رُت پھر بسنت آئی

سکھی پھر بسنت آئی   یادوں کے پھول لائی   سکھی پھر بسنت آئی
برکھا، وسنت بہادوں اور ساون
یہ دھرتی ہر رُت کی شوبھا
اس دھرتی کی سب یہ جائی
سکھی پھر بسنت آئی   یادوں کے پھول لائی   سکھی پھر بسنت آئی

آزادی کا دِیا

ہر حال میں رکھیں گے روشن، ہم تیری آزادی کا دِیا
ہے عزم ہمارا اے ماتا، ہے دھرم ہمارا اے ماتا
ہم تجھ پہ فدا ہو جائیں گے، پر بجھنے نہ دیں گے شمعِ وفا
ہر حال میں رکھیں گے روشن، ہم تیری آزادی کا دِیا
آندھی آئے طوفاں آئے
دھرتی پہ اندھیرا چھا جائے
بھونچال سے دُنیا تھرّائے
اور چاہے قیامت آجائے
ہے چاند ستاروں سے بڑھ کر آزادی کے دیپک کی ضیا
ہر حال میں رکھیں گے روشن ہم تیری آزادی کا دیا
ہم تجھ پہ فدا ہو جائیں گے پر بجھنے نہ دیں گے شمعِ وفا
ہے عزم ہمارا اے ماتا، ہے دھرم ہمارا اے ماتا
ہر حال میں رکھیں گے روشن ہم تیری آزادی کا دِیا

رام

بھارت پیارا راج دُلارا
کوشلیا کی آنکھ کا تارا

آنکھیں تارہ پھول کمل کے — کومل کومل ہلکے ہلکے
ابرو دو شکتی کی کمانیں — کھنچ کھنچ جائیں چڑھ چڑھ جائیں
لمبی باہیں رنگ سلونا — مطلق کندن خالص سونا
سُندر سُندر موہنی صُورت — سرتاپا اِک حُسن کی مُورت

بھارت پیارا راج دُلارا
کوشلیا کی آنکھ کا تارا

دھیان کی گنگا اس سے پھوٹی — گیان کی جمنا اس سے پھوٹی
سچائی کا پرچم تھا وہ — پریم کا پیارا بانکا تھا وہ
دل کا تیاگی رُوح کا رسیا — خود راجہ اور خود ہی پرجا
رُوپ میں اس کے کون آیا تھا — کہہ دوں گا تو جھگڑا ہو گا

بھارت پیارا راج دُلارا
کوشلیا کی آنکھ کا تارا

شیو کے مان کو جیتا جس نے — جیتی سُندر سیتا جس نے
وہ سیتا جو نور تھی مُطلق — نور تھی مطلق حور تھی مطلق
عدل کا پیکر رحم کی دُنیا — شکتی اور بھگتی کا ستارہ
چاند ہے پُر انوار کی چادر — گھونگریالے بال مُکٹ پر

بھارت پیارا راج دُلارا
کوشلیا کی آنکھ کا تارا

◉

کھیتی میں پانی

آ یو کھیتن میں راجہ پانی رے
آ یو کھیتن میں راجہ پانی رے
آئی جیون پہ پھر سے جوانی رے　　آ یو کھیتن میں راجہ پانی رے

چرن چھوؤں مہراج تمہارے تم ہو کھیون ہار
جنم جنم کی پیاس کا اب ہو گا بیڑا پار
ہو، ــــــ اب ہو گا بیڑا پار
میں تو اپنی کٹی کی رانی رے　　آ یو کھیتن میں راجہ پانی رے

لہریں دیو، تمہاری چمکیں اور سورج بن جائیں
نیچے جڑ پتھر کو پکڑے اوپر پھل پک جائیں
ہو ــــــ اوپر پھل پک جائیں
آتی بھوک ہوئی اب کہانی رے　　آ یو کھیتن میں راجہ پانی رے
آئی جیون پر پھر سے جوانی رے

دھن دولت ہم کیا کریں جب ہیں ساجن اپنے پاس
ساجن اپنے پاس نہیں تو جیون بھر کی آس
ہو ــــــ جیون بھر کی آس
اب تو ہم بھی کریں گے من مانی رے　　آ یو کھیتن میں راجہ پانی رے
آئی جیون پہ پھر سے جوانی رے
آ یو کھیتن میں راجہ پانی رے
آ یو کھیتن میں راجہ پانی رے

ساون جھڑی لگادو

ساون جھڑی لگادو بھگوَن، ساون جھڑی لگادو
ساون جھڑی لگادو بھگوَن ، ساون جھڑی لگادو

بھوک نے ڈالا گھر گھر ڈیرا کال نے چاروں اور سے گھیرا
موت کا یہ گھن گھور اندھیرا امرت جَل برسادو بھگوَن
ساون جھڑی لگادو
ساون جھڑی لگادو بھگوَن، ساون جھڑی لگادو

سوکھ گیا دھرتی کا سینہ ریتی میں اٹکا ہے سفینہ
مر نہیں سکتے کیسا جینا گھن کی گرج سُنادو بھگوَن
ساون جھڑی لگادو
ساون جھڑی لگادو بھگوَن، ساون جھڑی لگادو

ندیوں میں بھر دو پھر پانی چاول ہوں کھیتوں میں دھانی
جھیلوں پر پھر آئے جوانی سوئی بھوم جگادو بھگوَن
ساون جھڑی لگادو بھگوَن، ساون جھڑی لگادو، ساون جھڑی لگادو

◉

سُندر اپنا گام

کیسا سُندر اپنا گام
سُندر سُندر اپنا گام
اس کی چین بھری گودی میں   تھک کر سمے کرے بسرام
کیسا سُندر اپنا گام
سُندر سُندر اپنا گام

کمل کمل سُورج کی تھالی   کلی کلی امرت کی پیالی
چاند ستارے جس پر واری
اُس دھرتی کو ہو پرنام
کیسا سُندر اپنا گام
سُندر سُندر اپنا گام

ماں کی گود پتا کا سایا   اس کے چرنوں کی سب مایا
اس کے چرنوں کی چھایا میں
ساری دُنیا کے آرام
کیسا سُندر اپنا گام
سُندر سُندر اپنا گام
اپنا گام ، اپنا گام

میرے خوابوں کا جہاں

میرا ہندوستاں، میرے خوابوں کا جہاں
میرا مان، میری آن، میری شان
میرا ہندوستان، میرے خوابوں کا جہان

میرا بَل، میرا کَس، میرا مَن، میرا دھن میرا دھیان — میرا دھیان
میرا شت، میرا مَت، میری لَے، میری گت، میرا گان — میرا گان
میں قربان، میں قربان، میں قربان
میرا مان، میری آن، میری شان
میرا ہندوستان، میرے خوابوں کا جہان

یہ جٹا، یہ گھٹا، یہ دھنک، یہ شفق ضو فشاں — گُل فشاں
یہ افق کی اٹاری کے جگمگ دِیے، سوریہ اور چندرماں — کہکشاں
ہے چراغاں ترا جاوداں
میرا ہندوستان، میرے خوابوں کا جہان
میرا مان، میری آن، میری شان

کوہساروں میں، ہیروں کے بجتے ہوئے یہ ستار ـــــ آبشار
ناز سے رقص کرتی ہوئی ندیاں زر نگار ـــــ بے شمار
تیری دھرتی جواہر کی کان
میرا ہندوستان، میرے خوابوں کا جہان
میرا مان، میری آن، میری شان

یہ گگن، یہ جمن، یہ سمن، یہ چمنا، یہ بہار ـــــ یہ بہار
مور کی ساونی، یہ پپیہے کی پی، یہ پھوار ـــــ یہ پھوار
ہل اُٹھائے ہوئے یہ کسان
میرا ہندوستان، میرے خوابوں کا جہان

کلپنا خاکِ پا، چیتنا خاک پا کیا خودی ـــــ کیا خُدا
ذوقِ ایمان کی، عزم انکار کی ابتدا ـــــ انتہا
بُدّھی مان، بُدّھی مان، بُدّھی مان
میرا ہندوستان، میرے خوابوں کا جہان

حُسن تیری ضیا عشق تیری کرن سوریہ، چندرماں ـــــ چندرماں
ضو چھڑکتے ہیں چھو چھو کے تیرے قدم آسماں، کہکشاں ـــــ کہکشاں
پوجیہ ماں پوجیہ ماں پوجیہ ماں

یہ ہمالہ یہ آکاش کا رازداں ـــــ ترجماں
اور حلا کے دریچے کا یہ پاسباں، جاوداں ـــــ پاسباں
اے مہان، اے مہان، اے مہان

جب تلک ہے ہمالہ پہ ہِم کی کرن — جب تلک جگمگاتے ہیں دشت و چمن
جب تلک رقص میں ہیں زمین و زماں — جب تلک گت بجاتے ہیں سیّارگاں
جب تلک چھاؤں تاروں کی آتی ہے یاں — جب تلک چاندنی کھلکھلاتی ہے یاں
جب تلک جل کی اِک بوند ساگر میں ہے — جب تلک اِک ستارہ بھی چکر میں ہے
جب تلک اِک کلی مسکراتی ہے یاں — جب تلک زندگی چہچہاتی ہے یاں

جھکنے دیں گے نہ تیرا نشان
تیرا جھنڈا اُٹھائے رہیں گے جوان
ہم جوان ہم جوان ہم جوان
زندہ باد ہندوستان، ہندوستان
میرا ہندوستان میرے خوابوں کا جہان
میرا مان، میری آن، میری شان

◉

چھوٹی بچت پر گیت

بھوشِ کو اپنے سورگ بنالے بچت کا کر لے گیان
بچت ہی میں مکتی ہے بھیّا بچت ہی میں نروان
بھوشِ کو اپنے سورگ بنالے بچت کا کر لے گیان
چھوٹی بچت کا کر لے گیان

مفلس کی دُنیا میں نہیں ہے خوش ہونے کی ریت
بچت نہیں تو کچھ بھی نہ بھائے راگ ہو یا سنگیت
بچت ہی تیری دنیا ہے اور بچت ہی تیرا گان
بھوشِ کو اپنے سورگ بنالے، بچت کا کر لے گیان
چھوٹی بچت کا کر لے گیان
بھوشِ کو اپنے سورگ بنالے بچت کا کر لے گیان
بچت کا کر لے گیان

ب منحوس بوڑھا پاس ات نہ دے گا کوئی   کمر جھکی اور نظر گئی تو ہات نہ دے گا کوئی
بچت ہی تیری لاٹھی ہے اور بچت ہی ساشان
بھوِش کو اپنے سورگ بنا لے بچت کا کر لے گیان
چھوٹی بچت کا کر لے گیان
بھوش کو اپنے سورگ بنا لے بچت کا کر لے گیان
چھوٹی بچت کا کر لے گیان

یرا چھوٹا ہے اور بچت ہی تیسری نیا   بچت ہی دکھ کے اندھیاروں میں دے گی تجھے سہارا
جیون ہے طوفان مری جاں جیون ہے طوفان
بچت کا کر لے گیان، بچت کا کر لے گیان
چھوٹی بچت کا کر لے گیان
بھوِش کو اپنے سورگ بنا لے بچت کا کر لے گیان
چھوٹی بچت کا کر لے گیان

اے وطن اے وطن

ذرّے ذرّے میں محفل سجادیں گے ہم   تیرے دیوار و در جگمگا دیں گے ہم
تجھ کو ہستی کا گلشن بنا دیں گے ہم   آسمانوں پہ تجھ کو بٹھا دیں گے ہم
بن کے دشمن ترا جو اُٹھے گا یہاں
اس کو امن و وفا کی صدا دیں گے ہم
وہ محبت جو خوابیدہ ہے رُوح میں اپنے نغموں سے اس کو جگا دیں گے ہم
اے وطن اے وطن
مسکنِ امن و راحت وفا کے وطن

تیری مٹی ہمالہ کی چوٹی بنی   ماہ و خورشید کی اُس پہ بندی لگی
روشنی شرق سے غرب تک ہو گئی   سجدے میں جھک گئی عظمتِ زندگی
جاوداں زندگی کی قسم ہے ہمیں
تیری عظمت پہ سر تک کٹا دیں گے ہم
وقت آنے دے اے ماں ترے نام پر اپنی ہستی و مستی لٹا دیں گے ہم
اے وطن اے وطن

مست و خوشبو ہواؤں سے شیتل ہے تو   مادھری ہے، منوہر ہے، کومل ہے تو
پریم مدرا کی لبریز چھاگل ہے تو   ساری دنیا پہ رحمت کا بادل ہے تو
تیری رحمت کے بادل کی اِک بوند سے
ذرّے ذرّے میں شمعیں جلا دیں گے ہم
ہر اندھیرے کا دل جگمگا دیں گے ہم روشنی کا سمندر بہا دیں گے ہم
اے وطن اے وطن
تو کرن ہی کرن ہے کرن ہی کرن

تیری ندیاں رسیلی مدھر نغمہ خواں   تیرے پربت تری عظمتوں کے نشاں
تیرے جنگل بھی ہنستے ہوئے گلستاں   تیرے گلشن بھی رشکِ بہارِ جناں
تیری مٹی میں خوشبو کا فردوس ہے
تیری خوشبو کے دریا بہا دیں گے ہم
تیری خوشبو سے تن من بسا دیں گے ہم، تیری خوشبو سے عالم بسا دیں گے ہم
اے وطن اے وطن

گلشنِ عیش و آرام و راحت ہے تو   بے کسی میں کنارِ محبت ہے تو
بے بسوں اور غلاموں کی دولت ہے تو   زندگی کے جہنم میں جنت ہے تو
سینچ کر خونِ دل سے تری کیاریاں
اور بھی تجھ کو جنت بنا دیں گے ہم
ذرّے ذرّے میں اپنی نئی آرزوؤں کے جاوید گلشن کھلا دیں گے ہم
اے وطن اے وطن

جس کا پانی ہے امرت وہ مخزن ہے تو   جس کے دانے ہیں بجلی وہ خرمن ہے تو
جس کے کنکر ہیں ہیرے وہ معدن ہے تو   جس سے صحرا ہے گلشن وہ ساون ہے تو

دیویوں دیوتاؤں کا مسکن ہے تو
بولنا پتھروں کو سِکھا دیں گے ہم
تجھ کو اپنی پرستاریِ شوق سے اِک انوکھا اجنتا بنا دیں گے ہم
اے وطن اے وطن

یہ ستارے یہ بکھرا ہوا آسماں   آسماں سے ہمالہ کی سرگوشیاں
یہ تری عظمتوں کا اکمل رازداں   مستقل، معتبر، محتشم، جاوداں
اس کی چوٹی سے مظلوم دُنیا کو پھر
اِک نئی زندگی کی صدا دیں گے ہم
امنِ عالم سے جن کو محبت نہیں، نغمۂ امن ان کو سُنا دیں گے ہم
اے وطن اے وطن

بِلک بِلک مَر جائیں

سُندر نیناں مدھ بھرے، بھونرا رس کو آئے
کالی زلفیں موہنی، جیسے بدری چھائے
دو بھر ہو جینا اسے جو تم سے نیہہ لگائے
سِسک سِسک کر جان دے بِلک بِلک مر جائے

کیوں وہ اپنے داس کو دَرشن دینے کو آئے
کیوں وہ اپنے حُسن کا رُوپ انوپ دِکھائے
اے پریمی کیوں آس میں اپنے نین تھکائے
اس کی تو خود چاہ ہے بِلک بِلک مر جائے

◉

تم وہ نہیں ہو

تم وہ نہیں ہو اب وہ نہیں ہو اے میرے ساجن

میری اداؤں پر جو فدا تھا میں جس کی دیوی جو دیوتا تھا!
جو میرا بندہ ہو کر خدا تھا سپنا تھا یا رب دھوکا تھا کیا تھا

تم وہ نہیں ہو اب وہ نہیں ہو اے میرے ساجن

لبریز جھیلیں، گھنگھور بادل گھنگھور بادل سنسان جنگل
وہ ہم سے تم سے جنگل میں منگل دامن تمھارا اور میرا آنچل

تم وہ نہیں ہو اب وہ نہیں ہو اے میرے ساجن

اب وہ نہیں ہو تم میرے پیارے میں جی رہی تھی جس کے سہارے
جس نے ہمیشہ گیسو سنوارے آکاش میں تھی، تم تھے ستارے

تم وہ نہیں ہو اب وہ نہیں ہو اے میرے ساجن

آنکھیں تھیں میری جامِ محبت میرا تبسم دامِ محبت
بے نور سی کر دی شامِ محبت اب تم نہ لینا نامِ محبت

تم وہ نہیں ہو اب وہ نہیں ہو اے میرے ساجن

جس کی ادائیں کافر ادا تھیں جس کی نگاہیں کیف آشنا تھیں
جس کی فضائیں میٹھی جفا تھیں جس کی جفائیں جانِ وفا تھیں

تم وہ نہیں ہو اب وہ نہیں ہو اے میرے ساجن

روشن وہ شامیں، زرّیں وہ راتیں اور چاندنی میں گھنٹوں وہ باتیں
مخلوط قالب، مربوط ذاتیں سب پھونک ڈالیں وہ کائناتیں

تم وہ نہیں ہو اب وہ نہیں ہو اے میرے ساجن

مُطربہ

مست زمزمہ نواز گائے جا بجائے جا
او حسین مُطربہ کوئی گت سُنائے جا
دامنِ بہار پر
موجِ جوئبار پر
شاخِ غنچہ بار پر
فرشِ لالہ زار پر
خاکِ زر نگار پر
تربتِ ہزار پر
او حسین مُطربہ کوئی گت سُنائے جا
مست زمزمہ نواز گائے جا بجائے جا

یہ نشستِ نازنیں
یہ ادائے دلنشیں
یہ نگاہ سرمگیں
قامت اور بہتریں
طلعت اور مہ جبیں
گیسو اور عنبریں
مست زمزمہ نواز گائے جا بجائے جا
او حسین مُطربہ کوئی گت سُنائے جا

او دوشیزہ ساحرہ
انگلیاں نہ روکنا
ورنہ عالمِ بقا
دور بھول جائے گا
او حسین مُطربہ
زندگی بڑھائے جا
مست زمزمہ نواز گائے جا بجائے جا
او حسین مُطربہ کوئی گت سُنائے جا

◉

وہی کہو تو پھر ذرا

نگاہِ صبر آزما سے دل کو دیکھ بھال کر   سنبھل کے اور کاسنی کلائی کو سنبھال کر
نظر ملا کے اور میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر   کلیجہ رکھ تو دو ذرا اسی طرح نکال کر
وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بڑے حسین ہو

وہ کیفیت چاندنی کا اور سماں وہ پہلی رات کا   نقاب تار تار تھا دوشیزۂ حیات کا
شباب چھن رہا تھا جب عروس کائنات کا   مرے وجود پر تمہیں گماں تھا اپنی ذات کا
وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم مہرِ منیر ہو

مسرتوں کی روح ہو محبتوں کی جان ہو   امید کی زمین، حسرتوں کا آسمان ہو
جمال اور شباب کا بلند اک نشان ہو   خدائے عاشقی کی تم چڑھی ہوئی کمان ہو
وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بڑے جوان ہو

وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم اگر دلیر ہو   تو آؤ اپنے ساتھ نوجوان ایک فوج لو
تمام دیس اٹھ کھڑا ہوا اس سمجھاؤ سے اٹھو   وطن کی راہ میں بہاؤ اپنے گرم خون کو
وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بڑے دلیر ہو

زمیں سے آسمان تک اک آگ سی لگاؤں گا   سیاہ دشمناں کو کاہ کی طرح جلاؤں گا
فضا میں پرچموں کی دھجیاں اڑاؤں گا   وطن کو غاصبوں کے ہاتھ سے میں چھین لاؤں گا
وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بڑے دلیر ہو

فضا تمام میرے نورِ خوں سے جگمگائے گی   نہ آیا میں تو میری لاش تو ضرور آئے گی
تمہارے سامنے انھیں لبوں سے مسکرائے گی   یہی کہے گی بار بار اور تمھیں رلائے گی
وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بڑے دلیر ہو

◉

سنگ تراش کا ایک گیت

اے وطن تیری صنم خیز چٹانوں کی قسم
صدیاں گذری ہیں تخیل کی صنم سازی میں
آج سے تیری محبت کے تراشوں گا صنم
اے وطن تیری صنم خیز چٹانوں کی قسم

نت نئے بُت، نیا بُت خانہ، خریدار نئے   نیا معبد، نیا معبود، پرستار نئے
اِک نیا دیر تری خاک سے دوں گا میں جنم
سنگریزوں سے بصیرت کی کرن پھوٹے گی   اور چٹانوں سے ہدایت کی کرن پھوٹے گی
ہوگا ہر بُت کے کفِ شوخ میں اِک ساغرِ جم
اے وطن تیری صنم خیز چٹانوں کی قسم

علم وفن تیرے لبِ شوخ کی رنگینی ہیں   شعر و حکمت تری گفتار کی شیرینی ہیں
تیرے ماتھے کی کرن مُو قلم ولوح و قلم
اے وطن تیری صنم خیز چٹانوں کی قسم
دیر میں اور خدا، کعبے میں ہے اور خدا   یہ ہے تقسیم کی بنیاد وہ نفرت کی بنا
دل کے ٹکڑوں سے تراشوں گا نئے دیر و حرم
اور دونوں یہ ترے عشق میں ہو جائیں گے ضم
اے وطن تیری صنم خیز چٹانوں کی قسم

◉

جوانی بیتی جائے

کب تک راہ دکھاؤ گی تم — آخر کب تک آؤ گی تم
ساون بہا دوں رو رو کاٹے — کب تک یوں تڑپاؤ گی تم
جھوٹے وعدوں کے جھولوں میں — مجھے جھُلائے جاؤ گی تم
اپنے تبسم کے پھولوں کی تم — مالا کب پہناؤ گی تم
میں چیخوں اور مور پکارے
دکھیا کوئی شور مچائے
بیتی جائے جوانی بیتی جائے

میں دیوانہ تُو دیوانی — دونوں پگلے بَن کے بانی
دُنیا افسانوں کی سائیں — میں بھی قصّہ تو بھی کہانی
وقت کسی کا یار نہیں ہے — کر لیں دُنیا میں من مانی
آہ کہاں ملتے ہیں بچھڑ کر — بادۂ و ساغرِ عشق و جوانی
دل کی کلی جب مُرجھائے
کوئی بھونرا پاس نہ آئے
بیتی جائے جوانی بیتی جائے

آؤ نغمے مل کر گائیں — عرش پہ جائیں جس کی صدائیں
پریم کا جامِ رنگیں پی کر — پربت سے اونچے ہو جائیں
عرش کی جوتی جس کا کلس ہو — ایسا اک آشرم بنائیں
برسوں دُنیا نے ٹھکرایا — آ ہم دُنیا کو ٹھکرائیں
نغمے سارے بکھرے جائیں
سازِ ہستی ٹوٹا جائے
بیتی جائے جوانی بیتی جائے

ساون

آؤ مری جان آ بھی جاؤ

آؤ مری جان آ بھی جاؤ   ساون کی گھٹا میں چھپ کر آؤ
یہ سرد ہوا یہ مست برکھا   آؤ ورنہ ہمیں بلاؤ
بجلی جس پہ تڑپ گئی تھی   ہاں پھر اسی طرح مسکراؤ
گوشہ گوشہ میں نور بھر دو   ذرّہ ذرّہ کو جگمگاؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

کالی کالی گھٹائیں توبہ   دستِ رنگیں اُوپر بڑھاؤ
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں توبہ   کچھ تم پیو کچھ مجھے پلاؤ
بادل جو بچے کھچے ہوئے ہیں   آؤ اور ساتھ انھیں بھی لاؤ
رم جھم ساون برس رہا ہے   چھم چھم کرتی چلی بھی آؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

تاریک ہے روح دل ہے پیاسا   دیکھو مجھے اور مسکراؤ
دل کے خرمن پہ مسکرا کر   بے آگ کی بجلیاں گراؤ
ہلکی سی لطیف سانس لے کر   گہری فکروں میں ڈوب جاؤ
پھر دونوں جہاں سے مجھ کو کھو دو   آنسو آنکھوں سے کچھ گراؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

قسمت سوئی ہے عاشقی کی — اس خفتہ نصیب کو جگاؤ
پھر چھیڑ دو اپنا کوئی قصہ — راتیں باتوں میں پھر جگاؤ
دُوری نے کیا ہے نقص پیدا — گُل کو پھر جُز میں ملاؤ
آخر کب تک حجابِ ظاہر — باقی پردے بھی سب اُٹھاؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

ساون کی اندھیری رات اور تم — آئے ہو تو آ کے اب نہ جاؤ
اس فصل کا تو یہ ہے تقاضا — ہم سوویں اور تم جگاؤ
ہلکی ہلکی یہ مست بوندیاں — کوثر کی پھوار میں بہاؤ
ناگن سی گھٹاؤں میں یہ بجلی — للہ سنبھل کے مسکراؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ!

جھینگر کیوں ساز چھیڑتے ہیں — اِس ساز کا راز تو بتاؤ
بادل کیوں گِھر کے آ رہے ہیں — ان کی حالت پہ رحم کھاؤ
چمپا دُلہن بنی ہوئی ہے — آؤ اس کو گلے لگاؤ
ہستی کل انتظار میں ہے — مقصودِ حیات بن کے آؤ
ساری دُنیا بلا رہی ہے — لیکن تم میرے پاس آؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

سمَے

سمَے کو ہو پرنام، سمَے مہان، سمَے کو ہو پرنام
سمَے کو ہم سب کا ہو سلام
سمَے کو ہو پرنام
سمَے ازل ہے سمَے ابد ہے سمَے امر ہے سمَے مہان
تخت و تاج پر چھائیں سمَے کی راج پاٹ ہو اس کا دان
سمَے کی مایا جان
سمَے کو ہو پرنام
سمَے کو ہم سب کا ہو سلام

سمَے ہے کشتی، سمَے ہے مُکتی، سمَے مہا بلوان
تاج اسی کے سر پر ہوگا جسے سمَے کا ہوگا گیان
سمَے کا ہے فرمان
سمَے کی مایا جان
سمَے کو ہو پرنام
سمَے کو ہم سب کا ہو سلام

کسی محل میں بلبل چہکے، کسی محل پر بوم
ساغر اُلٹے آئیں زلزلے سمے نہیں دیتا ہے دھیان
سمے کی مایا جان
سمے مہان
سمے کو ہو پرنام
سمے کو ہم سب کا ہو سلام

سمے ہے مُکتی سورج سمے سویرا سمے اندھیروں کا طوفان
سمے بھگت ہے، سمے ہے بھگتی، سمے ہے خود بھگوان
سمے کی مایا جان
سمے مہان
سمے کو ہو پرنام
سمے کو ہم سب کا ہو سلام

سمے نے ہم کو پھول دیے ہیں سمے نے چاند ستارے
ہیرے برساتے ہوئے جھرنے چھن چھن کرتے دھارے
جگ ہے سمے کا دان
سمے کی مایا جان
سمے مہان
سمے کو ہو پرنام
سمے کو ہم سب کا ہو سلام

نین ہیں اس کے نیر سے خالی سینہ ہردے سے محروم
نیرس اندھا بہرا گونگا جیسے ہو مظلوم
سمے کو کس کا دھیان
سمے کی مایا جان
سمے مہان
سمے کو ہو پرنام
سمے کو ہم سب کا ہو سلام

سمے ہے ساگر سمے طوفان سمے ہے اک بھونچال
دھول سمے کے چرنوں کی ہے، کیا اوج وزوال
سمے کو کس کا مان
سمے کی مایا جان
سمے مہان
سمے کو ہم سب کا ہو سلام

سلام اے ماں

سلام اے ماں سلام اے ماں
سلام اے ماں سلام اے ماں
تری زمیں کو ترے گگن کو تری دھنک کو سلام پہنچے
ترے ستاروں، تری بہاروں تری مہک کو سلام پہنچے
سلام ہو صبح و شام اے ماں
سلام اے ماں سلام اے ماں

ہم اپنی آنکھوں کا نور دیں گے تجھے دلوں کی بہار دیں گے
سہاگ کیا ہم اپنے بچوں کو تیرے چرنوں پہ وار دیں گے
نثار تجھ پر ہمارے ارماں
سلام اے ماں سلام اے ماں
سلام اے ماں

ہزاروں طوفان آئیں لیکن وفا کا حق ہم ادا کریں گے
چراغ تیری وفا کا بن کر ہم آندھیوں میں جلا کریں گے
نہیں کوئی سورما جہاں میں کرے جو ہم کو غلام اے ماں
سلام اے ماں

سلام اے ماں سلام اے ماں
سلام اے ماں سلام اے ماں
سلام اے ماں
جو تجھ پہ قربان ہو چکے ہیں فلک سے ان کا سلام بھی لے
دعائیں بھی لے عقیدتِ جاوداں کی نذرِ دوام بھی لے
یہ دَور کا ہے پیام اے ماں
سلام اے ماں سلام اے ماں
سلام اے ماں سلام اے ماں

ہماری فکر ہے آزاد اور زباں آزاد ہمارے ہونٹ ہیں آزاد، داستاں آزاد
نجاتِ نرگسِ صحرا کی طرح اُگتی ہے ہر ایک ہے تری دھرتی پہ بے گماں آزاد
نہ کوئی بندہ نہ کوئی آقا نہ کوئی پرجا نہ کوئی رانا
ہر اِک طرف تیری انجمن میں چھڑا ہے جمہور کا ترانا
رہے یہ محفل مدام اے ماں
سلام اے ماں سلام اے ماں
سلام اے ماں سلام اے ماں
سلام اے ماں

اے شمعِ وطن کے پروانو!

وہ بھور کی لالی مُسکائی منزل وہ ہوئی بیدار سنو   اے شمعِ وطن کے پروانو طوفاں ہی ہے پتوار سُنو
طوفانوں میں بڑھتے جاؤ ہوکے لو ہے بیڑا پار سنو   اے ماتر بھوم کے دیوانو تم سمے کی یہ للکار سُنو
اے شمعِ وطن کے پروانو تم سمے کی یہ للکار سُنو

یہ میداں ہے آزادی کا یاں شرطِ وفا جاں بازی ہے   جو بھینٹ دے بڑھ کر جیون کی وہ اس میداں کا غازی ہے
آزادی کی مسکان کے لیے کچھ لالی ہے درکار سُنو   اے ماتر بھوم کے دیوانو تم سمے کی یہ للکار سُنو
اے شمعِ وطن کے پروانو تم سمے کی یہ للکار سنو

کیوں سمے کی اجّل کھیتی میں غفلت کے دانے بوتے ہو   جو جاگے ہے سو پائے ہے تم سو کر سب کچھ کھوتے ہو
نہ پلک بیدار رہو، بیدار رہو، بیدار سُنو   اے ماتر بھوم کے دیوانو تم سمے کی یہ للکار سنو
اے شمعِ وطن کے پروانو تم سمے کی یہ للکار سُنو

◉

توڑ دُوئی کی دیواروں کو

توڑ دوئی کی دیواروں کو کہساروں کو اور چلا چل منزل، منزل، اے منزل کے نور
توڑ دوئی کی دیواروں کو کہساروں کو اور چلا چل منزل، منزل، اے منزل کے نور
توڑ دوئی کی دیواروں کو کہساروں کو اے منزل کے نور
نیرنگی میں اِک رنگی ہے اس دھرتی کا سبھاؤ یاں کی مٹی میں ہے سمویا لاکھوں روحوں کا سنگیت
سینکڑوں تہذیبوں کا ترنم، دھرموں کا سنگیت دین ہزاروں سال کی ہے تہذیبوں کا شوخ رچاؤ
اس دھرتی کا یہی سبھاؤ
توڑ دوئی کی دیواروں کو کہساروں کو اور چلا چل منزل منزل
اے منزل کے نور
منزل کب ہے دُور
توڑ دوئی کی دیواروں کو کہساروں کو اے منزل کے نور
کیسا اُتر، کیسا دکھن، کیسا پورب، کیسا پچھم ایک ہی نغمہ ایک ہی سرگم ایک ہی نعرہ ایک ہی پرچم
بند ہیں مالا کی طرح وحدت کی اِک دوئی میں ہم جگ جگ رہے یہ اپنا بندھن گگن کو چومے اپنا پرچم
توڑ دوئی کی دیواروں کو کہساروں کو اور چلا چل منزل منزل
اے منزل کے نور
منزل کب ہے دور
توڑ دوئی کی دیواروں کو کہساروں کو

منزل تیری رواداری ہے اور تیرے ہی من میں چھپی ہے — پیار کی دنیا پریم کی بستی تیرے ہی اندر بستی ہے
توڑ دوئی کی زنجیروں کو اے بھارت کے لال — اِک من ہو جا، اِک تن ہو جا اِک زباں ہو اِک خیال

اے بھارت کے جمال
اے بھارت کے لال
توڑ دوئی کی دیواروں کو کہساروں کو اور چلا چل منزل منزل
منزل کب ہے دُور
اے منزل کے نور
توڑ دوئی کی دیواروں کو کہساروں کو اور چلا چل منزل منزل
اے منزل کے نور

تیری منزل ایک

تیری منزل ایک مسافر ایک ہے منزل تیری جیون کی راہوں میں مسافر رستوں کا اک جال
قدم قدم طوفاں منڈلائیں موڑ موڑ بھونچال
نسل، رنگ، تہذیب، عدن، دین دھرم کی چال
ان سب سے اونچی ہے محبت اے لعلوں کے لعل
تیری منزل ایک مسافر ایک ہے منزل تیری

پریم ہی رستہ، پریم ہی راہی، پریم ہی تیری منزل
بڑھ کر ہے ترنوک سے راہی پریم میں ڈوبا دل
پریم ہی طوفاں پریم ہی نیا پریم ہی تیرا ساحل
پریم بنا ساحل پر لگی ہے سوچ تو کس کی کشتی
تیری منزل ایک مسافر ایک ہے منزل تیری

سن اے طوفاں کے پالے! کیا کہتا ہے دریا
میرے اندر ہے جو کچھ ہے باہر کیا ہے دھارا
موجیں کیا دیں گی دھارے کو طوفانوں میں سہارا
دھارے نے جب چھوڑا دیا ڈوب گئی روانی
تیری منزل ایک مسافر ایک ہے منزل تیری

حیراں یوں تاروں کے تلے کیا سوچ رہا ہے اکیلا
نفرت اور بکھراؤ میں ہے یاں جینے کا رستا
اک ناتے میں بندھ کر ہو کر سیکھ گگن سے جینا
ٹکا ہوا ہر تارہ ہے اور ایک کشش کی ڈوری
تیری منزل ایک مسافر ایک ہے منزل تیری

◉

وہ دیکھو بادل آیا

(بچّیوں کے لیے)

وہ دیکھو وہ بادل آیا کالا کالا، بھورا بھورا
بارش کا پیغام ہے لایا تھوڑی دیر میں مینہ برسے گا
لڑکے بالے بھاگ رہے ہیں
نیند کے ماتے جاگ رہے ہیں
جاگ رہے ہیں بھاگ رہے ہیں
وہ دیکھو وہ بادل آیا

ہلکی ہلکی بوندیں آئیں بھینی بھینی خوشبو لائیں
منّی کی بہنیں گھبرائیں جلدی جلدی گڑیاں اٹھائیں
بجلی چمکی بادل کڑکا
ننھا میرا نیند سے جاگا
نیند سے جاگا اور چلّایا
وہ دیکھو وہ بادل آیا

اے بادل تو کیوں آیا ہے آٹھ آٹھ آنسو کیوں روتا ہے؟
کیا تو دن بھر کا بھوکا ہے تجھ کو آپا نے مارا ہے؟

مت رو میرے پیارے بادل
پیارے اور دلارے بادل
او بوندوں کے مارے بادل

وہ دیکھو وہ بادل آیا

بادل تجھ کو پیار کروں گی اور بلائیں تیری لوں گی
ابا سے پیسے مانگوں گی پھر تجھ کو چیزیں لا دوں گی

اے بادل غمگیں نہ ہو تو
آٹھ آٹھ آنسو دیکھ نہ رو تو
تان کے چادر چین سے سو تو

وہ دیکھو وہ بادل آیا
آہا! آہا! آہا! آہا!

صبحِ وطن

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء

اے صبحِ وطن اے صبحِ وطن
اے روحِ بہار اے جانِ چمن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

احساسِ غلامی نے آخر زنجیرِ غلامی توڑ ہی دی
جمہور کے سنگیں پنجے نے شاہی کی کلائی موڑ ہی دی
جھنڈا مغرب کی عظمت کا دھرتی پہ ہم نے جھکا ہی دیا
عالم میں اپنی نصرت کا رنگیں پرچم لہرا ہی دیا
اور چھین لیا خونیں ہاتھوں سے ہم نے ترا سیمیں دامن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

پھر لوٹ کے آیا صدیوں میں اقبال وطرب کا سیارا
ہستی کے اُفق پہ پھر چمکا پستی کے اندھیروں کا مارا
آفاقِ خودی کا وہ سورج آزادیِ کامل کا تارا
ظلمت کی چٹانوں سے پھوٹا نورِ ابدیت کا دھارا
ذرّوں کو تغیر نے بخشا اِک معجزۂ خورشید شکن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

احساسِ زمیں بیدار ہوا افکارِ بشر بیدار ہوئے
راتوں کی ملاحت جاگ اٹھی انوارِ سحر بیدار ہوئے
آنکھوں کو ملا گلزاروں نے شاخوں پہ ثمر بیدار ہوئے
بستر سے خزف ریزے اٹھے اور لعل و گہر بیدار ہوئے
سیپی کی خالی گودی میں مسکائے ہزاروں درِ عدن
مشرق کے شہابی سینے سے پھوٹی وہ نئے سورج کی کرن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

افسردہ گلوں میں دوڑ گئی اِک موجِ ضیا و رعنائی
کاہیدہ ذرّوں میں جاگی بے تابیِ انجم پیمائی
سنسان بیابانوں کو ہوا پندارِ گلشن آرائی
ویراں کھنڈروں میں لینے لگا محلوں کا تصوّر انگڑائی
تعمیر کا نغمہ گانے لگی تخریب کے سینے کی دھڑکن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

پھر خاک میں کروٹ لینے لگے سولالہ رُخان و ماہ جبیں
اوراقِ زمیں سے پھوٹ پڑے ہستی کے ہزاروں نقش و نگیں
سنگین چٹانوں میں ابھرے اصنام کے خد و خالِ حسیں
ہر گوشہ ہے فردوسِ نظر ہر ذرّہ ہے بتخانۂ چیں
بہزاد ہے تیری پرچھائیں مانی ہے ترے سورج کی کرن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

آہن کی صلابت میں اُبھرا معصوم تصوّر نرمی کا
پھولوں کی لطافت میں اُمڈا آہن بن جانے کا جذبا

ذرّوں کی خموشی کو حسرت ہے سیلِ بیاں بن جانے کی
صدیوں کی اداسی کو ضد ہے اِک نطقِ جواں بن جانے کی
ہر سانس کے اندر غلطاں ہے تعمیر کے سینے کی دھڑکن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

پربت پربت ساگر ساگر پرچم اپنا لہراتا ہے
محلوں پہ ملوں پہ قلعوں پر عظمت کے ترانے گاتا ہے
گلبار ردائے آزادی سرشار جوانی کا پرچم
یہ امن کا لہراتا گیسو خاموش بغاوت کا یہ علم
تہذیب کا یہ زرّیں آنچل تعمیر کا یہ رنگیں دامن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

قندیلِ رہِ تسلیم و رضا فانوسِ سفر نجمِ منزل
ماہِ خلوت مہرِ جلوت رن کی مشعل شمعِ محفل
مہتابِ شبِ طوفانِ غم خورشیدِ سحر نورِ ساحل
یہ خونِ شہیداں کا مخزن یہ دردِ رفیقاں کا حامل
یہ ظلم کا اک صابر شاہد یہ صدق و محبّت کا درپن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

اب کھیتوں میں گندم ہی نہیں سونا بھی اُگے گا اے ساقی
اب کر نہ سکے گی برقِ تپاں خرمن پہ ہمارے قزّاقی
بخشے گا تغیّر بھوکوں کو ہر موڑ مزاجِ رزّاقی
مزدور کو دورِ صنّاعی دہقاں کو شعورِ خلّاقی
اب ہیرے موتی اگلیں گے ہر باغ و صحرا کوہ و دمن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

گاؤوں کو سُنائیں گے مژدہ امصارِ حسیں بن جانے کا
شہروں کو سلیقہ بخشیں گے فردوسِ بریں بن جانے کا
ہم خانہ بدوشوں کو دیں گے پیغام مکیں بن جانے کا
ذرّوں کو رمز بتا دیں گے خورشیدِ مبیں بن جانے کا
اور تیری افق کی لالی سے کر دیں گے ستاروں کو روشن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

ہیں شہرِ حاصل کے باسی آتا ہی نہیں ہم کو کھونا
ہیں ملکِ تبسم کے شہری مقسوم نہیں اپنا رونا
اب خاک قدم مجبوروں کی برسائے گی دنیا پر سونا
اب اطلس کی قسمت ہو گی پیراہنِ محنت کش ہونا
تاریک و فسردہ مکھڑوں سے پھوٹے گی نئے سورج کی کرن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

اب تازہ بہاروں کی نکہت منہ فصلِ خزاں کا موڑے گی
پھولوں سے لدی ٹہنی بڑھ کر صرصر کے ہاتھ مروڑے گی
کھیتوں کی زمیں اونچی ہو کر فردوس سے رشتہ جوڑے گی
اب ہل کی انی سرمستی میں آکاش کے تارے توڑے گی
وہ دن بھی اب کچھ دور نہیں جب ہوں گے سیارے آنگن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

یہ لامتناہی خواب یہ جذبہ عیش و سرور و شادی کا
جس جذبے نے آزادی دی وہ ظرف بھی دے آزادی کا
گر جام دیا ہے اے ساقی تو ضبطِ سرورِ جام بھی دے
بادہ جو دیا ہے اے داتا احساسِ عطائے عام بھی دے
میخانۂ عشرت کھل جائے صحرا صحرا گلشن گلشن
اے صبحِ وطن، اے صبحِ وطن

پُجارن

اے مندر کا راز پجارن   اے فطرت کا ساز پجارن
پریم نگر کی رہنے والی   ہر کی بتیاں کہنے والی
سیدھی سادی بھولی بھالی   بات نرالی گات نرالی
ہونٹوں پر پیمانے رقصاں   آنکھوں میں مے خانے رقصاں
اے دیوی کا رُوپ پجارن
تیرا رُوپ انوپ پجارن

بھینی بھینی بُو ساری میں   ساری مدھ میں تُو ساری میں
آنکھوں میں جمنا کی موجیں   بالوں میں گنگا کی لہریں
نور ترے رخسارِ حسیں پر   رنگیں ٹیکا پاک جبیں پر
جیسے فلک پر صبح کا تارا   روشن روشن پیارا پیارا
شرمیلی معصوم نگاہیں   گوری گوری نازک باہیں
اے دیوی کا رُوپ پجارن
تیرا رُوپ انوپ پجارن

پھولوں کی اک ہات میں تھالی   موہن مدھ ماتی متوالی
نیچی نظریں، ترچھی چتون   مست پجارن، ہر کی جوگن
چال ہے مستانہ متوالی   اور کمر پھولوں کی ڈالی
دل تیرا نیکی کی منزل   لاکھوں بت خانوں کا حاصل
ہستی تجھ میں جھوم رہی ہے   مستی آنکھیں چوم رہی ہے
اے دیوی کا روپ پجارن
تیرا روپ انوپ پجارن

نور کے تڑکے گھاٹ پہ آکر   گنگا کا اسنان بڑھا کر
بھر لے کر خوشبوئیں ساری   چندن، جل اور دوب سپاری
صبح کے جلووں کو تڑپا کر   نور کے تڑکے گھاٹ پہ آکر
اے مندر میں آنے والی   پریم کے پھول چڑھانے والی
ہستی بھی ہے گلشن تجھ سے   سورج بھی ہے روشن تجھ سے
اے دیوی کا رُوپ پجارن
تیرا رُوپ انوپ پجارن

لوٹ چلی تو کر کے پوجا   دیکھ لیا ایشور کا جلوہ
ٹھہر ٹھہر اے پریم پجارن   میں بھی کر لوں تیرے درشن
دیکھ ادھر گھونگھٹ نہیوڑا کر   اپنے پجاری پر کرپا کر
سب کی پوجا زہد و طاعت   میری پوجا تیری الفت
ہر کا گھر ہے تیرا پیکر   تو خود ہے اک سندر مندر
اے دیوی کا روپ پجارن
تیرا روپ انوپ پجارن

آنکھ میں میری ہے اِک آنسو — جیسے ہونڈی میں جگنو
مالا میں کر اس کو شامل — یہ موتی ہے تیرے قابل
دھیان سے اپنے پران بسا کر — پاؤں سے تیرے آنکھ ملا کر
پریم کا اپنے نیر بہا دوں — سب کچھ تجھ پر بھینٹ چڑھا دوں
پاپی دل میرا سکھ پائے — میری پوجا کیوں رہ جائے
اے دیوی کا روپ پجارن
تیرا روپ، انوپ پجارن

تجھ کو دل کے گیت سناؤں — پھر چرنوں میں سیس نواؤں
ترلوک اور آکاش جھکا دوں — دھرتی کی شکتی لچکا دوں
تارے، چاند اور بھولے بادل — باغ، ندی، دریا اور جنگل
پربت، صحرا، مسجد، مندر — ساقی، پیمانہ اور ساغر
دنیا ہو تیرے قدموں پر — قدموں کے نیچے میرا سر
اے دیوی کا روپ پجارن
تیرا روپ، انوپ پجارن

ایک پجارن، ایک پجاری — پریت کی ریتیں کر دیں جاری
دیس میں پریت اور پیار کو بھر دیں — پریم سے کل سنسار کو بھر دیں
لابھ اور لوبھ کے بت کو توڑیں — پاپ اور کرودھ کا نام نہ چھوڑیں
پریم کا رس دوڑے رگ رگ میں — ہو اِک پریم کی پوجا جگ میں
دونوں اس دھن میں مر جائیں — تیرتھ ایک عجیب بنائیں
اے دیوی کا روپ پجارن
تیرا روپ، انوپ پجارن

◉

مُسَافر

مسافر مراحل سے گھبرا نہ جانا
مراحل بھی ہیں تیری خاطر مسافر
تجھے ان مراحل سے آگے ہے جانا

یہ افسونِ باطل جنونِ حقیقت
یہ گردابِ تہذیب یہ دامِ حکمت
کوئی ان میں دیسی کوئی ہے بدیسی
حقیقت کہیں یہ نہ تو بھول جانا
کہ تو ہے خدنگ اور یہ تیرا نشانہ
مسافر مراحل سے گھبرا نہ جانا
تجھے ان مراحل سے آگے ہے جانا

مسافر مراحل سے گھبرا نہ جانا
منازل بھی ہیں تیری خاطر مسافر
تجھے ان منازل سے آگے ہے جانا

یہ قصرِ تمدن ، یہ ایوانِ دولت
یہ بابِ حکومت یہ مینارِ عظمت
یہ بنتے ، بگڑتے گذرتے رہیں گے
کہ ہے دور قندیل کا سا تماشا
ازل سے ہے گردش میں یہ کارخانا
مسافر منازل سے گھبرا نہ جانا

مسافر معابد سے گھبرا نہ جانا
معابد بھی ہیں تیری خاطر مسافر
تجھے ان معابد سے آگے ہے جانا

حرم ہے نہ کعبہ ، نہ دیر و کلیسا
حرم ہو کہ مندر ، کنشت اور کلیسا
عجائب کدے میں معابد نہیں ہیں
زمانہ ہوا اپنی منزل پہ پہنچے
وہ کچھ تجھ سے پہلے ہوئے تھے روانا
مسافر معابد سے گھبرا نہ جانا

مسافر تلاطم سے گھبرا نہ جانا
تلاطم بھی ہے تیری خاطر مسافر
تجھے اِس تلاطم سے آگے ہے جانا بادل آیا

یہ طوفاں ہمیشہ ہی آتے رہے ہیں
سفینوں کو
ہوا ہو گئے ہیں سفینوں سے پہلے
سفینوں سے آنکھیں لڑانا ہے مشکل
بڑا حادثہ ہے ترا ڈگمگانا
مسافر تلاطم سے گھبرا نہ جانا

مسافر زمانے سے گھبرا نہ جانا
زمانہ بھی ہے تیری خاطر مسافر
تجھے اِس زمانے سے آگے ہے جانا

ترے کاروانِ جلالت کی خاطر
زمانہ فقط ایک پُل ہے مسافر
گذر جا زمانے کے پل سے گذر جا
کہ تو ہے نشانِ تیز گام ارتقاء کا
زمانوں سے آگے ہے تیرا زمانا
مسافر زمانے سے گھبرا نہ جانا
تجھے ہر زمانے سے آگے ہے جانا

◉

رُکے نہ اپنا کارواں

یہ آرزو یہ ولولوں یہ حسرتوں کا کارواں
یہ تازہ دم شباب کی مسرتوں کا کارواں
نئی اُمنگ کا جلوس عشرتوں کا کارواں
سرق حیات کی ریاضتوں کا کارواں
جلو میں جس کے وقت ہے قدم قدم پہ نغمہ خواں
رکے نہ اپنا کارواں

نئے طرب کی چاندنی یہ آرزو کی کہکشاں
حیات جس کی راگنی شباب جس کی داستاں
جمال کا یہ قافلہ جلال کا یہ کارواں
یہ عہد ساز ولولوں کا ایک بحرِ بے کراں
یہ گنگناتے ڈیم اور یہ لہلہاتی کھیتیاں
رُکے نہ اپنا کارواں

یہ کارواں ہے ملتوں کی عظمتوں کا کارواں
یہ مذہبوں، تمدنوں، روایتوں کا کارواں
کہیں ہے شنکھ کی صدا، کہیں ہے نغمۂ اذاں
کہیں صلیب کا نشاں، کہیں ہلال کا نشاں
ہر اِک نشان، سربلند وارجمند و زرفشاں
رُکے نہ اپنا کارواں

غلام اپنی برق ہے، اسیر ماہ و کہکشاں
نچوڑتے ہیں موجِ آب کے جگر سے بجلیاں
ہیں بجلیوں کی گود میں نئے زماں نئے مکاں
نئے محل، نئے چمن، نئی حسین بستیاں
بہشت اس کی گود میں بغل میں جس کی بوستاں
رُکے نہ اپنا کارواں

یہاں بہار رقص میں وہاں نگار نغمہ خواں
اِدھر ہجومِ مہ وشاں اُدھر ہجومِ گل رُخاں
سبو بدوش ہے دھنک شفق لیے گلابیاں
شرابِ لالہ رنگ سے ہے فرشِ راہِ گل فشاں
نقیب یہ بہار کا شباب کا یہ ترجماں
رُکے نہ اپنا کارواں

مطیع اپنے زلزلے غلام اپنی آندھیاں
بھنور کے راز دار ہم، بھنور ہمارا رازداں
ہر ایک موج خندہ زن، ہر ایک موج نغمہ خواں
سمندروں سے کھیلتی یہ پاش پاش کشتیاں

ازل سے ہے رواں دواں یونہی ہمارا کارواں
رُکے نہ اپنا کارواں

کہیں رُکے نہیں وہ گزر کے پیچ و خم سے قافلے
حرارتِ سفر کہاں کہاں یہ سرد مرحلے
نقیبِ راہِ شوق ہیں بہارِ نو کے زمزمے
انھیں کے شوخ ہات میں ہیں منزلوں کے زائچے
یہ بجلیوں کی گھن گرج یہ زلزلے یہ آندھیاں
رُکے نہ اپنا کارواں

ہماری راہ عشق ہے ہماری منزل آشتی
ہمارا دین امن ہے ہمارا دھرم شانتی
ہمارے قصرِ امن کی طرف بڑھے گا گر کوئی
تو یاں بھی کچھ کمی نہیں ہے قوت و حیات کی
ہے دل جواں، جگر جواں، قدم جواں، نظر جواں
رُکے نہ اپنا کارواں

حیات کے شعور کا جلوس کامراں ہے یہ
شبابِ حسن و عشق کی جمیل داستاں ہے یہ
برات ہے خودی کی یہ سرور کا نشاں ہے یہ
حسیں تصورات کا حسین کارواں ہے یہ
قدم قدم نئے جہاں نئے زماں نئے مکاں
رُکے نہ اپنا کارواں

یہ کارواں کہ جس کا منزلوں کو انتظار ہے
یہ کارواں کہ جس کا ساحلوں کو انتظار ہے
نظر کو انتظار ہے، دِلوں کو انتظار ہے
سرُور اور طرب کی محفلوں کو انتظار ہے
نشاطِ دف لیے ہوئے قدم قدم پہ نغمہ خواں
رُکے نہ اپنا کارواں

حیات کو وہ رُوپ دو بہار مُسکرا اُٹھے
کلی کی طرح خشت و سنگ و خار مسکرا اُٹھے
چمن چمن نگار ہو، انگار مُسکرا اُٹھے
عروجِ نو کا قصرِ انتظار مسکرا اُٹھے
بہار ہی بہار ہو زمیں سے تا بہ کہکشاں
رُکے نہ اپنا کارواں

◉

چلے چلو خونِ جگر کے دیپ جلائے

چلے چلو، خونِ جگر کے دیپ جلائے منزل منزل چلے چلو
چلے چلو خونِ جگر کے دیپ جلائے منزل منزل چلے چلو

ڈرنا سہمے کی روباہوں سے کام نہیں ہے شیروں کا
گھور اندھیروں سے دب جانا حسن نہیں اُجیالوں کا
طوفانوں سے لرزنا کیسا، طوفانوں کے پالوں کا
کاندھے گرد ابوں سے ملائے طوفاں طوفاں چلے چلو
چلے چلو خونِ جگر کے دیپ جلائے خنداں خنداں چلے چلو

ہم نے غلامی کی زنجیریں ضربِ جنوں سے کاٹی تھیں
اپنے شہیدوں کی لاشوں سے کتنی خلیجیں پاٹی تھیں
کتنے سمندر خشک کیے ہیں کتنی چٹانیں توڑی ہیں
پرچم آزادی کا اُٹھائے وادی وادی چلے چلو
چلے چلو، خونِ جگر کے دیپ جلائے بستی بستی چلے چلو

ان کی وجہ ہے جو دُنیا میں خود پہ بھروسا کرتے ہیں
اپنے بازو کی قوت پر جو میداں میں اترتے ہیں
کیسے ہی طوفان ہوں لیکن طوفانوں سے لڑتے ہیں
خودداری کی شمع جلائے طوفاں طوفاں چلے چلو
چلے چلو خونِ جگر کے دیپ جلائے اندھیاروں میں چلے چلو
چلے چلو خونِ جگر کے دیپ جلائے منزل منزل چلے چلو

◉

گاندھی

(بچوں کے لیے)

دُنیا تھی گو اس کی بیری، دُشمن تھا جگ سارا
آخر میں جب دیکھا، سادھو وہ جیتا جگ ہارا
کیسا سنت ہمارا
کیسا سنت ہمارا گاندھی، کیسا سنت ہمارا

بدّھا ہے یا نئے جنم میں بنسی کا متوارا
موہن نام سہی پر سادھو روپ وہی ہے سارا
کیسا سنت ہمارا
کیسا سنت ہمارا گاندھی، کیسا سنت ہمارا

بھارت کے آکاش پہ وہ ہے ایک چمکتا تارا
سچ مچ گیانی، سچ مچ موہن، سچ مچ پیارا پیارا
کیسا سنت ہمارا
کیسا سنت ہمارا گاندھی، کیسا سنت ہمارا

سچائی کے نور سے اس کے دل میں ہے اُجیارا
باطن میں شکتی ہی شکتی ظاہر میں بیچارا
کیسا سنت ہمارا
کیسا سنت ہمارا گاندھی، کیسا سنت ہمارا

٥

آؤ (ساون میں جدائی کی ایک رات)

آؤ مری جان آ بھی جاؤ ساون کی گھٹا میں چھپ کے آؤ
یہ سرد ہَوا یہ مست برکھا آؤ ورنہ ہمیں بلاؤ
عالم جس سے لرز گیا تھا ہاں پھر اُسی طرح مُسکراؤ
کاشانۂ غم میں ہے اندھیرا دریا انوار کے بہاؤ
گوشے گوشے میں نور بھر دو ذرّہ ذرّہ کو جگمگاؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

کالی کالی گھٹائیں توبہ دستِ رنگیں اِدھر بڑھاؤ
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں توبہ کچھ تم پیو کچھ مجھے پلاؤ
بادل جو بچے کھچے ہوئے ہیں آؤ اور ساتھ اُنھیں بھی لاؤ
رِم جھم ساون برس رہا ہے چھم چھم کرتے چلے بھی آؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

چھیڑی ہے فضا نے راگنی سی تم بھی اپنا رباب اُٹھاؤ
قدرت سو گیت گا رہی ہے آؤ تم بھی ملہار گاؤ
پژمُردہ ہے فطرتِ ترنّم پھر دھن میں ہماری گنگناؤ
وہ نظم جو ہم نے کل کہی تھی بوندوں کے ستار پر سُناؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

تاریک ہے روح دل ہے تشنہ دیکھو مجھے اور مُسکراؤ
دل کے خرمن پہ مُسکرا کر بے آگ کی بجلیاں گراؤ
ہلکی سی لطیف سانس لے کر گہری فکروں میں ڈوب جاؤ
پھر دونوں جہاں سے مجھ کو کھو دو آنسو آنکھوں سے کچھ گراؤ
راہِ عرشِ وفا کدھر ہے نم ناک نگاہ سے بتاؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

پھر کعبۂ عشق کردو تعمیر　　مندر پھر پریم کا بناؤ
پھر سجدے ہوں بار بار اور ہم　　پھر تم رہ رہ کے روٹھ جاؤ
پھر اپنے قدومِ نازنیں سے　　گھبرا کے ہمارا سر اٹھاؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

قسمت سوتی ہے عاشقی کی　　اس خفتہ نصیب کو اٹھاؤ
پھر چھیڑ دو اپنا کوئی قصہ　　راتیں باتوں میں پھر جگاؤ
دُوری نے کیا ہے نقص پیدا　　کُل کو پھر جزو میں ملاؤ
آخر کب تک حجابِ ظاہر　　باقی پردے بھی سب اٹھاؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

ہر دم کیوں یاد آ رہے ہو　　بہتر ہے یہی کہ بھول جاؤ
یہ شرم و حجاب اللہ اللہ　　ہم سے بھی نہ تم نظر ملاؤ
اِک رازِ بنائے ہر دو عالَم　　گو چھپ نہ سکے مگر چھپاؤ
اعجازِ تصورات ہے یہ　　آ کر بھی ہمیں نظر نہ آؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

ساون کی اندھیری رات اور تم　　آئے ہو تو آ کے اب نہ جاؤ
اس وقت کا تو یہ ہے تقاضا　　ہم سو رہیں اور تم جگاؤ
ہلکی ہلکی یہ مست بوندیاں　　کوثر کی پھوار میں نہاؤ
ناگن سی گھٹاؤں میں یہ بجلی　　للہ سنبھل کے مسکراؤ
آؤ مری جان آ بھی جاؤ

جھینگر کیوں ساز چھیڑتے ہیں　　اِس ساز کا راز تو بتاؤ
بجلی کیوں مضطرب ہے پیہم　　اس کی بے چینیاں مٹاؤ
بادل کیوں گھر کے رو رہے ہیں　　ان کی حالت پہ رحم کھاؤ
چمپا دلہن بنی ہوئی ہے　　آؤ اس کو گلے لگاؤ
ہستی کُل انتظار میں ہے　　مقصودِ حیات بن کے آؤ
سارا عالم بلا رہا ہے　　لیکن تم میرے پاس آؤ
آؤ میری جان آ بھی جاؤ

رُباعیات

صحرا میں جو سو چمن کھلا سکتے ہیں
بادل وہی فصلوں کو جلا سکتے ہیں
دشمن جو بہار کے ہیں ان سے کہہ دو
ہم پھول کو شعلہ بھی بنا سکتے ہیں

دھارے کو سرودِ گُل بنا سکتے ہیں
طوفان کی آغوش میں گا سکتے ہیں
کرتے ہیں جو نِرت فرشِ گُل پر اے دوست
وہ آگ میں بھی رقص دِکھا سکتے ہیں

چاہیں تو جہاں کو ہلا سکتے ہیں
وہ زیست کو بے شکن بنا سکتے ہیں
پھولوں سے جو کھیلتے ہیں بزمِ گل میں
وہ تیغ بھی میداں میں اٹھا سکتے ہیں

نغموں سے جو دہر کو جگا سکتے ہیں
وہ جنگ کا طبل بھی بجا سکتے ہیں
جو پھول لٹاتے ہیں بہاروں میں ندیم
وہ آگ کے طوفاں میں بھی گا سکتے ہیں

کتنی قوموں کی ہے جوانی اِس میں
کتنے قرنوں کی زندگانی اِس میں
کتنی تہذیبوں کا خانہ ہے یہ خاک
کتنی نسلوں کی ہے کہانی اِس میں

اِس خاک میں والمیک اور میر بھی ہے
اس خاک میں گوتم ہے مہاویر بھی ہے
کر رشک مری موت پہ اے میری حیات
اس خاک میں ملنا مری تقدیر بھی ہے

ساغر قرباں ہے جام و صہبا قرباں
ہے زیست کی ہر حسیں تمنا قرباں
یا عشق کی قیمت ہے وطن کے آگے
محبوب وطن پہ دین و دنیا قرباں

یہ خاکِ وطن عجیب مے خانہ ہے
ہستی اور نیستی کا پیمانہ ہے
ساغر ہو کہ جام اور ساقی ہو کہ مے
سب کو اس خاک ہی میں مل جانا ہے

تاریک جہاں کو روشنی دی ہم نے
گوتم کی متاعِ آگہی دی ہم نے
بھٹکے ہوئے چین کو ہدایت کی قسم
شہ راہِ نجاتِ زندگی دی ہم نے

مٹ جائیں گے خود مگر سجا دیں گے اسے
بجھ جائیں گے آپ، جگمگا دیں گے اسے
ہم کچھ نہ سہی مگر لہو سے اپنے
سرچشمۂ زندگی بنا دیں گے اسے

جو اس کی طرف بڑھے گا خاک ہو جائے گا
اس کا قصہ ہی پاک ہو جائے گا
ڈالے گا جو اس زمیں پہ اپنا سایہ
پرچم وہ چاک چاک ہو جائے گا

اپنی حکمت سے آگ کو دی سردی
لوہے میں گلاب کی لطافت بھر دی
ہن ہوں، شک ہوں، عرب کہ اقوامِ عجم
سب کی تلوار اس نے ٹکڑے کر دی

قرنوں سے وہی زماں مکاں ہیں یارو
صدیوں سے وہی کون ومکاں ہیں یارو
جو خون سے کھیلتے تھے ہولی اے دوست
وہ صاحبِ سیف اب کہاں ہیں یارو

تلوار کو برگِ گل میں ڈھالا ہم نے
خنجر کو دیا گلوں کا ہالہ ہم نے
یہ امن کی دین ہے، زرِ گل سے ندیم
ہیرے کا جگر تراش ڈالا ہم نے

گل ریز ہے گلبار وطن کی مٹی
خوشبو میں بسی یہ شال دن کی مٹی
اک پھول مہاویر ہے اور اک گوتم
زرخیز ہے کیا میرے چمن کی مٹی

رہبر ہم ہیں، نشانِ منزل ہم ہیں
ہر فلسفۂ زیست میں کامل ہم ہیں
کیا چین ہے اور کیا روایات اس کی
مشرق کی روایات کے حامل ہم ہیں

ہے رقص یہاں، نغمہ یہاں، چنگ یہاں
موجود ہیں چین وروس وافرنگ یہاں
دیوانۂ رنگ ونسل مے خانہ میں آ
ہر نسل یہاں ہے اور ہر رنگ یہاں

اس طرح بھی شغلِ مے کی تمہید سہی
مے خانے میں زندگی کی تجدید سہی
ساقی پابندِ ظرف ہونا کیسا
ساغر جو نہیں تو جامِ خورشید سہی

ساقی مجھے آبِ زندگانی دے دے
پیاسا ہوں شرابِ ارغوانی دے دے
جھوما کروں مستی میں جوانوں کی طرح
بھر بھر کے پیالوں میں جوانی دے دے

دُنیا اِک پرتوِ سیاست ساقی
مذہب تخلیقِ آدمیت ساقی
الہام ہوا یہ میکدے میں مجھ پر
تو ہے ذی رُوح اِک حقیقت ساقی

توہینِ مزاجِ مدعا کرتے ہیں
تکذیبِ مشیتِ خدا کرتے ہیں
جو نیک ہیں کرتے ہیں وہ نیکی پہ عمل
جو کچھ نہیں کرتے وہ دُعا کرتے ہیں

اپنی کہو اس سے اور نہ کچھ اس کی سُنو
اس شخص کی پرچھائیں سے بھی دُور رہو
جو موجِ حوادث کے تھپیڑے کھا کر
افلاس کے باوجود تبدیل نہ ہو

آنسو راتوں کو یوں بہانا ہے فرار
تا صبح خلا میں گڑگڑانا ہے فرار
ہے زندگی، زندگی سے ٹکر لینا
گھبرا کے دُعا کو ہاتھ اُٹھانا ہے فرار

ٹکڑے یہ قبائے آدمیت ہو جائے
ساری تعمیرِ زیست غارت ہو جائے
سیانوں کو خبر ہے اور نہ داناؤں کو علم
اِک سانس کے بعد کیا قیامت ہو جائے

مندر اُڑ جائے موجِ خوشبو کی طرح
بہہ جائے کنشت گرم آنسو کی طرح
کس بُت کا شکار ہوں اگر یہ کہہ دوں
آمادۂ رم حرم ہو آہو کی طرح

ذہنِ انسان ہے اور مسرت کی تلاش
دوزخ کی تلاش ہے نہ جنت کی تلاش
ذکرِ دیں ہو کہ فکرِ دُنیا کا غم
ہر جہدِ حیات ایک راحت کی تلاش

پنجہ جلّاد کا بنایا جس نے
شانہ قاتل کا تھپتھپایا جس نے
کیا حفظِ کبوتر کا نہیں وہ ضامن
شاہیں کو دیا شکار تازہ جس نے

ہر ظُلم بدی کا نقش تابندہ ہے
افکار کا سُورج بھی درخشندہ ہے
پھر بھی ہے شرقیوں کو دھوکا کہ ہنوز
مذہب ہے کارساز اور زندہ ہے

بابا یہ تصوّرِ شہی کچھ بھی نہیں
یہ زعم وقوف و آگہی کچھ بھی نہیں
دولت مند و غریب، یہ پست و بلند
جب تک یہ نظام ہے خودی کچھ بھی نہیں

یہ چور، یہ خود غرض، یہ قزّاق نظام
یہ جابرِ صبحِ زندگی، غاصبِ شام
اس چور نظام میں شرافت کی قسم
چوری تقسیمِ حق کا ہے دوسرا نام

جاری ابلیس کی شریعت ہے یہاں
نیکی توہینِ آدمیت ہے یہاں
ہے خون میں اس سماج کے بُرائی پیوست
صالح ہونا خلافِ فطرت ہے یہاں

مجروح رہے گی نسلِ آدم کی انا
تحریص مذاہب کا ہے جب تک، جھگڑا
کب تک تفریق کی مسلسل آندھی
توڑو دھرتی سے آسماں کا رشتہ

جذبوں کے نفیس ایاغ بکتے ہیں یہاں
روحوں کے حسیں چراغ بکتے ہیں یہاں
منڈی ہے یہ میدانِ سیاست اے دوست
دل بکتے ہیں یاں دماغ بکتے ہیں یہاں

چیتوں کا ہے مکر و دغل، کتوں کی بھنبھوڑ
بچھو کی ہے نیت تو اژدر کی مروڑ
کچھ حضرتِ بوزینہ پہ موقوف نہیں
انسان ہے سیکڑوں درندوں کا نچوڑ

کیا ربِ کریم، کیا مرا داتا ہے
انصاف و مساوات کو شرماتا ہے
دے کر کچھ غاصبوں کو وافر دولت
باقی بندوں سے بھیک منگواتا ہے

کل تھا اخلاص مشعلِ راہِ حیات
مکتی، نروان، رستگاری و نجات
اور آج منافقت ہے اسمِ اعظم
الفاتحہ اے غرورِ اقدار و صفات

کھیتی قرنوں سے اپنی جلتی ہی رہی
شعلے بادِ خزاں اگلتی ہی رہی
وعدہ رحمت کا کل پہ ٹلتا ہی رہا
اور ظلم کی شاخ تھی کہ پھلتی ہی رہی

رَس کی گاگر چھلک نہ جائے سنبھلو
سنبھلو آنچل ڈھلک نہ جائے سنبھلو
سنبھلو سنبھلو کمر نہ بَل کھا جائے
یہ قوسِ قزح لچک نہ جائے سنبھلو

کوئل بے خود ہے اور پپیہا رقصاں
گنگا رقصاں ہے اور جمنا رقصاں
ہاں کرشن کی لَے میں پھر سُنا دے بنسی
پھر ہو مری آتما کی رادھا رقصاں

ممکن نہیں مخدُوم کا خادم ہونا
ہے جھوٹ بخیل دل کا حاتم ہونا
ہے خواہشِ اقتدار احساس کی موت
تذلیل ہے باغیوں کی حاکم ہونا

بقال جہاں میں زندگی کچھ بھی نہیں
حمّال ہے دوست آدمی کچھ بھی نہیں
ہے تیرے تخیل میں جو افلاک گداز
دُنیائے عمل میں وہ خودی کچھ بھی نہیں

ہر سُو ہے لطافت پہ کثافت غالب
ہے جذبۂ عشرت پہ معیشت غالب
کیوں ایسی جگہ آئے جہاں اے ساغر
مغلوب ہے حسن اور تجارت غالب

جنگل میں گیا تو دیدۂ تر برسے
مقتل میں گیا تو تیر و نشتر برسے
بستی پہ مرا شیشۂ دل ٹوٹ گیا
ساغرؔ مری تقدیر سے پتھر برسے

خُون کے پیاسے یہ سُود خوروں کا سماج
یہ عفتِ زندگی کے چوروں کا سماج
کُل عالمِ انساں کو نگل جائے گا
باقی جو رہا یہ دھن بٹوروں کا سماج

جنگیں جاری رہیں گی رہزن باقی
دنیا میں رہیں گے آدم افگن باقی
ہے جھوٹ ہر ادّعائے حکمت ساغرؔ
جب تک ہے لغت میں لفظِ دشمن باقی

پیاری کہیں دل و جان سے رشوت ہے اسے
قزاقی و رہزنی سے اُلفت ہے اسے
چوری تو ہے اس سماج کی چہیتی بیٹی
یہ اپنے سگوں سے کیوں شکایت ہے اسے

ہے نوکِ زباں پہ نقد ہونٹوں پہ اُدھار
ہر گام قیام ہے تو ہر موڑ فرار
اللہ اللہ یہ فیضِ عہدِ حاضر
انسان چلتا پھرتا ہے اِک چور بزار[1]

بالوں میں شبِ ہجر کی لمبائی تھی
گالوں میں گُلِ سُرخ کی رعنائی تھی
اب تک مری آنکھوں کو ہے یاد اے ساغرؔ
بنگال میں اِک آنکھ نظر آئی تھی

---

[1] "چور بازار" کے بجائے عوام میں "چور بزار" بولا جاتا ہے اور عوام کی بولی ہی اصل میں سند ہے۔ ساغرؔ

کالا بازار، رشوتیں اور یہ بیاج
لیتے ہیں چور شریفوں سے خراج
برتر از اشتراکیت ہو جو نظام
حقدار ہے اُس نظام کا یہ قزاق سماج

کوثر ہے شرابِ شادمانی میری
موجِ تسنیم ہے روانی میری
فردوسِ طرب کا میں ہوں مہماں ساغرؔ
حوروں کی جوانی ہے جوانی میری

جس قوم نے سرکشی سے رشتہ جوڑا
کردار کا شیشۂ مصفّا توڑا
اس قوم کی ذلت مصدّق ساغرؔ
جس قوم نے تہذیب کا دامن چھوڑا

دیوانگیٔ مذہب و تہذیب کو چھوڑ
ٹوٹے ہوئے رشتوں کو مری جان اور توڑ
تاریخ کا ننگ ہے یہ ٹوٹے ہوئے رشتے
ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑ سکتا ہے تو جوڑ

ڈاکو نہیں، رہزن نہیں، بٹ مار نہیں
انسان سے منافقت میں ہوشیار نہیں
دُنیائے دنی کا در ہے اس شخص پر بند
جو خود غرض و کاذب و مکار نہیں

بے رنگ رُخِ نگارِ فطرت ہو جائے
بے نور جبینِ علم و حکمت ہو جائے
اُٹھ جائے جو شاعروں کے چہروں سے نقاب
انسان کو شاعری سے نفرت ہو جائے

کتنا فیاض ہے مہاجن کا نظام
دم توڑ رہے ہیں ہر جگہ فن کے امام
دریائے سخا میں ہے بلا کا مدوجزر
فاقے ہیں کمالِ شاعری کا انعام

جسمِ انساں ہے اور توریت کا گون
آزاد ہے یاں دامِ روایات سے کون۔
حاضر کے فراعنہ کو رونے والو!
موسیٰ ہیں جو آج کل وہ ہوں گے فرعون

پاکیزہ ہیں کچھ مگر ہیں گندے لاکھوں
شاہنشہی و ہوس کے بندے لاکھوں
دُنیائے دنی کے اس گھنے جنگل میں
انسان بہت کم ہیں درندے لاکھوں

پختہ ہیں جنابِ شیخ ہم ہیں کچے
اتنا تو بتائیں وہ اگر ہیں سچے
کیا پچھلے جنم میں تھے خُدا کے دشمن؟
یہ بھوک سے ایڑیاں رگڑتے بچے

شاکی ہوں خُدا سے یہ تیری شان ہے کیا؟
یہ عالمِ آب و گِل میں طوفان ہے کیا؟
ناپختہ و کم ظرف، کمینہ، گھامڑ
انسان سے کیا گلہ ہے انسان ہے کیا؟

اِک بوند ہے شبنم کی ہزاروں لُو کے
اِک ناؤ ہے اور لاکھ دھارے جُو کے
کیسے سنبھلے یہ کاروبارِ عالم
اِک قادرِ مجبور کروڑوں بھوکے

منزل کوئی ماورائے آفاق نہیں
مخلوق اک واقعہ ہے خلاق نہیں
لاکھوں یہ بھوک سے بلکتے معصوم
شاکی ہیں کوئی رحیم و رزاق نہیں

افسانہ ہے اہرمن تو یزداں افسوں
مکتی دیوانگی ہے نرواں جنوں
لپٹے ہوئے جس ستون سے ہیں وہم و خیال
مدت ہوئی کب کا ہل چکا ہے وہ ستوں

عید آئی، گئی وہ سرگرانی میری
ہنسنے لگی صبح شادمانی میری
شیشے ہوئے ہمکنارِ ساغر ساغر
اور مجھ سے گلے ملی جوانی میری

گلشن پہ عیاں ہے زندگانی میری
پھولوں کی زباں پہ ہے کہانی میری
انفاس مرے تمام گلشن کا ہیں عطر
جھونکا ہے نسیم کا جوانی میری

دنیائے عمل ہے زندگانی میری
اک معرکہ ہے حیاتِ فانی میری
سیلاب ہے سیلاب مرا عالمِ شوق
طوفان ہے طوفان جوانی میری

ہر سانس ہے موجِ ارغوانی میری
میخانہ بدوش زندگانی میری
ہر لمحہ ہوں بادہ بار و مست و بیخود
ہر وقت ہے ساقیا جوانی میری

تم یاد کرو گے تو بھی یاد آؤں گا
بیداد کرو گے تو بھی یاد آؤں گا
جم جائے گی اُڑ کے خاک دامن پہ کہیں
برباد کرو گے تو بھی یاد آؤں گا

ٹوٹے گا طلسمِ ظلم اِک دن پیارے
بخشیں گے نہ انھیں انقلابی دھارے
محلوں میں جو فرعون بنے بیٹھے ہیں
سڑکوں پہ پھریں گے کل یہ مارے مارے

بھوکے مکھڑے بھی ہیں تموّل کے غلام
من جملۂ اجناس ہے ہر ماہِ تمام
لوہے کا لگن ہے اور پتھر کی زمیں
قزاق بنے بغیر چلتا نہیں کام

چوری کے ستون پر ہے کلچر کا مدار
مکھڑے پہ ہے تہذیب کے چوری سے بہار
کیا دیکھتا ہے یہ جگمگاتے ہوئے قصر
ان میں سے ہر اِک قصر ہے اِک چور بزار

بھری ہوئی بھوک کی یہ معذوری ہے
سوکھی ہوئی انتڑیوں کی مقہوری ہے
چوری کو کمالِ جرم کہنے والے
چوری چوری نہیں ہے مجبوری ہے

مے خانے پہ اَبر آ کے اکثر برسے
ہر بار پہلے سے کھُل کر برسے
مے نوش جب آئے تو گلابی برسی
غیر آئے تو ٹوٹے ہوئے ساغر برسے

عطریتِ منشائے الٰہی پھیلی
اور مہر سے لے کے تا بہ ماہی پھیلی
پیدا ہوئے ہستی میں محمدؐ کے نقوش
جب نقطۂ وحدت کی سیاہی پھیلی

تفریق بقدرِ سرِ مو پیدا ہے
اپنی ہی طرف سوادِ خود پھیلا ہے
نکتہ ہے محیطِ فہمِ عالم ساغرؔ
احمد میں احد میں فصلِ یک نقطہ ہے

توحیدِ خدا کی لَو بڑھائی تُو نے
الحاد کی معصیت مٹائی تُو نے
مقبولِ خدا کون سا ہے بندہ ایسا
کی بھیس میں بندے کے خدائی تُو نے

رزّاق نے دی صلاحِ دریوزہ گری
جبرِ قدرت نے درسِ حاجت مندی
لوٹا جب ہر قدم پہ پندارِ حیات!
تب مجھ پہ کھُلے رموز و اسرارِ خودی

عید آئی ہے حوروں کا تبسم بن کر
خاموش فرشتوں کا تکلم بن کر
کر جاؤ مجھے عید کے دن تو مسرور
آ جاؤ مرے دل کی خوشی تم بن کر

ہر میل پہ فردوس ہے ہر موڑ پہ حور
ہر گام پہ خمستانِ چشمِ مخمور
ہے سینۂ حسن میں جو تلخابۂ غم
اک آنکھ اُسے بھی دیکھ لیتا ہوں ضرور

مسرور ہوں میں کیف نظر سے ساقی
محروم نہ جاؤں تیرے در سے ساقی
بادل کی طرح سیاہ کمبل تن جائیں
اور مینہ کی طرح شراب برسے ساقی

اشیا کا جمود جذبۂ رم کی دلیل
بحران ہے انقلابِ عالم کی دلیل
شبنم ہے دلیلِ شعلہ اے موجِ شمیم
ہر شعلۂ جوالہ ہے شبنم کی دلیل

مجروح رہے گی نسلِ آدم کی انا
تحریصِ مذاہب کا ہے جب تک جھگڑا
کب تک تفریق کی مسلسل آندھی
توڑو دھرتی سے آسماں کا رشتہ

ساقی وہ ڈھکی چھپی ہوئی اور پلا
ہے عید کا دن آج ابھی اور پلا
ڈھلتی ہے صراحی جو چمن میں ساغر
کہتا ہے پپیہا بھی کہ "پی اور پلا"

شملہ کی فضا ہے انجمستانِ سکون
دہلی کا سواد ہے گلستانِ سکون
دونوں کے مقابلے میں لیکن ساغر
کلکتہ ہے ایک محشرستانِ سکون

اِک ابرِ کرم فضا فضا میں برسا
برسات کی گھنگھور گھٹا میں برسا
کعبہ سے چلا تو چھا گیا طیبہ پر
طیبہ سے اُٹھا تو کربلا میں برسا

غم میں خلشِ آلِ عبا یاد آئی
تکلیف میں فکرِ شہدا یاد آئی
باطل ہوئے حادثاتِ دُنیا ساغر
ہر ایک بلا میں کربلا یاد آئی

دل تیری تجلّی سے چمک جاتا ہے
گو پیکِ نظر دید سے تھک جاتا ہے
نظروں میں سمائے کیا کوئی تیرے سوا
سُرمہ بھی تو آنکھوں میں کھٹک جاتا ہے

دیکھی ہیں مچلتی ہوئی رفتاریں چند
کھائی ہیں دِل و جگر پہ تلواریں چند
جموں میں قیامت ہیں یہ ساماں ساغر
ساحل ہو توی کا اور شلواریں چند

ہر چیز نظر گیر نظر آتی ہے
ہر ذرّہ میں تنویر نظر آتی ہے
جمّوں کے سوادِ رنگ و بو میں ساغر
کشمیر کی تصویر نظر آتی ہے

اللہ رے بتانِ حور تمثال کی آنکھ
دیکھی نہیں اس کیفیت و حال کی آنکھ
میرا تو یہ فیصلہ ہے بس اے ساغر
ساڑی پورب کی اور بنگال کی آنکھ

یہ عشرتِ داد و دید بے معنی ہے
یہ راحتِ نو پدید بے معنی ہے
ہے عید حقیقت میں عبادت تم سے
جب تم ہی نہیں تو عید بے معنی ہے

تسکین و نشاط خستہ کاموں کی نہیں
گلگشت چمن سُست خراموں کی نہیں
آزاد ہے جن کا ملک جو ہیں آزاد
عید اُن کی دُنیا میں غلاموں کی نہیں

جس دن تسکین قلب ممکن ہوگی
مشرق کی فضا خموش و ساکن ہوگی
برسے گی طہُور کی شرابِ رنگیں
شاعر تری خاص عید اس دن ہوگی

یہ جبر کا آئین، خراجی دستور
دولت کا نظام، یہ رواجی دستور
قانون کا رہے گا راج دنیا میں یونہی
جب تک نہ مٹے گا سامراجی دستور

ہر موجِ نفس سے بُوئے خوں آتی ہے
ہر تارِ نظر میں تیغ تھراتی ہے
نسلِ حاضر میں وہ شقاوت ہے نہاں
جو آن میں اقوام کو کھا جاتی ہے

ہر شے پہ ہے آج حُکمرانی تیری
ہے ایک کنیز زندگانی تیری
غم ناک شباب کا ہیولہ میں ہوں
اور روحِ شباب ہے جوانی تیری

قوّت ہی نہیں عروجِ قوّت ہم ہیں
طاقت ہی نہیں کمالِ طاقت ہم ہیں
محکم تھا ہمارے دَم سے قصرِ شاہی
مزدور نہیں ستونِ دولت ہم ہیں

مہکی ہوئی جانِ شادمانی آئی
بہکی ہوئی رُوحِ کامرانی آئی
اُترا جو خُمارِ کمسنی اے ساغر
لیتی ہوئی انگڑائی جوانی آئی

رقاصۂ کیف و شادمانی آئی
گلشن میں بہارِ زندگانی آئی
پھر بھیس میں بھونرے کے چلا میں ساغر
پھر پھول کے رُوپ میں جوانی آئی

تشنہ تھی بہارِ شادمانی میری
افسردہ کنول تھی زندگانی میری
بوندوں سے چھلک اُٹھی بہار اے ساغر
بادل سے برس پڑی جوانی میری

مستی ہے شرابِ ارغوانی میری
ہستی ہے نشاط و شادمانی میری
میرا دِل مخمور ہے مینائے شفق
برسات کی شام ہے جوانی میری

مینائے طلوعِ زندگانی میری
اور جامِ صبوح کامرانی میری
ساغر مرا دل ہے اِک اَچھوتا ساغر
دوشیزۂ حسن ہے جوانی میری

تھی گرمِ اثر جو زندگانی میری
پانی ہوئی خوب سرگرانی میری
دُنیا میں گھٹائیں آکے برسیں ساغر
اور مجھ پہ برس پڑی جوانی میری

گلچینِ بہارِ زندگانی میری
فردوس شکار گلفشانی میری
ہستی کا چمن مِری جوانی کا ہے عکس
عکاسِ بہار ہے جوانی میری

سرشار ہے حسنِ شادمانی میری
گل بار ہے صبحِ زندگانی میری
جذبات کی چھائی ہیں بہاریں ساغر
اِک جنتِ شوق ہے جوانی میری

جھومر ہے بہارِ شادمانی میری
کنگن ہے نشاط و کامرانی میری
گہنا پھولوں کا میرے جذباتِ شباب
دلہن کا سہاگ ہے جوانی میری

احساس کی جان ہے جوانی میری
جذبات کی شان ہے جوانی میری
مستی کا شباب ہے محبت ساغر
ہستی کی اُٹھان ہے جوانی میری

قدرت کا تبسم ہے جوانی میری
اُلفت کا تکلم ہے جوانی میری
سازِ ہستی کا ایک نغمہ ہے حیات
فطرت کا ترنم ہے جوانی میری

رنگت ہے نمو سے ارغوانی میری
پہلی ہے بہارِ زندگانی میری
اُمڈی ہوئی بدلی ہے مرا جوشِ شباب
اُٹھتی ہوئی کونپل ہے جوانی میری

ہے زمزمہ بردوش کہانی میری
پھولوں کا رباب زندگانی میری
مُطرب کے گداز لب کا رس ہوں ساغر
اُلفت کا ستار ہے جوانی میری

قطرہ نے سُنائی ہے کہانی میری
موتی سی بنی ہے زندگانی میری
آرام گہِ مسرت و عشق و جمال
اِک قصرِ تبسّم ہے جوانی میری

کتنی رنگین ہے کہانی میری
کِس درجہ ہے مست زندگانی میری
مے نوش ہے ہر وقت غزل خواں ہر دم
کیا شاعرِ مست ہے جوانی میری

چشموں کی روانی میں کہانی میری
پھولوں کی مہک میں زندگانی میری
فردوس ہے جس باغ کا اِک لالۂ خشک
وہ گلشنِ زیست ہے جوانی میری

تسکینِ نگاہ ہے جوانی میری
آنکھوں کی پناہ ہے جوانی میری
آلودۂ تخریب ہوں اس کے ہاتھوں
قدرت کا گناہ ہے جوانی میری

انوار فگن ہے ضوفشانی میری
پُر نور ہے شامِ زندگانی میری
تاروں بھری رات ماند ہوگی ساغر
ہے چودھویں کا چاند جوانی میری

افسانۂ کیف ہے کہانی میری
ہے محوِ نشاط زندگانی میری
بہکا ہوا مست ہے مِرا دل ساغر
بھیگی ہوئی رات ہے جوانی میری

ہے وحشیِ عشق زندگانی میری
مبہوت ہے انبساطِ فانی میری
مَیں کیفِ شباب سے ہوں مجنوں ساغر
لیلائے جمال ہے جوانی میری

ہنگامہ طلب ہے زندگانی میری
روداد ہے لبریزِ معانی میری
لکھیے تو فسانہ ہے مِرا حالِ شباب
پڑھیے تو کتاب ہے جوانی میری

ہے کتنی سُبک جواں بیانی میری
سیکھی ہے صبا نے بھی روانی میری
لے اُڑتی ہے حُسن کی فضاؤں میں مجھے
وہ طائرِ صد پَر ہے جوانی میری

ہے "نقشِ طلسم" زندگانی میری
اور سحرِ حلال خوش بیانی میری
تسخیر کیا حُسن کو جس نے ساغر
جادو ہے وہ جادو ہے جوانی میری

ہاں آگ ہے سوزشِ نہانی میری
بے وجہ نہیں شعلہ فشانی میری
آنکھوں سے ٹپکتے ہیں شرارے ساغر
اِک سوزِ تمام ہے جوانی میری

شعلوں نے سُنی نہیں کہانی میری
برقِ خاطف ہے زندگانی میری
تاروں میں جھلک اُٹھی مری برقِ شباب
ذرّوں میں چمک گئی جوانی میری

تھی دشمنِ ہوش لن ترانی میری
ہر ذرّہ کو یاد ہے کہانی میری
تھا طور مری برقِ نظر کا سُرمہ
مُوسیٰ نے تو دیکھی ہے جوانی میری

خورشیدِ سحر ہے ضوفشانی میری
شمعِ محفل ہے زندگانی میری
ڈھلتا ہوا سایہ ہے مرا رنگِ شباب
چڑھتی ہوئی دھوپ ہے جوانی میری

موجِ ہر اشک ارغوانی میری
میخانۂ عشق زندگانی میری
آنکھوں سے ٹپک رہی ہے مستی ساغر
جوشِ مئے ناب ہے جوانی میری

ہے چین کی ہر گھڑی سُہانی میری
سُکھ بھوگ رہی ہے زندگانی میری
ہوں اپنے زمانے کا کنہیّا ساغر
اور وقت کی رادھکا جوانی میری

اِک معجزہ تھی حیاتِ فانی میری
پھر لوٹ کر آئی زندگانی میری
محشر میں دوبارہ جو ملی ہے ساغر
تقدیرِ زلیخا ہے جوانی میری

ہے صرفِ تلاشِ خستہ جانی میری
پیغامِ طلب ہے زندگانی میری
بے چین پپیہا ہے مرا دل ساغر
کہسار کی کوئل ہے جوانی میری

حسرت کرتی ہے میزبانی میری
وحشت بنتی ہے یارِ جانی میری
لبریزِ تاثرات ہوں میں ساغر
جذبات کی دُنیا ہے جوانی میری

نقشینِ الم ہے زندگانی میری
رنگین ہے ظلم سے کہانی میری
ہوں صفحۂ تاریخ پہ اِک قطرۂ خوں
یوسف کی قمیص ہے جوانی میری

ہے جاذبِ کیف زندگانی میری
دامن کشِ حُسن خستہ جانی میری
احساس کو جذب کرتے کرتے ساغر
خود جذب نہ ہو جائے جوانی میری

ہے شرح الست مے چکانی میری
تفصیلِ ازل ہستیِ فانی میری
فرہنگِ حقیقت ہیں خط و خالِ شباب
تقریظِ حیات ہے جوانی میری

تمکینِ خیال ہے جوانی میری
اِک برقِ جلال ہے جوانی میری
قدرت کا کمالِ شوقِ تخلیق ہوں میں
فطرت کا جمال ہے جوانی میری

ت میں مکر ہے ہر اِک طرز میں لوٹ
بش چشم میں تظلّم کی ہے چھوٹ
ول پہ ہے لیڈروں کے اِک ایسلاجِ
ِکسی جائداد کے دلال کا جھوٹ

رقصِ ساقی مست و رعنا پہ نہ جا
جشنِ مئے و جام و سازِ مینا پہ نہ جا
ہر موج میں پَل رہے ہیں لاکھوں طوفاں
بہتے ہوئے پُرسکون دریا پہ نہ جا

دار ہے انسان کی دولت کردار
مالِ جمیل میں غریبوں کا وقار
ج کے شریف شہر میں پاؤ گے
ولت پہ کیا، اگر شرافت کا مدار

آ تجھ کو بتاؤں کشمکش کی علت
اُردو کی بنائی جا رہی ہے کیوں گت
گولی سے تو مرتا ہے فقط ایک ہی فرد
تبدیلیٔ تہذیب سے جملہ ملت

ہنِ انساں ہے اور مسرت کی تلاش
وزخ کی تلاش ہے نہ جنت کی تلاش
کر دین ہو کہ فکرِ دُنیا ساغر
ہر جہدِ حیات ایک راحت کی تلاش

دُنیا میں نہیں ہے وہ جہنم میں نہیں
عالم میں نہیں ماورائے عالم میں نہیں
تبدیلیٔ تہذیب کے اندر ہے جو زہر
یہ نسل کُشی کا زہر ایٹم میں نہیں

کیسی دُنیا و اہلِ دُنیا ساقی
کیا مذہب و اتقا کا جھگڑا ساقی
سیّال سی شے جو ہے ترے ساغر میں
دُنیا ہے یہی، یہی ہے عقبیٰ ساقی

کر آج شراب کا تماشا ساقی
بہنے لگے مے کدے میں دریا ساقی
سب دیکھتے ہوں ترے کرم کا منظر
ہم ہوں، پینا ہو اور جینا ساقی

طوطے کی طرح بہت پڑھایا ساقی
ہر نکتۂ زندگی بتایا ساقی
لیکن مجھ کو ہوا نہ عرفانِ حیات
جب تک تو نے نہ کچھ پلایا ساقی

دُنیا ہوئی جنگ جُو و گمراہ، پلا
مغرب کو بھی آج توبہ، اکراہ پلا
ساقی حاضر ہے روحِ چغتائی بھی
یہ بھی تھی کبھی یہاں شہنشاہ پلا

بھر دے بھر دے سبو کو بھر دے ساقی
مے آج مجھے جہاں نگر دے ساقی
امریکہ و روس ہوں کہ جاپان و فرنگ
سب کو بدمست عشق کر دے ساقی

لڑتے ہیں تو آج پی پلا کر ہی لڑیں
سڑتے ہیں تو ساغر و سبو ہی میں سڑیں
کیوں آتش و خوں میں مقبرے ہوں تعمیر
گڑتے ہیں تو میکدے کی مٹّی میں گڑیں

پینا دستورِ حریت ہے ساغر
مستی جاوید کیفیت ہے ساغر
ذی ہوش غلام ہیں تہی دامن ہیں
احرار کے پاس شش جہت ہے ساغر

ماحولِ جہاں ہے آفتابی ساغر
سارا عالم ہُوا گلابی ساغر
محو و مصروفِ میکشی ہے شاید
میخانۂ ہند کا شرابی ساغر

اس طرح بھی شغلِ مے کی تمہید سہی
میخانے میں زندگی کی تجدید سہی
ساقی پابندِ ظرف ہونا کیسا!
ساغر جو نہیں، تو جامِ خورشید سہی

یہ قشقہ، پُرضیا کا عالم ساقی
اللہ اللہ یہ زلفِ برہم ساقی
ساماں جو یہ ہیں تو ایک دِن دُنیا پر
لہرائے گا میکدہ کا پرچم ساقی

ہے پیکرِ عیش و کامرانی ساقی
تجھ میں ہنستی ہے زندگانی ساقی
جام و ساغر پہ تیرے دَم سے ہے شباب
تو ہے میخانے کی جوانی ساقی

زندہ رہے تیرا نام اور کام اُٹھا
آجائے گی رات تو سرِ شام اُٹھا
لرزش میں ہوں آج بیدِ مجنوں کی طرح
جو مجھ سے نہ اُٹھ سکا وہی جام اُٹھا

خونی فطرت تمام انساں بہہ جائیں
جنگِ ارذل کے ساز و ساماں بہہ جائیں
اس درجہ بہا شرابِ رنگیں ساقی
تیغ و توپ و تفنگ و میداں بہہ جائیں

اک میں ہی نہیں ہوئی خدائی تشنہ
غربی تشنہ ہے، ایشیائی تشنہ
رندوں کے کریم کھول دے بندِ شراب
خود آج ہے تیری کبریائی تشنہ

جگ مگ کرتا ہوا یہ ایوانِ حیات
پھولوں سے سجا ہوا گلستانِ حیات
سب لوٹ کا مال ہے ترے سر کی قسم
یہ قصر، یہ کوٹھیاں، یہ سامانِ حیات

اپنے مستوں کے دیکھ یہ کام تو دیکھ
ساقی یہ بیخودی کا انجام تو دیکھ
میکش ہیں ترے کہ میکدے کے مردود
خونِ آدم کے ہاتھ میں جام تو دیکھ

قانون و تمدن و سیاست توبہ
مفتی، منصف، غمِ عدالت توبہ
دنیا کا یہ نظمِ اعتباری دیکھو
ہر چیز ہے مایۂ حقیقت توبہ

ہے رقص یہاں، نغمہ یہاں، چنگ یہاں
موجود ہے چین و روس و افرنگ یہاں
دیوانۂ رنگ و نسل میخانے میں آ
ہر نسل یہاں ہے اور ہر رنگ یہاں

اعظم کیسا مجھے معظم کر دے
فخرِ دُنیائے ابنِ آدم کر دے
کیسی انگریز کی غلامی ساقی
مجھ کو آزادِ ہر دو عالم کر دے

ہونے کو ہے ختم زندگانی ساقی
سُننا تا حشر بس کہانی ساقی
اِک گھونٹ کے بعد ختم ہے دورِ شباب
دُردِ تہہِ جام ہے جوانی ساقی

ہندی فانی ہے اور عراقی فانی
شخصی فانی ہے اور وفاقی فانی
میخانہ ہو مست ہوں سبو ہو کہ شراب
ساقی باقی ہے اور باقی فانی

رہبر ہو تو رہبری دِکھاؤ للّٰہ
جو دل میں ہے وہ زبان پہ لاؤ للّٰہ
پیماں کریں خودکشی کا یا بھوک کا عہد
کِس شے پہ ہوں متحد بتاؤ للّٰہ

اپنی کہو اُس سے اور نہ کچھ اُس کی سُنو
اُس شخص کی پرچھائیں سے بھی دور رہو
جو موجِ حوادث کے تھپیڑے کھا کر
افلاس کے با وجود تبدیل نہ ہو

ہر سانس اِک پیکِ زندگی ہے پیارے
ہر گام اِک سنگِ آگہی ہے پیارے
ہر ثانیہ فکر کا ہے اِک قرنِ عظیم
ہر لمحہ تجسّس کی صدی ہے پیارے

یہ جنسِ حسن بھی لوٹ بن جائے گی
تخریب کی ایک چھوٹ بن جائے گی
بڑھ بڑھ کے نہ کر صداقت کا بیاں
حد سے گذری تو جھوٹ بن جائے گی

ہے رحم و کرم سے کس کے بیزار انساں
انساں سے ہے خود برسرِ پیکار انساں
دُنیا کو بنا دیا ہے دوزخ اس نے
کس منہ سے ہے جنت کا طلب گار انساں

اس کی مینا چھلک نہ جائے سنبھلو
سنبھلو آنچل ڈھلک نہ جائے سنبھلو
سنبھلو، سنبھلو، کمر نہ بل کھا جائے
یہ قوسِ قزح لچک نہ جائے سنبھلو

ان کے ہونٹوں میں ہے جو میخانہ نہاں
میرے اشعار میں وہ پیمانہ کہاں
تاروں کی طرف اُٹھی وہ چشمِ میگوں
چکرا کے نہ گر پڑے یہ بوسیدہ جہاں!

پنہاں ہستی ہے اور ظاہر ہستی
سرچشمۂ صد طلسم ساحر ہستی
مُرجھائے جو پھول، کھِل کے کلیوں نے کہا
اوّل ہستی ہے اور آخر ہستی

ہنستا ہے فلک تو گُنگُناتی ہے زمیں
جگمگ کرتی ہے چاند تاروں کی جبیں
اُمیدِ حیات کو لگاتی ہے گلے
دو دِل ملتے ہوئے جو پاتی ہے کہیں

نغمے بالکل نئے سناؤں تجھ کو
ساغر بالکل نئے پلاؤں تجھ کو
میخانے میں آپھینک دے جامِ مشہد
ایک بوند میں سو جہاں دکھاؤں تجھ کو

زخمی دل کو کیسے دِکھائیں ، یہ کہو
خون کے آنسو کیسے رُلائیں، یہ کہو
جگ پر بیتی ، سو ہم پہ بیتی لیکن
اپنی بیتی کیسے سنائیں ، یہ کہو

جیون کے دُکھوں کو، بے کسی کو سمجھو
زندہ ہو ، اگر تو زندگی کو سمجھو
بھگوان کو سمجھا ہے، نہ سمجھے کوئی
انسان اگر ہو ، آدمی کو سمجھو

شبنم سے دُھلے ہوئے گُلِ تر کی قسم
کرنوں سے سجے مہِ منوّر کی قسم
جس سے ہے جبینِ ارتقا نور فشاں
وہ خاکِ وطن ہوں میں ترے سر کی قسم

مکھڑا اوشا کا یوں نکھر جاتا ہے
جوڑا پھولوں کا یوں سنور جاتا ہے
تنہائی میں رات کی پروتا ہوں جو ہار
وہ صبح کی ٹھیس سے بکھر جاتا ہے

اے چندر کرن نظر جھکائے ہوئے چل
جیوتی آنچل تلے چھپائے ہوئے چل
ہر ذرّۂ خاک میں ہیں سورج لرزاں
دھرتی پہ مری قدم جمائے ہوئے چل

اہلِ سرمایہ ہوں یا قائدِ سرمایہ پرست
کون آئینِ مکافات سے بچ سکتا ہے
نسلِ انساں بھی اُن سب کا لہو چوسے گی
نسلِ انساں کا جس جس نے لہو چوسا ہے

بقّال جہاں میں زندگی کچھ بھی نہیں
حمّال ہے دوست آدمی کچھ بھی نہیں
ہے تیرے تخیّل میں جو افلاک گدا
دنیائے عمل میں وہ خودی کچھ بھی نہیں

ساقی پھر چھیڑ دے ربابِ مستی
پیاسا ہے ابھی بہت خرابِ مستی
پینا جینا ہے اور جینا پینا
ہستی کی جوانی ہے شبابِ مستی

ماہ و خورشید آج پینے آئیں
زہرہ کو حدودِ میکدہ میں لائیں
وہ عالمِ کیف و وجد ہو اُنسے سا
لوٹے کریں رقص اور گونگے گائیں

عالم کو خرابِ کیف و مستی کر دے
غرقِ مئے نابِ غم کی بستی کر دے
بہتی پھرے کائنات تنکے کی طرح
جتنی ممکن ہو آج مستی کر دے

پنہاں رقصاں ہو اور پیدا رقصاں
دُنیا رقصاں ہو اور عقبیٰ رقصاں
اے مطربِ ہست کوئی ایسا نغمہ
ہوں جس کے اثر سے دین و دُنیا رقصاں

لے میں اعلانِ نون کو ترنم آفریں محل پر جائز سمجھتا ہوں۔ میرے خیال سے اس قسم کے حدود و قیود اڑا دینے چاہئیں۔

ہر رُوح ہو مست اور ہر دَم بے خود
خسرو بے خود ہو اور کے جم بے خود
بے خود ہونے سے کوئی باقی نہ رہے
تشنئے سے ہو کل سوادِ اعظم بے خود

یہ صبحِ منوّر اور یہ وقتِ نماز
سورج محمودؔ ہے تو غنچہ ہے ایاز
رات آئے نہ آئے کچھ نہیں اس کا یقیں
لا جامِ صبوح ساقیِ بندہ نواز

اخلاص کا دُنیا میں اُجالا کر دیں
اُلفت کا جہاں میں بول بالا کر دیں
جامِ زریں بلند کر اے ساقی
معدوم کو میکدے سے پیدا کر دیں

نقشِ دیر و حرم مٹانا ہے مجھے
معبد بالکل نیا سجانا ہے مجھے
کچھ بن نہ سکا یہ آدمی بن کر بھی
انسان کو انسان بنانا ہے مجھے

جس رنگ کا چنگ ہے اُسی رنگ کی ہو
دُنیا کا جو رنگ ہے اُسی رنگ کی ہو
پی جائیں گے ساقیا مگر شرط یہ ہے
قشقے کا جو رنگ ہے اُسی رنگ کی ہو

رنگین لبوں پہ اِک تبسّم بے تاب
قشقہ ماتھے پہ ہاتھ میں جامِ شراب
اللہ اللہ یہ کُفر اور یہ ایماں!
توبہ توبہ یہ میرے ساقی کا شباب

ہوتی نہیں ختم داستانِ ہستی
مٹتا نہیں حشر تک نشانِ ہستی
ہے موت بھی ایک وقفۂ کیف و سرور
دَم لے کے چلے گا کاروانِ ہستی

مجبور ہے رُوح مے پرستی کے لیے
ہو چکی سبب عروج پستی کے لیے
مستی کی نمود ہے برائے ہستی
ہستی پیدا ہوئی ہے مستی کے لیے

نغمے بالکل نئے سناؤں تجھ کو
ساغر بالکل نئے پلاؤں تجھ کو
میخانے میں آ پھینک دے جامِ جمشید
اِک بوند میں سو جہاں دکھاؤں تجھ کو

میرے حالات پر نہ جا ساقی
ہاں پلا جامِ مے پلا ساقی
ارتقا گر ہے انتہائے زوال
ہے تنزّل بھی ارتقا ساقی

کر مجھ پہ نہ غور آج بدمست ہوں میں
جاری رہے دَور آج بدمست ہوں میں
تارے مرے قدموں میں پڑے ہیں سرخوش
اِک جام بھر اور آج بدمست ہوں میں

صحرا سے فضائے گلستاں تک مستی
ہے آج زمیں سے آسماں تک مستی
وہ جامِ خرد سوز دے لے جانِ حیات
چھا جائے مکاں سے لامکاں تک مستی

ںکو ہے ایک صنعتِ نو کی تلاش
ان ہے اور بُت پرستی کا قماش
م محوِ صنم تراشی ہے مگر
ار کے بتکدہ میں اِک سنگ تراش

دُنیا معلوم و اہلِ دُنیا معلوم
عقبیٰ معلوم و رازِ عقبیٰ معلوم
اِک جام ، اِک جام میرے ساقی اِک جام
انجام ہے مجھ کو ہر گُنہ کا معلوم

ندر کا غلام کوئی مسجد کا غلام
نیا والے ہیں بندگانِ اوہام
طرت ہے امامِ کائنات اے ساغر
الم ہے تمام کعبہ، کعبہ ہے تمام

یہ کعبہ و دیر یہ کلیسا مندر
یہ مولوی، پنڈت اور صوفی، رہبر
کچھ وہم کے بُت ہیں اور کچھ پتھر کے
عالَم بُت خانہ اہلِ عالَم بت گر

وثر کا مزہ حسین ساغر میں مِلا
رازِ علم الیقین ساغر میں مِلا
یک لذّتِ بے پناہ و ضدِ عبرتِ کیف
دُنیا ساغر میں دین ساغر میں مِلا

تسکینِ حیات دل کو مستی میں مِلی
نعمت یہ عجب بہارِ ہستی میں مِلی
کہتے ہیں نجات جس کو اہلِ عالَم
مجھ کو راتوں کی بُت پرستی میں مِلی

ہر لحظہ تصور میں یہ مستی کیسی
ہر وقت خموشی بُت پرستی کیسی
اِک جام اور اِک شبِ سیہ کار شباب
مستی نہ ہو جس میں پھر وہ ہستی کیسی

قصرِ ضحاک و طاقِ کسریٰ دے دوں
بُت خانہ و مسجد و کلیسا دے دوں
ٹھہرے جو کہیں وہ رقص کرتے کرتے
میں اُس کو تمام دین و دُنیا دے دوں

بے خود جو ہوئے وہی وفا کیش ہوئے
طے ہو گئے مرحلے جو درپیش ہوئے
جو بندۂ ہوش تھے وہ مُلحد ٹھہرے
جو خود سے گزر گئے وہ درویش ہوئے

ذرّے غیرت دہِ ثریا ہو جائیں
قطروں سے ہزار بحر پیدا ہو جائیں
درویش جہاں بیٹھ کے پی لیں ساغر
اُس خاک سے میکدے ہویدا ہو جائیں

ساقی مُفتی ہے میکدہ جائے عمل
اور جامِ شراب رُوح افزائے عمل
قانونِ جہاں مرے قدم کی لغزش
سرتاجِ شہنشاہ مرا پائے عمل

وہ طورِ عجیب و دورِ عاجل نہ رہا
بے حاصلیِ کیف کا حاصل نہ رہا
کس سے کہیں داستانِ مستی ساغر
محفل نہ رہی وہ رُوحِ محفل نہ رہا

مُتفرّق اشعَار

لرزتے ہاتھ میں جس وقت جام لیتا ہوں
غمِ حیات سے اِک انتقام لیتا ہوں
جو دیکھتا ہوں کبھی پائے شوق میں لغزش
خیال میں ترے دامن کو تھام لیتا ہوں

◉

خیال میں مسکرا رہے ہیں، دماغ میں جگمگا رہے ہیں
میں اُن کو دل سے بھُلا رہا ہوں وہ اور بھی یاد آ رہے ہیں
میں ردِّ روحانیت کی دُھن میں عمل کی دُنیا بنا ہوا ہوں
وہ ہیں کہ ساری لطافتوں سے دماغ پر چھائے جا رہے ہیں
سحر ہے پُرنور رات روشن حیات روشن ممات روشن
اثر سے ہے کائنات روشن وہ اس طرح مسکرا رہے ہیں

◉

بُری طرح مری تر دامنی ہوئی محجوب
نظر اُٹھا کے جو دیکھا تو آفتاب نہ تھا
جہاں پڑی وہیں اِک چوٹ کھا کے بیٹھ گئی
مری نگاہ کو اندازۂ شباب نہ تھا
ترے فراق کے جاگے ہوئے تھے کیا سوتے
ہماری قبر کا سبزہ بھی محوِ خواب نہ تھا
جس آب و رنگ میں چاہا اُسی میں دیکھ لیا!
اِک اعتبارِ نظر تھا ترا شباب نہ تھا

◉

دینے مجھے پیغام تری جلوہ گری کا
جھونکا ابھی آیا ہے نسیمِ سحری کا
آوارگیِ عشق کی حسرت کا بھلا ہو
مقصد ہی نہیں کچھ مری دریوزہ گری کا
ہر ذرّۂ بے قدر تری راہ گزر میں
ہے نقطۂ آخر مری عالی نظری کا
کہتے ہیں جسے موت سب اس دہر میں ساغرؔ
دھندلا سا تخیّل ہے مری بے خبری کا

◉

میں تری یاد میں ہوں صبحِ ازل سے بیکل
مختصر تذکرۂ غم بھی ہے اِک طولِ عمل
نہ تردّد نہ تفکّر، نہ جہنّم، نہ عذاب
کس فضا میں لیے پھرتا ہے مرا حُسنِ عمل
رنگ ہے جزوِ غلط عالمِ بے رنگی کا
اُسے کیا کہیئے جو سمجھا مجھے نقشِ مہمل
میری خودداریِ احساس، الٰہی توبہ
خود ہی رہگیرِ شبِ تار ہوں خود ہی مشعل

◉

محبت میں شکایت ہو رہی ہے
یہ کیوں توہینِ اُلفت ہو رہی ہے
بس اب شکوہ کی اصلیت نہ پوچھو
مجھے خود بھی ندامت ہو رہی ہے
زمانے میں بہت کافر ہیں ساغرؔ
مجھی کو کیوں نصیحت ہو رہی ہے

◉

لوٹ کر نیند لے گیا میری
نرگسِ نیم خواب کا عالم
کھلے پھولوں میں صبح کا منظر
بند کلیوں پہ خواب کا عالم
وہ تبسم کی چاندنی ساغر
وہ شبِ ماہتاب کا عالم

◉

ذرا کچھ اور گہرا رنگ دے چشمِ گلابی کو
بہت کچھ میری فطرت میں ہے گنجائش خرابی کی
فروغِ موجِ مے ہے، شعلۂ رنگِ حنائی سے
چھلکی جاتی ہے چھاتی دستِ ساقی میں گلابی کی
نظر ملتے ہی تجدیدِ تمنا پھر ہوئی ساغر
نگاہِ حسن نے بنیاد پھر رکھ دی خرابی کی

◉

لذت آگیں کس قدر قاتل تری تعزیر ہے
ہر گنہگارِ وفا کو نازشِ تقصیر ہے
ہمتِ دل فتح کر سکتی ہے ساری کائنات
ہاں مگر اک حسن جو ناقابلِ تسخیر ہے
ہے عجب اک چیز ساغر کیف گاہِ میکدہ
مے پرستوں کو یہاں کی خاک بھی اکسیر ہے

◉

برسات کی کالی راتوں میں جب کوئی نالے کرتا ہے
ڈوبا ہوا تارہ بادل میں کیا ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہے
بجلی کے حسنِ تبسم میں بادل کے شورِ تخیل میں
اک صورت سامنے ہوتی ہے اک شخص محبت کرتا ہے

عشق ہنگامہ فروش و حسن ہنگامہ نواز
رنگِ محفل ۔ مانعِ نظّارۂ محفل ہوا
نصف قطرہ خونِ حسرت کا بنا دنیائے عشق
قطرۂ باقی سوادِ جلوہ گاہِ دل ہوا
ڈوب کر اُبھری پھر آئی لاش دوشِ موج پر
ناخدا مژدہ کہ میں آسودۂ ساحل ہوا
سامنے آتے ہی اُن کے آنکھ پُرنم ہوگئی
جانے کیا دیکھا کہ ضبطِ آرزو مشکل ہوا

◉

جو تیرے لب پہ باندازِ مُطربانہ مِلا
زبانِ طائرِ سدرہ پہ وہ ترانہ مِلا
ہر ایک سانس پہ کرنے پڑے مجھے سجدے
قدم قدم پہ تمھارا ہی آستانہ مِلا
قفس کے بعد ہم آزادِ ہست و بود رہے
نہ آشیانے کو ڈھونڈا نہ آشیانہ مِلا
جو ساری رات مرتّب کیا ستاروں نے
دمِ سحر ورقِ گُل پہ وہ فسانہ مِلا

◉

دل میں اے رُوحِ بیتاب اِک حشرِ آواز اُٹھا
عشق کا کوئی سوز سُنا، او متوالی ساز اُٹھا
اوّل و آخر کی پروا عشق بس پوری وحشت ہے
یا فکرِ انجام نہ کر یا قیدِ آغاز اُٹھا
رُوح سے گویا دل ساغر سوز آبادِ ترنم تھا
آتشِ محفل سرد ہوئی جب محفل سے ساز اُٹھا

◉

تازہ تر نغموں سے میری رُوح گرمانے کو ہے
رات کے پچھلے پہر کوئی غزل گانے کو ہے
میرے ایوانِ تصوّر میں کوئی آنے کو ہے
ساری موجودات اِک آغوش بن جانے کو ہے
جلوۂ مفت نظر ہی رائگاں جانے کو ہے
باش! اے ذوقِ تماشا حسُن شرمانے کو ہے

یہ ترے لب ہائے رنگیں یہ تبسُّم یہ بہار
یک بیک گویا چمن میں پھول کھل جانے کو ہے

◉

لعل و گہر لُٹائے جا شمس و قمر لُٹائے جا
ارض و سما ترے نثار، ہاں یونہی مسکرائے جا
شورِ نوا ہے زندگی، ورنہ یہ کیا ہے زندگی
بربطِ بے نوا سہی، نغمۂ شوق گائے جا
خاکِ بلا سے ہو حیات، لاکھ ہو بزمِ کائنات
منظرِ حسُن و ناز سے تو یونہی مسکرائے جا
فرصتِ یک نفس نہ دے، شورشِ کائنات کو
ساغرِ مست گائے جا، حشر یونہی اُٹھائے جا

◉

حدِ شوق و عشق سے آگے بڑھا جاتا ہوں میں
حسُنِ لامحدود کی رو میں بہا جاتا ہوں میں
جب تصوّر میں بغیرِ علم آجاتے ہو تم
ایک نامعلوم عالم میں چلا جاتا ہوں میں
برہمیِ حسن برحق دل کی ناراضی بجا
اکثر اُس محفل میں بے پوچھے چلا جاتا ہوں میں

شمیم سر بسر بن کر، نسیم رہ گزر ہو کر
مہک جاتی ہے بستی وہ گزرتی ہیں جدھر ہو کر

لپٹ جاؤں گا قدموں سے نقوشِ رہ گزر ہو کر
وہ آئیں تو مرے گھر تک وہ گزریں تو ادھر ہو کر

تبسم ان کا رہ جائے جو شمعِ رہ گزر ہو کر
ہر اک رہزن ابھی مشعل دکھائے راہبر ہو کر

مرا ذوقِ نظر تو صرف پرتو ہے جمالوں کا
نظر کو مجرا آتیں بخشی ہیں تم نے پردہ در ہو کر

◉

بڑے بدرُو ہیں بد باطن ہیں بدخُو بدچلن دونوں
مرے مے خانے کے دشمن ہیں شیخ و برہمن دونوں

یہاں بھی خاک اُڑے گی اور وہاں بھی موجۂ صرصر
خزاں آتے ہی ہوں گے ایک صحرا و چمن دونوں

یہاں بھی اجنبی چہرے، وہاں بھی اجنبی چہرے
ہمارے واسطے یکساں ہیں غربت اور وطن دونوں

یہ زخمِ خونچکاں ہے گر، وہ تو یہ ٹھہرا ہوا آنسو
مرے غم کا مرقع ہیں، گلاب و یاسمن دونوں

◉

کہیں اب گوشۂ دامن سے سیلِ اشک رُکتا ہے
کہ یہ رونا نہیں اک دن کا رونا عمر بھر کا ہے

مآلِ عشرتِ یک عمر ہے خاکسترِ ساغر
نہ ساقی ہے نہ پیمانہ نہ مینا ہے نہ صہبا ہے

◉◉